تاریخ بنی ہاشم

جلد اول

ارتضیٰ بن رضا نواز گوپڑی

JANNATULBAQI PDF
Join us for Pdf Books @ Telegram Link
http://t.me/jannatulbaqii
App:- JANNATUL BAQI on Google Play Store
Please intsall & registered your Condemn

تاریخ بنی ہاشم

جلد اول

مصنّف

ارتضیٰ بن رضا نواز گوپڑی

مکتبۃ الشہباز
15-A، معاون مارکیٹ، کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی
فون: 624988

تاریخ بنی ہاشم

جلد اول

برائے ایصال ثواب
سید نثار حسین ابن سید رمضان علی
اختر النساء بنت سید علی جان
سیدہ حسنیٰ بنت اخلاق حسین

Maktaba-tia-Shahbaz

تحقیق و تصنیف

ارتضیٰ بن رضا نواز گوپڑی

نگرانئ اِمام میں ہو گا یہ نیک کام
اچّھا ہے وقت خواب کی تعبیر کے لئے
محشر میں فاطمہؑ تجھے کر دیں گی سرخرو
اٹھ جنّت البقیع کی تعمیر کے لئے
آصف لکھنوی

JANNATULBAQI PDF
Join us for Pdf Books @ Telegram Link
http://t.me/jannatulbaqii
App:- JANNATUL BAQI on Google Play Store
Please intsall & registered your Condemn

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

بار اول ------------ مارچ ۱۹۹۹ء
بار دوئم ------------ مارچ ۲۰۰۲ء
تعداد اشاعت ------------ ایک ہزار
ناشر ------------ مکتبۃ الشہباز
طابع ------------ دلاور زیدی
مطبوعہ ------------ اوکھائی پرنٹنگ پریس
قیمت ------------ Rs. 90/-

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو خاندانِ بنی ہاشم کے ان شہیدوں کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اسلام کی بقاء و سربلندی کیلئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیئے

ارتضیٰ نوازپوری

مشمولات

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
انتساب	۳	محلائل بن قینان	۵۰
مشمولات	۴	یرد بن محلائل	۵۱
سخن ہائے گفتنی	۱۰	اخنوخ بن یرد	۵۲
مصنف کے بارے میں	۱۳	متوشلخ بن اخنوخ	۵۳
ابتدائیہ	۱۹	لمک بن متوشلخ	۵۳
آدمؑ تا ہاشمؑ (باب اول)	۳۳	آدم ثانی حضرت نوحؑ علیہ السلام	۵۴
ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام	۳۴	بعثت نوحؑ	۵۴
ہبوط آدمؑ	۳۴	طوفان نوحؑ	۵۵
سبب ہبوط آدمؑ	۳۴	تحقیق جدید	۵۶
آدمؑ و حوّا کا ملاپ	۳۸	آدم ثانی	[illegible]
سرندیپ	۳۹	دین آبائے نوحؑ	۶۲
اصول مناکحت	۴۱	وفات نوحؑ	۶۲
ہابیل و قابیل کی نذر	۴۳	اولاد نوحؑ	۶۲
قتل ہابیل	۴۴	شجرہ حضرت نوحؑ	۶۶
بعثت آدمؑ	۴۵	اولاد یافث	۶۷
وفات آدمؑ	۴۶	اولاد حام	۶۸
نسب نامہ آدمؑ تا نوحؑ	۴۷	اولاد سام	۶۸
شیث بن آدمؑ	۴۸	سام بن نوحؑ	۶۹
انوش بن شیث	۵۰	ارفخشد بن سام	۷۰
قینان بن انوش	۵۰	شالخ بن ارفخشد	۷۱

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
عابر بن شالخ	۷۱	حضرت اسمعیل علیہ السلام	۹۷
فالغ بن عابر	۷۱	عربی زبان	۹۸
ارغو بن فالغ	۷۲	تولیت کعبہ	۹۹
شاروخ بن ارغو	۷۲	کعبہ میں بتوں کا داخلہ	۱۰۱
ناحور بن شاروخ	۷۲	ازواج اسمعیلؑ	۱۰۳
تارح بن ناحور	۷۲	وفاتِ اسمعیلؑ	۱۰۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام	۷۴	اولاد اسمعیلؑ	۱۰۶
ولادت ابراہیمؑ	۷۴	قیدار بن اسمعیلؑ	۱۰۹
والدین	۷۵	نسل اسمعیلؑ	۱۱۰
طفولیت	۷۶	نسب نامہ اولاد اسمعیلؑ	۱۱۱
تفکر و تدبر	۷۷	عدنان بن اود	۱۱۲
تبلیغ رسالت	۷۸	نسب نامہ اولاد عدنان	۱۱۷
بت شکنی	۷۹	معد بن عدنان	۱۱۸
آتش نمرود	۸۰	نزار بن معد	۱۱۹
عقد	۸۱	مضر بن نزار	۱۲۰
ہجرت	۸۱	الیاس بن مضر	۱۲۰
فرعون مصر	۸۲	مدرکہ بن الیاس	۱۲۰
ولادت اسمعیلؑ	۸۴	خزیمہ بن مدرکہ	۱۲۱
مادر اسمعیلؑ	۸۵	کنانہ بن خزیمہ	۱۲۱
ترک وطن	۸۷	نضر بن کنانہ	۱۲۲
دعائے خلیل	۸۹	مالک بن نضر	۱۲۲
چشمہ زم زم	۸۹	فہر بن مالک	۱۲۲
تعمیر کعبہ	۹۰	غالب بن فہر	۱۲۳
ذبح عظیم	۹۳	لوی بن غالب	۱۲۳
وفات ابراہیمؑ	۹۴	کعب بن لوی	۱۲۳
اولاد ابراہیم	۹۵	مرہ بن کعب	۱۲۵
شجرہ اولاد ابراہیمؑ	۹۶	کلاب بن مرہ	۱۲۵

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
شجرہ اولاد فہر	۱۲۶	ایلاف قریش	۱۶۰
قصی بن کلاب	۱۲۷	فروغ تجارت	۱۶۲
نام لقب و ابتدائی حالات	۱۲۷	حجاج کی ضیافت	۱۶۳
قصی کے کارنامے	۱۳۰	امیہ کا ہاشم سے برسر فساد ہونا	۱۶۸
قصی کے آخری ایام	۱۳۲	عقد نکاح	۱۶۹
عبد مناف بن قصی	۱۳۳	اولاد ہاشم	۱۷۲
عبد شمس بن عبدمناف	۱۳۶	شجرہ اولاد ہاشم	۱۷۳
اولاد عبد شمس	۱۳۷	وفات	۱۷۳
شجرہ اولاد عبد شمس	۱۳۸	ہاشم کا مرثیہ	۱۷۵
شجرہ اولاد امیہ	۱۳۹	اسد بن ہاشم	۱۷۸
نوفل بن عبدمناف	۱۴۰	فاطمہ بنت اسد	۱۷۹
اولاد نوفل	۱۴۱	**شیبہ بن ہاشم (عبدالمطلب)**	۱۸۲
مطلب بن عبد مناف	۱۴۳	نام و کنیت	۱۸۲
اولاد مطلب	۱۴۵	لقب	۱۸۳
حارث بن مطلب	۱۴۵	آبائی میراث	۱۸۵
عبیدہ بن حارث	۱۴۵	چشمہ زمزم کی دریافت	۱۸۶
شجرہ اولاد مطلب	۱۴۶	بشارت خداوندی	۱۸۸
دین اجداد النبیؐ	۱۵۰	تحکیم	۱۸۹
ہاشمؑ تا خاتمؐ (باب دوئم)	۱۵۵	قدرتی فیصلہ	۱۹۰
ہاشم بن عبد مناف	۱۵۶	دفینہ قدیم	۱۹۲
ولادت	۱۵۶	ذوالہرام کی واپسی	۱۹۳
القاب	۱۵۷	محالفہ	۱۹۳
احتفاد	۱۵۹	منافرہ	۱۹۴
مناصب پر تنازعہ	۱۵۹	نذر عبداللہ	۱۹۷
معاہدہ مطیبین	۱۶۰	ایک پیشنگوئی	۱۹۹
معاہدہ ایلاف	۱۶۰	عبداللہ کی شادی	۲۰۰

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
کلیسائے یمن	۲۰۰	دختران عبدالمطلب	۲۳۰
ابرابہ کی فوج کشی	۲۰۰	عاتکہ برہ امیمہ اروی صفیہ	۲۳۰
مناجات	۲۰۶	**حمزہ بن عبدالمطلب**	۲۳۰
اصحاب فیل و عتاب ابابیل	۲۰۷	ولادت و ابتدائی حالات	۲۳۱
دعائے استسقاء	۲۰۸	قبول اسلام	۲۳۲
وفات	۲۱۱	سریہ حضرت حمزہؓ	۲۳۳
ازواج و اولاد	۲۱۳	غزوات میں علمبرداری	۲۳۵
اخلاق و فضائل	۲۱۶	جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ	۲۳۵
اشعار صفیہ (مرثیہ دختران)	۲۱۸	جنگ احد میں حضرت حمزہؓ	۲۳۶
اشعار برہ	۲۱۹	لاش کی بے حرمتی	۲۳۸
اشعار عاتکہ و ام حکیم و امیمہ	۲۲۰	حضرت حمزہؓ کا سوگ	۲۳۹
اشعار اروی	۲۲۱	اولاد حضرت حمزہؓ	۲۴۰
پسران عبدالمطلب	۲۲۲	**عبدلعزی بن عبدالمطلب**	۲۴۱
حارث بن عبدالمطلب	۲۲۲	مختصر حالات	۲۴۲
نوفل بن حارث	۲۲۳	اولاد عبدالعزی	۲۴۶
عبداللہ بن حارث	۲۲۴	شجرہ حمزہؓ و عبدالعزیٰ	۲۴۸
اروی بنت حارث	۲۲۴	**عباس بن عبدالمطلب**	۲۴۹
ابوسفیان بن حارث	۲۲۴	مختصر حالات	۲۴۹
ربیعہ بن حارث	۲۲۵	خزرج سے خطاب	۲۵۱
شجرہ حارث بن عبدالمطلب	۲۲۶	قبول اسلام	۲۵۳
زبیر بن عبدالمطلب	۲۲۷	لشکر قریش میں نبی ہاشم	۲۵۳
اولاد زبیر بن عبدالمطلب	۲۲۸	عباس کی اسیری و رہائی	۲۵۴
ضرار بن عبدالمطلب	۲۲۹	عباس اور ابوسفیان	۲۵۵
قثم جحم حجل اور مقوم	۲۲۹		

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
ازواج و اولاد	۲۵۵	مشہور قصیدہ	۲۷۶
فضل بن عباس	۲۵۶	علالت	۲۸۱
عبداللہ بن عباس	۲۵۶	ابوطالب کا خطبہ	۲۸۵
عبیداللہ بن عباس	۲۵۷	وصیت	۲۸۷
معبد بن عباس	۲۵۷	وفات ابوطالب	۲۸۹
عبدالرحمن بن عباس	۲۵۷	ابو طالب کا مرثیہ	۲۹۰
قثم بن عباس	۲۵۷	حدیث احتضار	۲۹۳
تماد اور کثیر	۲۵۸	حدیث ضحضاح	۲۹۴
ام حبیب بنت عباس	۲۵۸	ایمان ابوطالب	۲۹۸
شجرہ اولاد عباس	۲۵۹	ابوطالب اور پنجتن پاک	۲۹۹
ابوطالب بن عبدالمطلب	۲۶۰	اولاد ابوطالب	۳۰۰
نام و کنیت	۲۶۰	طالب بن ابوطالب	۳۰۰
حالات و واقعات	۲۶۱	عقیل بن ابوطالب	۳۰۱
کفالت کی ذمہ داری	۲۶۲	شجرہ اولاد ابوطالب	۳۰۳
ابوطالب کا پیشہ	۲۶۵	**جعفر بن ابوطالب**	۳۰۴
دعائے استسقاء	۲۶۶	کفالت	۳۰۴
حمایت حق	۲۶۷	ہجرت حبشہ	۳۰۵
بھتیجے کی تلاش	۲۶۹	جعفر کی آمد	۳۰۸
ابوطالب اور ابن زبعری	۲۶۹	جنگ موتہ	۳۰۹
نجاشی کو ترغیب	۲۷۰	شہادت	۳۰۹
مقاطعہ	۲۷۰	اولاد جعفر	۳۱۰
فسخ معاہدہ	۲۷۳	شجرہ اولاد جعفر	۳۱۱
صبر و سکوت	۲۷۵	عبداللہ بن جعفر	۳۱۲

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
اولاد عبداللہ بن جعفر	۳۱۲	مرثیہ	۳۲۰
ام ہانی بنت ابوطالب	۳۱۳	اولاد	۳۲۰
جمانتہ بنت ابوطالب	۳۱۴	ترکہ	۳۲۰
علی بن ابوطالب	۳۱۶	دین آباء النبی	۳۲۱
عبداللہ بن عبدالمطلب	۳۱۷	دین عبداللہ	۳۲۲
ولادت و واقعات	۳۱۷	دین آمنہ	۳۲۸
قتیلہ کی پیشکش	۳۱۷	دین عبدالمطلب	۳۳۱
علالت اور وفات	۳۱۹		

سخن ہائے گفتنی

پروفیسر عسکری حسین
ایم اے فاضل ادب۔ ایل ایل بی۔

فنِ تاریخ نویسی کوئی آسان فن نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ صرف حکمرانوں کے اذکار اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کی داستان کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ فن ہے جس میں اقوام کی ادبی، ثقافتی، سماجی، اقتصادی اور حکمرانوں کے طریق حکومت اور انکے مصائب و محاسن کی مکمل عکاسی کی جاتی ہے تا کہ جب قاری اسے پڑھے تو یہ محسوس کرے کہ وہ کوئی کتاب نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ حالات و واقعات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ فنِ تاریخ نویسی کیلئے بڑی عرق ریزی، وسیع مطالعہ، بے پناہ تحقیق اور لا متناہی تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابنِ خلدون کہتا ہے کہ "اگر گہری نگاہ سے دیکھاجائے توتاریخ میں تحقیقی نظریات بھی ہیں اورکائنات کے لطیف وعلل ومبادی بھی ہیں۔ اسی لئے تاریخ کی دنیائے فلسفہ میں گہری جڑیں ہیں اوروہ اس لائق ہیں کہ علوم وحکمت میں شمار کی جائیں۔"

زمانے کے ظلم اور دستبرد سے یہ فن بھی محفوظ نہ رہ سکا اور مورخین نے حکمرانوں کی خوشنودی اور انعام و اکرام کے حصول کے لالچ میں اس فن کو جھوٹے اور خود ساختہ افسانوں کا مجموعہ بنا دیا۔ شاید اسی لئے جارج برنارڈ شا کو کہنا پڑا کہ "تاریخ میں کچھ بھی درست نہیں ہے سوائے ناموں اور تاریخوں کے

اور ناول میں سب کچھ درست ہے سوائے ناموں اور تاریخوں کے" یہ تو عام تاریخ نویسی کا حال ہے مگر اس کے مقابلہ میں دینی عمائدین و اکابرین، قائدین و مصلحین نیز دین کے عروج و زوال کی تاریخ لکھنا بہت مشکل فن ہے۔

اسلئے کہ اس میں غلط اور صحیح روایات اور واقعات کو حقائق کے ترازو میں تول کر ان میں تمیزکرنا اور حقائق کو قلمبندکرنا بہت ضروری ہے اسلئے اس قسم کی تاریخ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

قابلِ صد ستائش ہیں جناب ارتضٰی بن رضا نوازپوری جنھوں نے تاریخ بنی ہاشم تحریر کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ یہ مقدس، محترم اور متبرک خاندان جس میں آفتابِ نبوت بھی جلوہ فگن ہے اور ماہتابِ امامت بھی روشن و منّور ہے کائنات میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ارتضٰی صاحب کی تصنیف کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ..... بلکہ میں یہ بڑی ذمہ داری سے تحریر کر رہا ہوں کہ تحقیق کی باریکیوں، مطالعہ کی گہرائیوں اور تجربات کی پہنائیوں کا ایک مرقع ہے جسے ارتضٰی صاحب نے الفاظ کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ ہمارا معاشرہ جو یاسیّت، انتشار اور غیر یقینیت کی آماجگاہ ہے اور جہاں تخلیق و تحقیق کا فقدان ہے وہاں مصنف کا ایک انتہائی مقّدس سلسلے کی تاریخ کا قلمبندکرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابھی حقائق کی ترجمانی کے ساتھ فن اور شعور کا ادراک موجود ہے۔ مصنّف نے "تاریخ بنی ہاشم" کو پانچ ابواب اور دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ جلد اول، باب اول آدمؑ تا ہاشمؑ اور باب دوئم ہاشمؑ تا خاتمؑ پر مشتمل ہے۔ اور جلد دوئم میں باب سوئم خاتمؑ تا دائمؑ، باب چہارم دائمؑ تا کاظمؑ اور باب پنجم کاظمؑ تا قائمؑ کے حالات و واقعات ہیں۔ میرے سامنے فی الوقت جلد اول ہے جس کے پہلے باب میں، حضرت آدمؑ تا حضرت ہاشمؑ کی زندگیوں، کارناموں اور مستند واقعات و حالات کا احاطہ

کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عربی زبان کی ابتداء اور بتدریج ارتقاء پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ دوسرے باب میں حضرت ہاشمؑ تا حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کوائف کو قلمبند کیا ہے اس باب میں مستند حوالہ جات کے ساتھ مشہور و معروف اشعار سے بھی مدد لی گئی ہے۔ مختلف خاندانوں کے مکمل شجرے شامل کرکے قارئین کی معلومات میں گراں قدر اضافے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال یہ ایک عظیم کارنامہ ہے اور حضرت آدمؑ سے لیکر قائمِ آلِ محمدؑ تک کی مکمل دستاویز ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف نے ایسی معلومات بہم پہنچائی ہیں جو شاید اس پورے دور کی کسی دوسری تاریخ میں نہ ملے۔ اس طرح مصنّف نے اپنی تصنیف کو تعصب سے پاک، غیر جانبداری کا شاہکار بنانے کی کامیاب سعی کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قارئین مختلف زاویہ ہائے نگاہ، نظریات، عقائد اور فکر سے کتب کا مطالعہ کرتے ہیں اور جس کے نتیجے میں مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں مگر میرا خیال یہ ہے کہ "تاریخ بنی ہاشم" کا مطالعہ کر کے ہر قاری جناب ارتضٰی صاحب کی محنت، تحقیق اور فنِ تاریخ پر ان کی گرفت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ یہ کتاب فنِ تاریخ میں ایک گراں قدر اور بے مثال اضافہ ہے جو مستقبل میں مورخیّن کے لئے مستند حوالہ جات۔ کا ذریعہ رہے گی۔ موجودہ دور کے نامساعد حالات میں ایسی قابلِ قدر تاریخ کی تصنیف دین اور بنی ہاشم پر ان کے غیر متزلزل ایقان کا مظہر ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ارتضٰی صاحب کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور انھیں ایسی متعدد تصانیف کو منظرِ عام لانے کی سعادت عطا فرمائے۔

این دعا ازمن واز جملہ جہاں آمین باد۔

کچھ مصنّف کے بارے میں

زیرِ نظر کتاب کے مصنّف کا نام سید ارتضی حسین زیدی، والد کا نام سید رضا حسین زیدی ہے اور آبائی مسکن قصبہ نوازپورہ، ضلع نار نول ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) ہے۔ اسی مناسبت سے موصوف نے تصنیف و تالیف کیلئے اپنا نام "ارتضی بن رضا نوازپوری" مخصوص کیا۔ چونکہ موصوف میرے یکجدی بھی ہیں اور بچپن کے رفیق بھی اسی قرابتِ قریبہ کی روشنی میں کچھ اپنی معلومات کے مطابق اور کچھ معلومات حاصل کرکے انکے حالات و واقعات تحریر کر رہا ہوں۔

ساداتِ نواز پورہ کی اچھی خاصی تعداد بسلسلہ ملازمت جیپور شہر میں آباد تھی جس میں ہم دونوں کے خاندان بھی تھے۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم ایک دینی مدرسے میں حاصل کی۔ پانچویں جماعت سے دربار ہائی اسکول جیپور میں داخل کرادئیے گئے۔ ساتویں جماعت میں تھے کہ ۱۹۴۵ء میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ تین بھائیوں میں سب سے بڑے ہونے کے باعث کم عمری میں گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنا پڑیں۔ صاحبِ حیثیت اعزاء نے ٹیلیگراف آفس میں ملازم کرادیا پہلے سیکر (ریاست) اور پھر جیپور میں تعیناتی ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا، ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا لیکن شہر جے پور میں امن تھا۔ مشرقی پنجاب میں خونریزی بہت زیادہ ہو رہی تھی۔ جس کے پیشِ نظر نواز پورہ میں آباد عزیز ان جے پور آنے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے مگر راستے میں بلوائیوں نے گھیر کر انھیں قتل کر دیا۔ جب یہ خبر جے پور پہنچی تو وہاں مقیم سادات نواز پورہ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور وہ پاکستان آنے کے لئے نکل کھڑے

ہوئے۔ موصوف بھی اپنے قریبی اعزاء کے ہمراہ جے پور سے روانہ ہوئے۔ دشوار ترین سفر طے کر کے پاکستان پہنچے اور کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔

گو کہ اس وقت ملازمت کوئی مسئلہ نہ تھی لیکن موصوف نے ہنر سیکھنے کے شوق میں مختلف کام کئے آخر کار پرنٹنگ پریس کا کام پسند آیا۔ ایک پریس میں کافی عرصہ تک کام سیکھا۔ اسکے بعد مختلف پریسوں میں بحیثیت کمپوزیٹر کام کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ۱۹۵۲ء میں موصوف کی شادی ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد ایک ایسے پریس میں ملازمت ملی جہاں وقت کی پابندی ہوتی تھی اور تعلیمی ماحول بھی میسر تھا۔ لہذا موصوف نے تعلیم کے منقطع سلسلے کو از سرِ نوع شروع کیا اور ۱۹۵۸ء میں میٹرک کر کے اسلامیہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ میٹرک کے بعد ہی سے سرکاری محکموں میں ملازمت کے لئے درخواستیں دیتے رہے۔ اسٹاف کالج کوئٹہ کے پرنٹنگ پریس میں بحثیت پروف ریڈر تقرر ہوا لیکن تنہائی کے باعث وہاں ایک ہفتہ بھی نہیں ٹھر پائے۔ آخر نومبر ۱۹۶۰ء میں کراچی پورٹ ٹرسٹ میں ملازمت مل گئی۔ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ گریجویشن کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی میں ایم۔ اے۔ (تاریخِ اسلام) اور ایس۔ ایم۔ لاء کالج میں ایل ایل بی میں داخلے لئے۔

بچپن ہی سے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے باعث موصوف انتہائی محنتی اور جفاکش ہو گئے اور یہ خصوصیت اب تک قائم ہے۔ ملازمت اور تعلیم کے ساتھ ساتھ گھریلو اخراجات کو پورا کرنے کے لئے پرنٹنگ کا کام بھی کرتے رہے۔ انکی دوستی کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخِ اسلام کے پروفیسر نثار احمد صاحب سے ہو گئی جنکے توسل سے موصوف نے متعدد کتابیں پرنٹ کرائیں۔ جن میں پروفیسر نثار احمد صاحب کی "اسلامی ریاست" اور 'صحابِ رحمت" اینس احمد صاحب کی " مشاہیر اسلام" اور ڈاکٹرمحمد صابرصاحب کی" ترکان عثمانی" قابل ذکر ہیں۔

اسی دوران موصوف نے خود بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور سب سے پہلے اپنے جدحضرت زید شہیدؑ کی سوانح تحریر کی۔ جب مسودہ کی تصیح کیلئے ڈاکٹر حیدر زیدی صاحب سے انکے مطب میں ملاقات کی تو ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ مولانا محمد عباس قمر زیدی صاحب بھی حضرت زید شہیدؑ پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ لہذا موصوف نے مولانا صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے اپنی کتاب " زید شہید بطلِ رشید " کی تیاری کی بابت بتایا اور مشورہ دیا کہ فی الحال موصوف اپنی کتاب کی اشاعت ملتوی کردیں۔ بہرحال موصوف کی یہ پہلی کوشش ہنوز مسودہ ہی کی شکل میں ہے۔ اسکی بابت موصوف کا کہنا ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب جلد ہی نظرِ ثانی کر کے شائع کر دی جائے گی۔ اس کے بعد موصوف کی ملاقات ابنِ حسن نگار سے ہوئی جنہوں نے بچوں کی کہانیاں شائع کرنے کو کہا لہذا موصوف نے اپنے خرچ پر انکی دو جادو بھری کہانیاں شائع کیں اور انکی ترغیب پر خود نے بھی بچوں کی دوکہانیاں" ہوا محل" اور " جے پور کا آدم خور" تحریر کر کے شائع کیں۔

موصوف نے اپنے ادارہ کی یونین " آرگنائزیشن آف کے۔ پی۔ ٹی۔ ورکرز" کے انتخابات منعقد ۱۹۷۲ء میں بحیثیت اسسٹنٹ پبلسٹی سیکریٹری حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ چونکہ موصوف اپنے ڈیوٹی ٹائم کے بعد پرنٹنگ کا کام بھی کرتے تھے اسلئے یونین کے برائے نام عہدیدار تھے۔ جب ۱۹۷۴ء میں مطالبات منظور نہ ہونے کے باعث یونین نے ہڑتال کا اعلان کر دیا تو تمام عہدیداران و سرگرم کارکنان گرفتار کرلئے گئے مگر موصوف ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے اور غیر معروف ہونے کے باعث بچ گئے۔ لیکن جب پندرہ دن کے اندر تمام ملازمین اپنی ڈیوٹیوں پر چلے گئے تو صورتحال بہت خراب ہو گئی موصوف واحد عہدیدار تھے جو گرفتار بھی نہیں ہوئے اور ڈیوٹی پر بھی نہیں گئے لہذا فیڈریشن نے اپنی رہنمائی میں یونین کی ذمہ داریاں انکے

سپرد کیں اور موصوف کے نام سے سندھ ہائی کورٹ میں پٹیشنز داخل کی گئیں۔ مسلسل تین ماہ کی جدو جہد کے بعد گرفتار شدگان کو رہائی ملی۔ یہ نوے دن کا عرصہ موصوف کی زندگی کا مشکل ترین زمانہ تھا۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ اسی زمانے سے پرنٹنگ اور پبلشنگ کا کام ختم ہوگیا۔

بہرحال یہ کٹرا وقت گزر گیا جس کے بعد اللہ رب العزت نے موصوف کو بڑی عزت بخشی۔ وہ نہ صرف اپنی یونین کے بلکہ فیڈریشن کے بھی عہدیدار منتخب ہوئے اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لینے لگے۔ ملکی و غیر ملکی سطح پر متعدد ٹریڈیونین کورسیز و سیمینارز وغیرہ میں شرکت کی۔ ۱۹۷۶ء میں بین الاقوامی سیمنارمیں شرکت کیلئے بنکاک گئے۔ ۱۹۷۸ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی ، برٹش کونسل اور برٹش ٹریڈ یونین کانگریس کے اشتراک سے منعقد ہونے والے ایک کورس کیلئے سیکڑوں امیدواروں میں سے موصوف کا انتخاب ہوا۔ اس کورس کے دوران وہ لندن ، آکسفورڈ کے علاوہ گلاسگو ، ایڈنبرہ (اسکاٹ لینڈ) اور برسلز (بلجیئم) بھی گئے جہاں سے ٹریڈ یونین کے طریقۂ کار ، قوانین اور بین الاقوامی روابط وغیرو کی تعلیم و تربیت حاصل کر کے انڈسٹریل ریلیشنز کے انسٹرکٹر کی سند لیکر واپس آئے۔

یورپ سے واپسی کے بعد فیڈریشن کی ہدایت پر پرائمری لیڈی ٹیچرز کوآرگنائز کر کے قومی و بین الاقوامی سطح پر انکا الحاق کرایا۔ فیڈریشن کے خبر نامہ "پی۔ این۔ ایف۔ ٹی۔ یو۔ نیوز" کی اردو اشاعت کا آغاز کیا اور متعدد سوئنرز مرتب کر کے شائع کئے اسکے علاوہ سیمینارز وغیرہ میں لیکچرز دیتے رہے۔ موصوف کا مخصوص لیکچر " انٹرنیشنل ٹریڈ یونین مومنٹ" پر ہوتا تھا۔ انہوں نے " ہسٹری آف انٹر نیشنل ٹریڈ یونین مومنٹ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی لیکن وہ شائع نہ ہو سکی۔ البتہ

نیشنل انسٹیٹیوٹ آف لیبرایڈمنسٹریشن ٹریننگ(NILAT) کراچی کے ایک انسٹرکٹرسید غیور الحسن نے اپنی کتاب "ٹریڈ یونین ازم کا ارتقاء" میں موصوف کا لیکچرمن وعن نقل کیا ہے۔ گویا موصوف نے ٹریڈ یونین میں رہتے ہوئے بھی لکھنے پڑھنے کے مشاغل ہی کو اپنایا جس سے انکے ذہنی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے۔ ۱۹۸۶ء سے موصوف نے رفتہ رفتہ ٹریڈیونین سرگرمیوں سے علیحدگی اختیار کرنا شروع کردیں اور اپنے آپ کو چند بڑی یونینوں کے الیکشن کرانے تک محدود کرلیا۔ جس کیلئے اب بھی بلالئے جاتے ہیں گو کہ اب ملازمت اور یونین دونوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔

ملازمت اور یونین کی زمہ داریوں کے ساتھ ساتھ موصوف نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۱۹۷۶ء میں ان کی کتاب " کربلا اور کربلا کے بعد" شائع ہوئی جو صحیح معنی میں انکی پہلی تصنیف کہی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اس کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور جیسا کہ مشہور مورخ عبدالکریم مشتاق نے اپنے ایک خط میں اس کتاب کی بابت تحریر کیا " آپ کی اس مختصر کتاب میں یہ خوبی منفرد حیثیت رکھتی ہے کہ آپ نے اپنا مقصد انتہائی بصیرت اور سلیقہ سے بیان کرتے ہوئے تاریخ کے فن کو جغرافیائی سائنس کے آئنہ میں پیش کر کے نام نہاد " تاریخی تحقیقات" کے ڈھول کا پول کھولنے کی جرأتِ مستحسن فرمائی ہے" واقعی یہ کتاب موصوف کی جرات مستحسن ہے۔

حقیقتاً یہ کتاب واقعہ کربلا اور بعد کے پیش آمدہ واقعات پر مختصر مگر مدللؔ مربوط و مسلسل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ موصوف نے ۱۹۸۲ء میں اپنے خاندان کی تاریخ پرمبنی ایک کتاب " تذکرہ سادات نواز پورہ " شائع کی ۱۹۷۰ء میں‌شائع کردہ شجرہ نسب بھی اس کتاب میں شامل کیا۔ جو موصوف کا سادات نواز پورہ پر ایک احسان ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود یہ کتاب ریفرنس بک کی حیثیت رکھتی ہے۔ میری اطلاع کے مطابق " شجرہ ساداتِ بارہہ" اور" اشرافِ عرب" کی تدوین میں اس کتاب سے مدد

لی گئی ہے۔ موصوف نے اس کے بعد " وظائف اسماء الحسنی " مرتب کر کے شائع کی۔ جسکے مضمون کی افادیت و اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جبکہ کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی عمدہ و نفیس کتاب ہے۔

جہاں تک مجھے علم ہے زیرِ نظر کتاب "تاریخ بنی ہاشم " کی تیاری میں موصوف عرصہ دراز سے مصروف تھے لیکن ۱۹۸۰ء میں مکان کی تعمیر اور پھر بیٹے ، بیٹیوں کی شادیوں اور دیگر مصروفیات کے باعث یہ کتاب التواء میں رہی۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد موصوف اس کتاب کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو گئے جس کے نتیجے میں تیار ہونے والی کتاب کے حصہ اول کی کتابت شدہ فوٹو کاپی میں نے دیکھی سرسری جائزہ لیا تو یہ کہے بغیر نہ رو سکا کہ موصوف نے اس کتاب کی تیاری میں انتھک محنت کی ہے۔ اور تن تنہا اتنا جامع و مصدقہ مواد معہ حوالہ جات اکٹھا کرنا نیز تسلسل سے شجرجات کی ترتیب جیسے دقیق کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دینا بلاشبہ موصوف کی محنت شاقہ اور عزم صمیم کا آئنہ دار ہے۔ میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے عزیز ارتضی حسین زیدی کی عمر دراز کر ے اور ان کے زورِ قلم میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

مورخہ : ۱۸، فروری ۱۹۹۹ء

سید آل عبا زیدی

ابتدائیہ

يُرِيْدُوْنَ لِيُطفِوُا نُوْرَاللهِ بِاَفْوَا هِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ o (۸/۶۱)

ترجمہ: یہ لوگ اپنے منہ سے (پھونک مارکر) خدا کے نور کو بجھانا چاھتے ہیں حالانکہ خدا اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا اگرچہ کفار برا ہی (کیوں نہ) مانیں۔

چونکہ تاریخ قوموں کے عروج وزوال، انقلابات وتغیرات، آزادی ومحکومی، صلح و فساد، عظمت وجلالت اور عقائد و نظریات سے روشناس کراتی ہے اس لئے تاریخ سے واقفیت قوموں کی تر قی میں ایک اہم محرک تصور کی جاتی ہے اور چونکہ اپنے اسلاف کے حالات وواقعات سے آگا ہی انسان کی اعلیٰ مقاصد کی جانب رہنمائی کر تی ہے لہذا ایسی کوئی قوم جو اپنے ماضی کی روایات وواقعات اور اسلاف کے کارناموں سے نابلد ہو کبھی بھی ترقی وخوشحالی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ تاریخ انسانی فطرتِ اجتماعی کی آئنہ دار ہو تی ہے جس کے تمام واقعات وتغیرات اسی فطرت کے تخم سے پھوٹتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق انسانی فطرت، فطرت الہی پر مبنی ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس سے مراد ہے کہ حالات کے تغیر اور تمدن کی ترقی کے باوجود فطرت انسانی تبد یل نہیں ہوتی اس بیان سے دوباتیں ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ چونکہ انسانی فطرت، فطرت الہی کا عکس ہوتی ہے اسلئے اس میں لامحدودیت کا عنصرغالب ہوتا ہے۔ یعنی انسان جس چیز کی طلب وآرزو کرتا ہے اسکی کوئی حد مقررنہیں ہوتی، خواہ وہ مال وزر کی ہوس ہویا اقتدار و طاقت کی

خواہش، خدمت خلق کا جذبہ ہویا حصول علم کا ولولہ، نام ونمود کی آرزو ہویا فضیلتِ روحانی کی امنگ غرضیکہ کوئی بھی مادی یا غیر مادی نصب العین ہو اسکا نشان منزل اور حد سفر متعین نہیں ہوتا۔ بقول مرزا غالب۔ع

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے دل کے ارماں پھر بھی کم نکلے

دوئم یہ کہ تمامتر تغیر وتبدل، ترقی وپستی، صلح وفساد اور خیرو شر کی آویزش چونکہ اس علوّی فطرت اور لامحدودیت کا نتیجہ ہے اس لئے دنیا میں باہمی تصادم اور اجتماعی کشاکش کا سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ انسانیت پر کبھی بھی ایسا کوئی دورنہیں آئیگا جب کل بنی نو انسان کسی ایک مرکزپر جمع ہو جائیں کیونکہ اگر دینا کے تمام انسان کسی ایک نصب العین، ایک مقصد، ایک تخیل یا ایک عقید ے کو تسلیم کر لیں تو انسانی ترقی مسدود اور ارتقائے ہستی معدوم ہو جائے گی۔

گزشتہ قوموں کا حال جاننے یا تاریخ کا مطالعہ کرنے کی بابت ارشاد خداوندی ہے کہ ."کیا وہ زمین پرچلے پھر ے نہیں کہ دیکھتے پہلوں کا کیا انجام ہوا جوان سے قوت میں بہت زیادہ تھے"۔ یہاں قرآن حکیم نے گذشتہ قوموں کاحال جاننے کیلئے تاریخ کے مطالعہ کے بجائے زمین پر چلتے پھرتے یعنی سیرو سیاحت کے طریقہ کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں قوموں کی مفصل تاریخ مرتب نہیں تھی۔اس زمانہ میں سیر وسیا حت کے ذریعہ ہی قوموں کے حالات کا مشاہدہ کرکے ان کی تاریخی معلومات حاصل کرنے کا طریقہ رائج تھا۔ لہذ ا یہاں زمین پر چلنے پھر نے سے تاریخ کا مطالعہ ہی مقصود ہے۔ بہرحال ذریعہ خواہ کوئی بھی ہوقرآنی ہدایت کے مطابق اگر ہم تاریخی واقعات سے آگاہی حاصل کرلیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ اجتماعی جزا و سزا اور مکافات عمل کا تاریخی قانون ایک اٹل، مستقل اور نا قابل تغیر قانون ہے۔

قرآنی آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خدا کسی قوم کو اسوقت تک برباد نہیں کرتا جب تک کہ وہ احکامات خداوندی کی خلاف ورزی نہ کر ے۔ اجتماعی اعمال کی جزاوسزا ایک نا قابل تردید حقیقت ہے جسکا مشاہدہ تاریخ کے ہر عہد انقلاب میں کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ تاریخی واقعات اور حوادث فطرت میں ایک گہری مشیت کارفرما ہے جواسباب وعلل کے واسطے سے کام کرتی ہے اور اسکے مستقل قوانین ہیں جن کی وہ کبھی خلاف ورزی نہیں کرتی۔

قرآن نے تاریخ کو محض واقعات نگاری کی حیشت سے پیش نہیں کیا بلکہ اسے فسلفہ اور سائنس کا درجہ دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قوموں کے عروج وزوال فطرت کے اٹل قوانین سے وابستہ ہوتے ہیں۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ فلاں قوم نے جب قوانین خداوندی کے مطابق معاشرہ تشکیل دیا تو اس کا کیا نتیجہ سرزد ہوا۔ اور جب اس نے قوانین قدرت کی خلاف ورزی کی تو اس کا کیا انجام ہوا۔ ان امور کے بیان کر نے سے قرآن حکیم کا مقصدیہ بتانا ہے کہ اگر تم نے بھی قوانین قدرت کی خلاف ورزی کرنے والی قوم کی روش اختیار کی تو تمہارا انجام بھی تباہی ہوگا۔ اور اگر تم نے اس قوم کی راہ اختیار کی جسے قوانینِ قدرت کی اتباء کے باعث عروج نصیب ہوا تو تم بھی سرفرازی وسربلندی سے ہمکنار ہوگے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تاریخ کے اپنے قوانین ہیں جن میں سب سے اہم اور بنیادی قانون مکافاتِ عمل کا ہے یعنی اجتماعی اعمال کے نتائج خواہ بر ے ہوں یا اچھے، اپنے مقررہ وقت پر ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز قرآنی بیانات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ واقعات تاریخ میں ایک تسلسل، وحدت اور باہمی ربط ہے۔ تاریخ کسی بے ربط اور بے معنی واقعات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اسکا ہرواقعہ اپنے پیشرو واقعات سے تشکیل پاتا ہے۔

تاریخ کی اس اہمیت کے باوجود مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ کسی طرح بھی اسلامی تاریخ نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اس کی تربیت

و تدوین میں فنِ تاریخ نگاری کا وہ قدیم طریقه اپنایا گیا ہے جس پر اثر انداز ہونے والے خارجی اسباب میں حکمرانوں کا اثر قوی ترین سبب ہوتا ہے۔ اسی طرز تاریخ نگاری میں مورخین خواہ بر ضا و رغبت یا بجبروکراہ حکمرانوں کی مدح ان کی فتوحات اور ان کے رزمیه کارنامے بڑی تفصیل سے قلمبند کرتے ہیں جبکه تمدنی و معاشرتی حالات کو یکسر نظرانداز کردیتے تھے۔یہی وجه ہے که عہد اسلامی میں مرتب ہونے والی ابتدائی تاریخ کو نه صرف یه که ناقابل اعتماد بلکه نا قابل اطمنان تصور کیا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے که مسلمانوں کی تاریخ نویسی کی ابتدا معاویه بن ابوسفیان نے اپنے دور حکومت میں کی اس کام کیلئے انہوں نے یمن کے ایك شخص عبیدہ کو جو انکے خاندانی حالات کا جاننے والا تھا بلوایا اوراسے اپنے خاندان کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا۔ اسطرح جو تاریخ مرتب ہوئی وہ مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ کہلائی اور جس کا نام " اخبار الماضیین" رکھا گیا۔ اس کے بعد تو حکمرانوں کی مدح سرائی کا سلسله جاری ہوگیا۔ عبدالمالك بن مروان نے اپنے دورِ اقتدارمیں علماء کو تاریخ وحدیث لکھنے کا حکم دیا ۔ اس ابتدائی تاریخ نویسی کی بابت علامه شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں که "بنو امیه نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں" قاضی ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے که (ترجمه) ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تك که امراء نے ہم کو مجبور کیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبیدہ بن ثریه کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام " اخبار الماضیین" ہے۔ [۱]

چونکه خلفائے راشیدین کے زمانه تك عربوں میں تاریخ نگاری وحدیث نویسی کا رواج نه تھا لہٰذا عام طور سے یه خیال کیا جاتا ہے که عربوں کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا ۔ یه خیال درست نہیں

[۱] سیرة النبیؐ ص: ۱۹ ج: ۱

کیونکه عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج گو کم سہی لیکن مدت سے چلا آرہا تھا۔ زمانه قدیم میں حمیری و نابتی رسم الخط رائج تھے جنکے کتبے یورپی عجائب گھروں میں آج بھی بکثرت موجود ہیں۔ اسلام سے کچھ پہلے وہ دسم الخط ایجاد ہوا جو عربی کہلایا۔ یه بھی حقیقت ہے که آنحضرتؐ کے زمانه میں خاص طور پر مکه و مدینه میں لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہوچکا تھا۔ اس کے علاوہ چونکه قریش کا پیشه تجارت تھا ان کا کاروبار نه صرف اپنے ملك میں بلکه قرب و جوار کے دیگر ممالك میں بھی پھیلا ہوا تھا لہٰذا انہیں کاروباری معاہدات کیلئے پڑھنے لکھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ابن ندیم نے لکھا ہے که "میں نے مامون الرشید کے کتب خانه میں ایك دستاویز دیکھی تھی جوعبدالمطلب بن ہاشم (آنحضرت صلی الله علیه و آلهٖ وسلم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی جس کے الفاظ یه تھے

"حَق عبدالمطلب بن هاشم اهلِ مكة علىٰ فلان بن فلان الحميرى من اهل وزل صنعاعليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة ومتى دعاة لبها اجابه شهد الله والملكان".

ترجمه: یه عبدالمطلب بن ہاشم جو مکه کا باشنده ہے کا قرضه فلان شخص پر ہے جوصنعا کا رہنے والاہے۔ یه چاندی کے ہزاردرہم ہیں جب طلب کیاجائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔

(ابن ندیم ص: ۷ بحواله سیرة النبیؐ ص: ۳ ج: ۱)

اس واقعه سے جہاں یه پته چلتا ہے که جناب عبدالمطلب کو لکھنا پڑھنا آتا تھا وہاں یه بھی واضح ہوتا ہے که ان کو خدا اور کراماً کا تبین یعنی فرشتوں پر غیر متزلزل اعتقاد تھا جوان کے موحّد ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔

بہرحال جب خلافت راشده کا دور گزر گیا اور اسلامی ریاست پر ملوکیت کا قبضه ہوگیا تو عربی عصبیت جسے پیغمبر اسلام نے ختم کردیا تھا پھر سے ابھری اور ملوکیت کے بانی معاویه بن ابوسفیان نے بنی ہاشم کے خلاف بھرپور انداز میں مہم چلائی ۔ صلح حسنؑ کے بعدعنان حکومت سنبھالتے ہی انکی عصبی خواہشات نے انگڑائی لی ۔ چنانچه دولت وجاه کے سہارے ضمیروں کی خریداری شروع ہوئی۔ ارباب غرض اور اصحاب ہوس نے اس موقعه کو غنیمت جانا اور اپنی پیاس بجھانے کا وسیله گردانا۔ اب کیا تھا حسب خاطر حدیثیں وضع ہونے لگیں۔اور فرضی قصوں کو اعتبار کا قالب دیکر اپنا مقصد حاصل کرنے کی بھرپور کوششیں جاری ہوگئیں۔

تاریخ کا دوسرا دور تقریباً ۱۴۳ھ میں منصور عباسی کے زمانه اقتدار میں شروع ہوا۔ یه دور بھی پہلے دور سے کچھ مختلف نه تھا ۔ پہلے بنی امّیه کیلئے حدیثیں گھڑی جاتی تھیں اب بنو عباس کے حق میں حدیثیں وضع ہونے لگیں اور تاریخ کا دھارا عباسیوں کی سمت مڑگیا ۔ البته تیسری صدی ہجری میں قرن اول کی تاریخ باضابطه طور پر مرتب ہوئی ۔ تدوین و تالیف کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید کا سلسله بھی شروع ہوا۔ لیکن اگر اس تاریخ کو بھی جدید اصولوں پر جانچا جائے تو یه بھی تاریخ نویسی کے معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکه اس تاریخ کی تدوین میں بھی اموی و عباسی ادوار کی موضوعه احادیث کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔

بہرحال ان ادوار میں مسلمانوں کی جوتاریخ مرتب ہوئی وہ دوقسم کی تھی ایك وہ جس میں قبائل اور ان کے سرداروں کے افسانے اور کارگذاریاں بڑھا چڑھا کر پیش کی گئیں تھیں ان کی حیثیت خاندانی یا قبائلی کہانیوں سے زیادہ کچھ نہیں ان کو کسی طرح بھی تاریخ نہیں کہا جاسکتا ۔دوسری قسم کا انحصار روایتوں اور حدیثوں پر تھا یعنی راوی نے جو کچھ بیان کیا لکھ لیا گیا بلا استثنا که راوی کی اخلاقی و علمی قابلیت کیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجه

یه ہوا که معتبر و مستند کتب میں بھی ایسی روایتیں درج ہوگئیں جنکے راویوں میں عالم و جاہل صادق و کاذب ناصبی و خارجی غرضیکه ہمه قسم کے لوگ شامل تھے۔ بعض مستشرقین نے عربی مورخین کی تاریخ نگاری کی بابت اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان میں کیمرج یونیورسٹی شعبه عربی کے پروفیسر سیمن آکلے مشہور مورخ پروفیسر گبن آکسفورڈ یونیورسٹی شعبه عربی کے پروفیسر مارگولیت اور پرنسٹن یونیورسٹی شعبه عربی کے پروفیسر فلپ کے ہتی قابل ذکر ہیں۔ ان میں پروفیسر آکلے اور گبن کی مشترکه رائے ہے که "عربوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقه اختیار کرکے ہم کواس مسرت اور فائدہ سے محروم کردیا جو ہم کو ان کی لکھی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ مورخین کے فرائض اور حدود کیا ہوتے ہیں انہوں نے کماحقه نه سمجھا اس لئے ان فرائض اور حدود کو نظرانداز کردیا جسکا نتیجه یه ہوا که ان میں کے بعض مورخین نے اہم تاریخی واقعات کیساتھ چھوٹی چھوٹی غیر اہم باتیں بکثرت لکھ ڈالیں۔ پھر بعض مورخین نے تاریخی واقعات کو بیان کرنے میں ایسی عبارت انگیزی اور انشاپردازی کی که انکی تاریخیں اچھی خاصی دقیق ادبی کتابیں ہوگئیں۔انہوں نے تاریخی واقعات کی تحقیق وتنقید کے عیوض اپنی ادبی مہارت وقابلیت اور زور قلم کا مظاہرہ کیا۔ بعض مورخین نے معمولی روزمرہ کے واقعات کو اپنی ادبی قابلیت کی وجه سے اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا که بادی النظر میں وہ بڑے اہم تاریخی واقعات نظر آنے لگے ۔ ان سب اسقام کی وجه سے ہمارے لئے انکی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعه کرنا اور ان سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہوگیا۔"

پروفیسر ہتی نے اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں اس طرح تبصرہ کیا ہے که " عرب کے فلسفه اور طب میں یونانیوں کا اثر نمایاں ہے لیکن تاریخ نویسی میں انہوں نے ایرانیوں کا رنگ اختیار کیا۔ واقعات کو پیش کرنے کا وہی قدیم اسلامی حدیث نویسی کا طریقه جاری رکھا۔

یعنی ہر ایك واقعه راویوں کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے که فلاں شخص نے فلاں شخص سے سنا اور آخری راوی وہ ہوتا ہے جس نے واقعه کو بچشم خود دیکھا ہواور وقوع واقعه کے وقت موجودرہا ہو. اسطریقه کے اختیار کرنے کی وجه سے عربی مورخین نے راویوں کے سلسله اسناد اور دن تاریخ واقعہ کی تحقیق و تفتیش کو بہت اہمیت دی لیکن اصل واقعه کی تحقیق پر که آیا وہ ممکن الوقوع ہے یا جس طرح بیان کیا گیا ویسا ہی واقع ہوا ہوگا کوئی توجه نہیں کی بلکه جو کچھ راویوں نے کہدیا لکھدیا. ان مورخین نے اپنی عقل و فہم اور قوت تمیزی سے کام لیکر واقعات کے متعلق تحقیق و تشیریح و تنقید نہیں کی". ان بیانات سے عربی طرز تاریخ نگاری کا بخوبی اندازہ ہوجاتاہے. دورِحاضر کے لکھنے والوں کی مجبوری یه ہے که جب وہ قرن اول کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں‌توانھیں‌انہی مذکورہ صفات قدیم کتبِ تواریخ کا سہارا لینا پڑتا ہے.لہٰذا جدید مورخین کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں. اول یه که وہ اپنی عقل و فہم سے کام لیکر اصل واقعه کے اسباب و علل پر غور کریں اور تحقیق و تفتیش کے ذریعه حاصل کردہ معلومات کو تفکرو تدبر کی کسوٹی پرکس کر واقعه کے ممکن الوقوع ہونے یا نه ہونے کی بابت اپنی رائے کے مطابق تحریر کریں.

دوسرا راسته یه ہے که وہ قدیم کتب میں بیان کردہ واقعات کو بلا کسی تصدیق و تحقیق بیان کرتے چلے جائیں اور مذکورہ روایات کومن وعن تسلیم کرتے ہوئے یا قدما کی تقلید کو باعث برکت و افتخار سمجھتے ہوئے بلاچوں چراں نقل در نقل کا سلسله جاری رکھیں.

اب ہم مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ کی اساس بننے والی حدیثوں کی صحت و اہمیت جاننے کے لئے مختلف ادوار میں مقام حدیث کا جائزہ لیتے ہیں. آنحضرتؐ کے عہد میں کچھ صحابه نے اپنے طور پر حدیثیں لکھنا شروع کردیں. آنحضرتؐ کو جب اس کا

علم ہوا تو آپؐ نے یه کہکر منع فرمایا " مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نه لکھوجس نے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز لکھی ہوتو اسے مٹا دے" ([illegible]) اس ارشاد پاك کے بعد صحابه کا قول ہے که " تب ہم نے جو کچھ لکھا تھا اسکوایك میدان میں اکٹھا کیا پھر اسکو ہم نے جلا دیا" (تدوین حدیث ص: ۲۴۹).

خلفائے راشدین کے عہد میں کثرت سے حدیثیں کہی اور سنی جاتی تھیں جو عموماً زبانی ہوتی تھیں کیونکه صحابه حدیثوں کے لکھنے سے گریز کرتے تھے لیکن پھربھی چند اصحابِ رسول کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں. بقول ام المومنین حضرت عائشہؓ انکے والد حضرت ابو بکرؓ کے پاس تقریباً پانچ سو تحریری احادیث موجود تھیں جنکو انہوں نے نذرآتش کردیا. (تدوین حدیث ص: ۲۸۵) حضرت عمرؓ کے زمانه میں جب تحریری حدیثوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے لوگوں کو قسمیں دیدیکر حکم دیا که ان حدیثوں کو انکے پاس پیش کریں. حسب الحکم لوگوں نے اپنے مجموعے حضرت عمرؓ کے پاس پیش کردیئے تب آپ نے انہیں جلانے کا حکم دیا. (طبقات ابن سعد ص: [illegible]) نه صرف یه که خلیفۂ دوئم نے حدیث کے مجموعوں کو اپنے سامنے نذر آتش کیا بلکه حافظ ابن عبدالبر کے مطابق حضرت عمرؓ نے چھائونیوں اور دیگر اضلاع میں بھی لکھ بھیجا که جسکے پاس حدیثوں کے سلسله میں کوئی چیز ہوتو اسے ضائع کردے. (جامع بیان العلم ص: [illegible])

ان دونوں ادوارکے بعد جب ملوکیت کا دور آیا تو وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا دین کی تباہی پر آمادہ ہوگئے. حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا آرزومند ایك ایسا طبقه پیدا ہوگیا جو انعام و اکرام کی خاطر شاہی خاندانوں کی شان میں حدیثیں وضع کرنے کے علاوہ ایسی روایتیں گھڑتا تھا جن سے بنی ہاشم کی توہین و تذلیل ہو. یہی موضوعه حدیثیں اور روایتیں اس تاریخ کا ماخذ بنی جو پہلے اموی تاجدار نے حکماً مرتب کرائی. اس طرح اس حکمران نے ایك طرف تو بنی ہاشم کی رسوائی کے لئے

حدیثیں وضع کرا کے انکی تشہیر کا انتظام کیا اور دوسری طرف بنی ہاشم کے نامور فرزند حضرت علی کرم الله وجہه پر مساجد کے ممبروں سے لعن کہلوایا جس کی بابت تمام مورخین نے لکھا ہے اور جس کی تصدیق مولانا شبلی نعمانی نے بھی کی ہے وہ فرما تے ہیں که "حدیثوں کی تدوین بنی امیه کے زمانے میں ہوئی جنھوں نے پورے نوے (۹۰) برس تك سندھ سے ایشیائے کوچك اور اندلس تك مساجد جامع میں آلِ فاطمه کی توہین کی اور جمعه میں برسرِ ممبر علیؓ پر لعن کہلوایا .سینکڑوں، ہزاروں حدیثیں امیرِ معاویہؓ کے فضائل میں بنوائیں" (سیرۃ النبیؐ: ٦٦ ج:۱)

اس دور میں وضع کی جانے والی حدیثیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اتنی تقدس مآب اور مسلمه ہو گئیں که ان پر غوروفکر کرنیکی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی. حالانکه انکے مسلمه ہونے کی دلیل صرف اتنی تھی که یه مسلسل و متواترنسلاً بعد نسلٍ بیان ہوتی چلی آرہی تھیں. یه حقیقت ہے که اگر کسی مسلمه کے گرد مذہبی تقدس کاحصار کھینچ دیا جائے تو اس پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے انسان ڈرتا اور کانپتا ہے. وہ اس فعل کو سنگین جرم و بدترین گناہ تصور کرتا ہے اور اس سے کہیں‌زیادہ وہ اس مذہب پرست طبقه کی لعن طعن سے خائف ہوتا ہے جو فسق و کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں دیر نہیں کرتا. ایسے میں کوئی انسان کیونکر تنقیدوتحقیق کی جسارت کر سکتا ہے. یہی وجه ہے که جب تیسری صدی ہجری میں علماء نے حدیثیں جمع کرنا شروع کیں تو اتنی کثیر تعداد میں بے سروپا حدیثیں میسر آئیں که جامعین پریشان و بیزار ہو گئے .کیونکه ان فرضی قصوں کو متواتر پروپیگنڈے کے اثرات نے اس حد تك نتیجه خیز بنا دیا تھا که سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا دشوار ہو گیا تھا. پھر بھی جامعین صحاح سته نے انتہائی کوشش و کاوش سے اپنی عقل و فہم کے مطابق صحیح حدیثوں کا انتخاب کر کے اپنی اپنی صحیحین میں درج کیا اور بقیه کو دریا برد کر دیا.

ان منتخب کردہ احادیث کی مجموعی شرح دس فیصد کے لگ بھگ ہے جبکه بقیه نوے فیصد کو مسترد کر دیا گیا. ذیل میں ہم جامعین کی جمع کردہ اورمنتخب ومسترد کردہ احادیث کی بابت وہ اعداد و شمارپیش کر رہے ہیں جو کتاب "مقامِ حدیث" مطبوعه طلوعِ اسلام لاہور میں شائع ہوئے ہیں.

۱) بخاری : ابی عبدالله محمد بن اسمٰعیل. بخارا کے رہنے والے ۲۵۶ھ یا ۲۶۰ھ میں فوت ہوئے. انہوں نے شہر به شہر قریه به قریه پھر کر تقریباً چھ لاکھ حدیثیں جمع کیں جن میں سے صرف سات ہزار تین سو کو صیحح قرار دیکر شامل کتاب کیا. ان میں سے بھی بہت سی مختلف ابواب میں مکرر تحریر ہیں اگر ان مکررات کو شمار نه کیا جائے تو کم سے کم (۲۶۳۰) اور زیادہ سے زیادہ(۲۷۶۲) رہ جاتی ہیں. بقیه تقریباً پانچ لاکھ ترانوے ہزار حدیثیں رد کردیں.

۲) مسلم : مسلم بن حجاج نیشا پوری.نیشاپورکے باشندے تھے. ولادت ۲۰۴ءوفات ۲۶۱ھ انہوں نے تین لاکھ حدیثیں جمع کیں جن میں سے صرف چار ہزار تین سو اڑتالیس کو صحیح قرار دیا بقیه (٦٥٢‘ ٩٥‘ ٢) حدیثوں‌کو رد کردیا.

۳) ترمذی: ابو عیسیٰ محمد ترمذی. ترمذ کے رہنے والے تھے. ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ انہوں نے تین لاکھ حدیثیں جمع کیں جن میں سے صرف تین ہزار ایك سو پندرہ کو صحیح قرار دیا بقیه (٨٨٥‘ ٩٦‘ ٢)کو رد کیا.

۴) ابوداؤد: سیستان کے رہنے والے تھے. ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ . پانچ لاکھ حدیثیں جمع کیں جن میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو کو صحیح قرار دیا بقیه (۴‘۹۵‘۲۰۰) کو رد کردیا.

۵) ابن ماجه: ابو عبداللّٰه محمد بن زید ابن ماجه. قزوین کے باشندے تھے ولادت۲۰۹ھ وفات ۲۷۳ھ . چار لاکھ حدیثیں جمع کیں جن میں سے صرف چار ہزار کو صحیح قرار دیا بقیه (۳‘۹۶‘۰۰۰) کو رد کر دیا.

۲) نسائی: عبدالرحمن نسائی۔ یہ حراسان کے گائو نساء میں ۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ دو لاکھ حدیثیں جمع کیں جن میں سے صرف چار ہزار تین سو اکیس کو صحیح قرار دیا بقیہ (۱'۹۵'۶۷۹) کو رد کردیا۔

ان اعداد و شمار کی موجودگی میں غور طلب بات یہ ہے کہ مسترد کردہ لاکھوں حدیثیوں میں کتنی صحیح حدیثیں ایسی ہونگی جو ضائع ہوگئیں اور صحیح قرار دیجانے والی حدیثیوں میں کتنی ایسی ہونگی جنہیں کسی طرح بھی رسلتمابﷺکے اقوال و افعال سے مطابقت نہیں دی جا سکتی۔ مگر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ کتب احادیث کا مجموعہ ایک حد تک یقینی ہے۔ گوکہ یہ بھی رسول اللہؐ کے الفاظ میں نہیں ہیں بلکہ یہ حدیثیں روایت باالمعنی کے زمرے میں آتی ہیں یعنی کسی ایک صحابی نے آنحضرتؐ سے کچھ سنا اور اُس سے انہوں نے جو کچھ سمجھا ' اپنے الفاظ میں کسی دوسرے شخص سے بیان کردیا۔ اس دوسرے شخص نے اس سے جو کچھ اخذ کیا اسے آگے منتقل کردیا اسطرح یہ سلسلہ دو ڈھائی سو سال تک یونہی جاری رہا۔ اس کے بعد عوام الناس میں پھیلی ہوئی ان باتوں کو جمع کیا گیا۔ ایسی صورت میں ان روایتوں کے سب سے پہلے کہنے والے یعنی رسلتمابؐ کے بیان کردہ مفہوم سے ان کا جس قدرتعلق ہوگا اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

بعد کے راویوں کا تو ذکر ہی کیا ہے بخاری کی ایک حدیث کے راوی اول حضرت ابوہریرہ کی بابت مولانا سید ابوالاعلی مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں:" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ کے بیان کو سمجھنے میں حضرت ابوہریرہ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا وہ پوری بات نہیں سن سکے ۔ اس قسم کی غلط فہمیوں کی مثال متعدد روایات میں ملتی ہیں جن میں سے بعض کو بعض روایات نے صاف کردیا ہے اور بعض صاف ہونے سے رہ گیئں۔ زبانی روایات میں ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔" [illegible]

یہ تھا وہ طریقہ جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کی وفات کے دو ڈھائی سو سال بعد حدیثوں کو جمع کر کے مرتب کیا گیا۔ بعدہ ان روایتوں اور حدیثوں کی صحیت کی جانچ پڑتال کیلئے اسماء الرجال کا سلسلہ شروع کر کے حدیثوں کی درجہ بندی کی گئی۔ انہی روایتوں اور حدیثوں کی بنیاد پر لکھی جانے والی مسلمانوں کی تاریخ کو حقیقت و صحیت کے کس درجہ پر قابل قبول تصور کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ کا ماخذ بننے والی انہی وضعی روایتوں اور مبالغہ آمیزیوں کے باعث نفرت و تعصب اور اختلاف و عناد کی خلیج پیدا ہوئی اور نو بت یہاں‌تک پہنچی کہ لوگ حق بات کو حق جانتے ہوئے بھی اسے حق تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ اس نفرت و افتراق کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ کی اساس و وحدت متزلذل ہوکررہ گئی۔ اور یہ سب کچھ اقتدار کے حاشیہ نشین نام نہاد اہلِ علم محقیقین کی ذہنی اُپچ کا اثر تھا جو اصل حقیقت کے خلاف آج تک پرو پیگنڈے کے زور پر مسلمانوں کوافتراپردازی اور تفرقہ بازی کی راہ پرڈالنے کاباعث بنی ہوئی ہے۔

قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ یہ تمام تر پروپیگنڈا اس خاندان کے خلاف ہے جسے اللہ ربِ کریم نے اپنے کرم سے نوازہ اور نبوت و امامت سے سرفراز فرمایا۔ جسکے برگزیدہ افراد کو ذریعہ نجات اور وسیلہ" دُعا قرار دیا۔ جنکے حسب و نسب کو معزز ترین ٹھرایا۔ جنکو شجاعت و سخاوت اور علم و حکمت جیسی فضیلتوں سے نوازہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب" تاریخ بنی ہاشم" اسی خاندان کے حالات و واقعات سے متعلق ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتابت سے قبل ہمارا اندازہ تھا کہ ہمارا مضمون ایک ہی جلد میں مکمل ہو جائے گا لیکن یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ انتہائی اختصاراورکانٹ چھانٹ کے باوجود صفحات کی تعداد بڑھتی ہی گئی لہذا چارو ناچار اس کتاب کو دو حصوں میں منقسیم کرنا پڑا۔

پہلے حّصہ میں باب اول: آدمؑ تا ہاشمؒ اور باب دوئم : ہاشمؒ تا خاتمؐ ہے جبکہ دوسرا حصّہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب سوئم : خاتمؐ تا دائمؑ (حضرت امام حسینؑ) باب چہارم : دائمؑ تا کاظمؑ اور باب پنجم : کاظمؑ تا قائمؑ۔ یہ دوسرا حصّہ انشاء اللہ جلد شائع ہو گا۔

کاتب حضرات کے تاخیری حربوں کے باعث کاتب کا کام کمپیوٹر کے سپرد کیا جسکے باعث کتاب کا معیار متاثر ہوا۔

میں اپنے کرم فرما جناب پروفیسر عسکری حسین صاحب کا بیحد ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے اپنی طبعیت کی ناسازی کے باوجود کتاب کا مطالعہ کر کے اپنی رائے سے مستفید فرمایا۔ اللہ ربِ کریم پروفیسر صاحب کو صحت کُلی عطا فرمائے۔

میں اپنے عزیز سید آلِ عبا زیدی کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے ذاتی حالات پر روشنی ڈالی اور حقِ رفاقت ادا کیا۔ قارئین سے التماس ہے کہ کتابت کی جو غلطی پائیں اس سے مطلع فرمائیں۔ شکریہ

مورخہ یکم مارچ ۱۹۹۹ء ارتضیٰ نوازپوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۳۴﴾

بے شک خدا نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ اور خاندانِ عمرانؑ کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا۔ بعض کی اولاد کو بعض سے اور خدا سب کچھ سُننے والا اور جاننے والا ہے (القرآن ۳/۳۴-۳۳)

باب اوّل

حضرت آدم علیہ السلام

تا

حضرت ھاشم رحمۃ اللہ علیہ

ابوالبشر
حضرت آدم علیہ السلام

کرۂ ارض پر آدمی کی پیدائش کے بارے میں مختلف مفکرین نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں اور اس ضمن میں بہت سے اقوال زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ مثلاً بعض مفکرین کا خیال ہے کہ ابتدا میں آدمی کیچڑ و مٹی میں پیدا ہونے والے کیڑوں کی طرح وجود میں آیا۔ پہلا انسان اسی طرح کا ایک کیڑا تھا اور بعد کے انسان اسکے تولیدی نظام کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے لگے۔ یا مثلاً مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ مادہ ترقی کرنے اور مختلف منزلوں کو طے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور چونکہ انسان مادی شے ہے اس لئے یہ بھی مادہ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ یا مثلاً مشہور مفکر ڈارون کا نظریہ ہے کہ "آدمی کا جسم کوئی نئی ایجاد نہیں بلکہ حیوانات ماقبل کی ارتقائی شکل ہے"۔ اب رہا سوال اشرف المخلوقات کا تو اسکے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ بشر محض اس لئے ملا کہ یہ بڑے جانوروں کے سلسلہ کا آخری نمونہ ہے اور حسن و تخیل کا مالک ہے۔

ہبوطِ آدم: ان مفکرین کے برعکس راویانِ اسلام کے مطابق کرۂ ارض پر ہبوطِ آدم کا نظریہ ہے کہ ارتقائی مراحل طے کئے بغیر اور طبعیاتی اصولوں سے مبرا سب سے پہلا مرد سراندیپ میں ٹپکا اور سب سے پہلی عورت جدہ میں گری یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابلیس سیستان میں پھینکا گیا اور طاؤس بابل میں کیونکہ یہی دونوں حضرت آدمؑ اور حوا کو جنت سے نکلوانے کا باعث بنے۔ اس واقعہ کی بابت ارشاد باری ہے۔

ترجمہ: "شیطان نے ان دونوں (آدم و حوا) کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی اور جس حالت میں وہ دونوں تھے اس میں ان کو نہ رہنے دیا اور ہم نے حکم دیا کہ نیچے

جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور ایک مقررہ وقت تک زمین ہی میں تمھاری جائے قرار ہے (اور) وہیں تمھارے لئے سرمایۂ حیات ہے۔ پس آدمؑ کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات ملے (جن سے) خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب یہاں سے نیچے جاؤ۔ پس میری طرف سے تم کو ہدایت ضرور پہنچے گی۔ پھر جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے نہ آئندہ کا کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ گزشتہ کا غم کریں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی جہنمی ہیں۔ اور وہ ہمیشہ (ہمیشہ) اس میں رہیں گے۔"

(سورۂ بقرہ آیات: ۳۹-۳۶)

زمین پر جلوہ افروز ہونے کے بعد حضرت آدمؑ و حوا دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں تین سو سال تک سرگرداں رہے۔ فراق و ہجر کا یہ زمانہ گریہ و بکا اور آہ و زاری میں گزارا اور اس طرح یہ دونوں مدت دراز تک آنسوؤں کی لڑی اور ندامت کی جھڑی میں توبہ و استغفار کرتے رہے۔ بالآخر دریائے رحمت جوش میں آیا اور حضرت آدمؑ کو چند کلمات دعا الہام ہوئے۔

علامہ سیوطی اور علامہ دیلمی کے بیانات کے مطابق وہ کلمات جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تعلیم فرمائے اور جن کی برکت سے حضرت آدمؑ کی توبہ بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوئی وہ کلمات درج ذیل ہیں:

اللھم اسئلک بحق محمد وآل محمد سبحانک
لا الہ الا انت عملت سوءً وظلمت نفسی
فاغفرلی انک انت الغفور الرحیم اللھم
انی اسئلک بحق محمد وآل محمد سبحنک لا الہ

انت عملت سوءً وظلمت نفسی تب علی
انک انت التواب الرحیم

(فردوس الاخبار در منثور ص: ۱۴۶، ج: ۱، طبع مصر، لوامع التنزیل ص: ۲۱۵، ج: ۱)

ترجمہ: خدایا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، میرے پالنے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ خدایا مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے خدایا مجھے بخش دے اور تو بہترین رحم کرنے اور بخشنے والا ہے۔ خدایا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں بیشک تو پاک و پاکیزہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں خدایا مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کرلیا ہے۔ خدایا میری توبہ قبول کرلے اور تو بہترین توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس دعا کو ابن عساکر نے مسند میں، حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم الصغیر میں نقل کیا ہے۔ اس دعا کی قبولیت کی بابت علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ "حضرت آدمؑ نے محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حق کا واسطہ دیکر جب دعا کی تو انکی دعا مقبول ہوئی اور یہ طریقہ بھی ان کو اللہ تعالیٰ ہی نے تعلیم کیا تھا"۔[1]

حضرت آدمؑ کے زمین پر وارد ہونے کی بابت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: پھر خدائے برتر نے آدمؑ کو توبہ کا موقع دیا اور انھیں رحمت کا کلمہ سکھایا اور ان سے دوبارہ جنت میں پہنچانے کا وعدہ کیا اور انھیں امتحان گاہ (دنیا) میں اتار دیا جو ذریت کے توالد و تناسل کی جگہ ہے! اور خدائے برتر نے انکی

[1] تفسیر درمنثور، ج: ۱، ص: ۶۱-۶۰، طبع مصر

اولاد سے انبیاء چنے اور اپنے بندوں تک وحی پہنچانے کا ان سے عہد لیا اور انھیں تبلیغ رسالت کا امین قرار دیا۔ (نہج البلاغہ ص: ۹")

سببِ ہبوطِ آدمؑ: حضرت آدمؑ کے زمین پر بھیجے جانے کے سلسلے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ نے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی اور اس جرم کی پاداش میں انھیں جنت سے نکالا گیا۔ یہ خیال درست نہیں، کیونکہ ایک نبی سے کسی گناہ کا ارتکاب ممکن نہیں۔ حضرت آدمؑ کے زمین پر بھیجے جانے کے سلسلے میں مصلحتِ خداوندی کارفرما تھی، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری ہے کہ "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے انسان کو پیدا کیا"۔ حضرت آدمؑ کے زمین پر بھیجے جانے کی بابت نہج البلاغہ کے مترجم علامہ مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت آدمؑ خدا کے منتخب خلیفہ اور پیغمبر ہیں نبی و رسول، امام و خلیفہ گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے منزہ اور پاک ہوتے ہیں۔ جنت دارِ عمل ہے نہ حلال و حرام کا اس سے تعلق ہوسکتا ہے۔ آدم کو جو نہی ہوئی تھی وہ تنزیہی تھی نہ تحریمی تھی جس سے وہ عامل نہ رہ سکے اور ان سے ترک اولیٰ سرزد ہوا یعنی انھوں نے بہتر کو ترک کردیا جیسے ہم سے نوافل ترک ہوجاتے ہیں مگر خصوصیت سے اسکا ذکر اسلئے فرمایا گیا ہے کہ انبیاء و مرسلین کی شان اس سے بلند ہے کہ ان سے ترک اولیٰ سرزد ہو اس لئے قدرت نے انھیں توبہ کے لئے کلمات تعلیم فرمائے۔ انھوں نے توبہ کی جو بارگاہ الٰہی میں منظور ہوگئی۔ زمین پر ہبوط آدم کسی جرم کی سزا نہیں اگر ہبوط آدمؑ نہ ہوتا تو دنیا بنی آدم سے آباد نہ ہوتی، انبیاء و رسل مبعوث نہ ہوتے، کتب و صحف نازل ہوتے، بے شمار مخلوق اس کی عبادت گزار نہ ہوتی دنیا کی آبادی اور خدائی نعمتوں کا نزول نبی کے جرم پر موقوف نہیں ہوسکتا۔

(نہج البلاغہ۔ حاشیہ صفحہ ۱۷۸)

حضرت آدمؑ کے زمین پر وارد ہونے کی بابت ابن عباسؓ سے ایک روایت منقول ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ نماز ظہر و عصر کے مابین بہشت سے اتارے گئے۔ بہشت میں انکا زمانہ قیام نصف دن تھا۔ اس دن کا حساب آخرت کے دنوں میں ہے چونکہ اہل دنیا کے حساب سے آخرت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے اس لئے بہشت میں قیام آدم پانچ سو برس ہوا۔ نیز سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ "حضرت آدمؑ کا نام آدم اس لئے پڑا کہ وہ ادیم زمین سے پیدا ہوئے تھے اور انسان اس لئے کہلائے کہ ان پر نسیان عارض ہوا"۔ اور ابو ذر غفاریؓ کا کہنا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ آدم تین قسم کی مٹی سے پیدا ہوتے۔ ایک قسم کی مٹی تو سیاہ تھی، ایک سفید رنگ کی اور ایک وہ جسے خضرا کہتے ہیں یعنی ایسی زمین جو زرع روئیدگی دنشو ونمو د قبول مدنیت کی صلاحیت رکھتی ہو"۔[1]

آدمؑ و حوّا کا ملاپ :

حضرت آدمؑ کی توبہ تو قبول ہوگئی مگر فراق حجراب بھی دامن گیر رہا لہذا حضرت آدمؑ نے پروردگار عالم سے رجوع کیا۔ خداوند عالم نے آدم و حوا کے ملاپ کا انتظام فرمایا اور حضرت جبرئیل کو اس کام کے لئے مامور کیا۔ جبرائیل آئے اور آدمؑ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچے۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ سرندیپ سے مکہ تک کا سفر حضرت آدمؑ و جبرئیل نے پیدل طے کیا۔ جبرئیل کی ہدایت کے مطابق حضرت آدمؑ نے مٹی کے طور پر کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ بعد تکمیل طواف کیا اور حوا کے اشتیاق میں پریشان حال ایک سمت کو چل پڑے۔ انھوں نے صفا کی پہاڑی عبور کی ادھر بی بی حوا بھی حضرت آدمؑ کی تلاش میں کوہ مروہ سے اتر کر ایک جانب چلتی رہیں۔ آخر کار دونوں میدان عرفات میں ملے مگر ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے کیونکہ امتداد زمانہ اور فضائے ارضی کے اثرات کے باعث دونوں کے چہرے متغیر ہوگئے تھے جبرئیل نے تعارف کرایا

[1] طبقات ابن سعد ص: ۵۳، ج: ۱، ۲

اور دونوں کو واپس مکہ پہنچا دیا وہاں حضرت آدمؑ نے جبرئیل کی مدد سے حجر اسود نصب کیا۔ حجر اسود کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے اترا تھا۔ یہ انتہائی سفید پتھر تھا اسے حضرت آدم نے کوہ ابو قبیس پر نصب کیا۔ یہ اندھیری رات میں چاند کے مانند روشن رہتا تھا لیکن عہد جاہلیت میں حائض عورتیں اور نجس و ناپاک لوگ اس پہاڑ پر چڑھ کر اسے چھوتے تھے جس کے باعث اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ اسلام سے چار سو برس پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے حجر اسود کو کوہ ابو قبیس سے اتار کر خانہ کعبہ میں اس مقام پر نصب کیا جہاں آج بھی منصوب ہے۔ بہرحال پھر جبرئیل نے حضرت آدم کو مناسک حج بتائے۔ حضرت آدمؑ نے حج کیا۔ اس کے بعد آپ نے پروردگار عالم سے سرندیپ جانے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر حضرت آدم اور بی بی حوا حضرت جبرئیل کے ہمراہ سرندیپ پہنچے اور وہاں معاش کے لئے کھیتی باڑی کرنے لگے زرعی پیداوار کے ساتھ ساتھ شجر انسانی میں بھی پھل آنے شروع ہوگئے۔

سرندیپ :

سرندیپ بحر ہند کے جزائر میں سے ایک مشہور جزیرہ ہے جو مختلف علاقوں میں سلون سلان سنگلدیپ یا نکل دیپ سرندیپ اور لنکا کے ناموں سے مشہور ہے۔ عرب اور انگریز اس جزیرہ کو سیلان یا سیلون کے نام سے پکارتے ہیں۔ آجکل اس جزیرہ کا نام سری لنکا ہے۔ اس جزیرہ کے شاہی قلعہ کا نام لنکا تھا جس میں جزیرہ کا تاجدار رہتا تھا۔ اس قلعہ کے کھنڈرات دریائے شور کے کنارے اب بھی موجود ہیں۔ اسی قلعہ کی مناسبت سے پورے جزیرہ کا نام لنکا پڑ گیا۔ سرندیپ دو ہندی الفاظ کا مجموعہ ہے سرن کے معنی پناہ کے ہیں اور دیپ سے مراد جزیرہ ہے۔ اس طرح سرندیپ کے معنی ہوئے پناہ کا جزیرہ اسی مقام سرندیپ میں حضرت آدمؑ کو ترک اولیٰ یا خلیفۃ الارض کے سبب بھیجا گیا۔ سرندیپ میں ایک پہاڑ ہے اللہ رب العزت نے حضرت آدم کو اسی پہاڑ پر اتارا تھا۔ ابن سعد نے اس پہاڑ کا نام کوہ نوذ لکھا ہے۔ آجکل اس کو کوہ آدم یا آدم پیک کہتے ہیں

اس کی چوٹی کی سطح ہموار ہے۔ یہاں ایک چٹان پر ایک نقش قدم ہے۔ عبدالقادر سیلانی کی پیمائش کے مطابق اس نشان قدم کا طول چھ فٹ نو انچ، عرض ایک فٹ تین انچ و سات انچ اور عمق چار انچ ہے سرندیپ کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ حضرت آدمؑ مدت دراز تک ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر بارگاہ ایزدی میں اپنی نجات کی دعا مانگتے رہے یہ اُن کے پاؤں کا نشان ہے۔ اس چٹان پر ہر سال بہت بڑا میلہ لگتا ہے جسمیں سرندیپ اور اُس کے گرد و نواح کے مسلمان اور ہنود سب ہی آتے ہیں۔ اس متبرک نشان قدم کے چاروں طرف خاص قسم کے درخت ہیں جن کے پھل نہایت خوبصورت اور خوش رنگ ہوتے ہیں۔ ان کی شکل کچھ بادام سے ملتی جلتی ہوتی ہے یہ پھل دیکھنے میں جتنا خوبصورت ہے کھانے میں اتنا ہی سم قاتل ہے۔ انسان تو کیا جانور بھی اسکی طرف رغبت نہیں کرتے۔ اس پھل کا نام "ڈبی مڈری" ہے اس علاقہ کی زبان میں ڈبی ڈبیہ کو اور مڈری چھلکے کو کہتے ہیں۔ ان پھلوں پر دانت کے کاٹنے کا ایک قدرتی نشان نمایاں ہوتا ہے جس کے متعلق ہنود اور مسلمانوں کی اپنی اپنی روایتیں مشہور ہیں مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ و بی بی حوا منجانب اللہ اسی باغ میں رہتے تھے جو اس وقت نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اس باغ کے تمام پھلوں پر تصرف دیا تھا۔ لیکن اس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا لیکن حوا کو ابلیس نے ورغلایا اور حضرت آدمؑ نے بی بی حوا کے کہنے پر اس درخت کے پھل کو دانت سے کاٹ کر چکھ لیا اسی وقت سے قادر مطلق نے اس پھل پر دانت کا نشان ہمیشہ کیلئے نمایاں کر دیا تاکہ اولاد آدم کی عبرت کیلئے یہ علامت قیامت تک باقی رہے۔ اس کے برعکس اہل ہنود کا کہنا ہے کہ جب راون نے سیتا جی کو اس باغ میں لا رکھا تو سیتا جی نے اس درخت کے چند پھل دانت سے کاٹ کر ان میں زہر بھر دیا تھا تاکہ راون ان پھلوں کو کھا کر ہلاک ہو جائے۔

سرندیپ کے ایک مندر میں ایک انسانی دانت بڑے احترام سے ایک خوبصورت صندوقچے میں رکھا ہوا ہے۔ اس دانت کی لمبائی ایک بالشت بتائی جاتی ہے اسکی بابت اہل ہنود کا کہنا ہے کہ یہ دانت مہاتما گوتم بدھ کا ہے اور مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ یہ دانت حضرت آدمؑ کا ہے۔ مسلم مورخین کی دلیل یہ ہے کہ گوتم بدھ کا زمانہ گزرے تقریباً دو ہزار برس ہوئے ہیں۔ اُس زمانہ میں انسان کا قد و قامت آج کے انسان سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ اسی مناسبت سے اس کے اعضا و جوارح تھے لہذا اتنا لمبا دانت گوتم بدھ کا نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہ دانت حضرت آدمؑ کی جسامت سے مناسبت رکھتا ہے اس لئے یہ انہی کا دانت ہے۔

اصولِ مناکحت :

اولاد آدمؑ کی بابت یہ عام طور پر مشہور ہے کہ آپ کے یک لڑکا اور ایک لڑکی صبح و شام پیدا ہونے لگے اسکے پیش نظر قانون یہ بنایا گیا کہ پہلے دن کی اولاد کا دوسرے دن کی اولاد سے جوڑ لگا یا جائے ابتدا ہی میں آدمؑ کے سب سے بڑے بیٹے قابیل نے اس قانون سے انحراف کیا۔ اس نے نہ تو اپنی بہن اقلیما کی شادی ہابیل سے ہونے دی اور نہ ہی ہابیل کی بہن لبودا سے خود شادی کی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا اور باپ کے خوف سے اپنی بہن اقلیمیا کو ساتھ لیکر یمن کی طرف چلا گیا جہاں وہ شیطنت میں مبتلا ہوا اور اسکی اولاد نے فتنہ و فساد میں نام روشن کیا ابن سعد نے طبقات میں ہابیل کی بہن کا نام اقلیمیا اور قابیل کی بہن کا نام لبودا بتایا ہے۔

مذکورہ بالا عام خیال میں آدم کی اولاد کے جوڑ لگانے کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ اسلام کے دونوں بڑے فرقوں یعنی شیعہ و سُنی کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حقیقی بھائی بہن کی مناکحت قطعاً حرام ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ حرام تولد و تناسل سے انبیا، اوصیا، اور صالحین پیدا ہوں جو پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں امام اہلسنت علامہ ابن اسحٰق احمد بن محمد ابراہیم الثعلبی تحریر کرتے ہیں کہ :

ترجمہ: معاویہ بن عمار روایت کرتے ہیں کہ میں نے (حضرت امام) جعفر صادق (علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ کیا حضرت آدمؑ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے کرتے تھے؟ آپؑ نے فرمایا خدا کی پناہ (ایسا ہرگز نہ کرتے تھے) اگر وہ ایسا کرتے تو رسول کریمؐ اس سے کیوں باز رہتے جبکہ آدمؑ کا دین اور ہمارے نبیؐ کا دین ایک تھا۔ (عرائس البیتجان: صفحہ ۲۶ طبع مصر)

اولاً تو یہ خیال درست نہیں کہ آدمؑ و حوّا کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی صبح و شام پیدا ہوتے تھے کیونکہ مورخین اسلام کے بیان کے مطابق حضرت آدمؑ کی سب سے پہلی اولاد قابیل تھا جو اپنی بداعمالیوں کے باعث ملعون قرار پایا۔ اس کے پانچ سال بعد ہابیل پیدا ہوئے جو فطرتاً نیک سرشت متقی اور طاعت گذار تھے اور حضرت آدمؑ کے تیسرے بیٹے شیث تھے جو ہابیل کی ولادت کے ایک عرصہ دراز بعد پیدا ہوئے۔

ثانیاً یہ بات بھی صحیح نہیں کہ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کی باہمی مناکحت کی کیونکہ مورخین نے اولادِ آدم کی ابتدائی مناکحت کی بابت ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قابیل و ہابیل جوان ہوئے تو حضرت آدمؑ نے انکی مناکحت کے لئے دعا کی پروردگار عالم نے ایک جنیہ کو بھیجا جس کا نام بروایت امام ثعلبی "عمالہ" اور بروایت علامہ جزائری "جہانہ" تھا۔ حضرت آدمؑ نے حکم خداوندی کے مطابق قابیل کا نکاح اس سے کردیا۔ کچھ عرصہ بعد خداوند عالم نے ایک حور کو ہابیل کے لئے بھیجا جس کا نام "نزلہ" تھا۔ حضرت آدمؑ نے اس کو ہابیل کی تزویج میں دے دیا[1] اس واقعہ کو امام ثعلبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "ہابیل کے نکاح میں بہشت کی حور اور قابیل ملعون کی زوجیت میں جنیہ تھی۔ (مگر) دونوں لباس بشریت میں تھیں"۔[2]

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج: ۱، ص: ۲، لوامع التنزیل ج ۶، ص ۹۳۴۔ [2] عرائس البیتجان، ص ۲۶ طبع مصر

اس بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کیلئے جنیہ اور دوسرے کیلئے حور بھیجکر خود یہ اہتمام کر دیا کہ ہابیل نیکی کرتا ہے اور قابیل فسق و فجور میں ڈوبا رہے یہ عمل عدلِ خداوندی کے منافی ہے لہذا ہمارے خیال میں اس واقعہ کی صورتحال کچھ اس طرح ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے دو مخلوق بشکل بشریت بھیجی جن سے حضرت آدمؑ نے بحکم خدا اپنے بیٹوں ہابیل و قابیل کا نکاح کیا۔ چونکہ قابیل شروع ہی سے بدکردار و نافرمان تھا لہذا وہ فسق و فجور میں مبتلا رہا تھا جبکہ ہابیل نیک و خدمت گذار تھا لہذا وہ احکام خداوندی بجالاتا تھا۔ لیکن پیش آمدہ واقعات کے تحت مورخین نے قابیل کی بداعمالیوں میں شریک کرتے ہوئے اس کی زوجہ کو جنیہ اور ہابیل کے نیک اعمال کے پیش نظر اس کی زوجہ کو حور قرار دے دیا۔

ہابیل و قابیل کی نذر:

چونکہ قابیل فسق و فجور میں مبتلا تھا اور ہابیل احکام خداوندی کا پابند تھا اس لئے حضرت آدمؑ ہابیل سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ قابیل کو یہ بات بہت ناگوار گذرتی تھی پھر جب حضرت آدمؑ نے ہابیل کو اپنا وصی بنانے کا اظہار کیا تو قابیل کے دل میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی اس نے باپ سے گستاخانہ انداز میں کہا کہ جانشینی اس کا حق ہے کیونکہ وہ فرزند اکبر ہے حضرت آدم نے دونوں بھائیوں کو خدا کی بارگاہ میں نذر پیش کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ جس کی نذر قبول ہوگی وہی افضل قرار پائے گا اور جانشینی کا مستحق ہوگا۔ چونکہ قابیل زراعت کرتا تھا اس لئے اس نے اپنی زراعت کی بدترین پیداوار میں سے ایک بوجھ لیا اور ہابیل جو بھیڑ بکریاں چراتا تھا اس نے بہترین راس یعنی ایک فربہ دنبہ لیا۔ دونوں نے اپنی اپنی نذر کو کوہ بنوذ پر لیجا کر رکھ دیا حضرت آدمؑ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ پہاڑ پر آگ کا ایک شعلہ کوندا اور ہابیل کی نذر کو کھا گیا۔ جبکہ قابیل کی نذر جوں کی توں پڑی

رہی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہابیل کی نذر قبول ہوئی۔ یہ دیکھ کر قابیل کا رشک و حسد اور شدت اختیار کر گیا اور وہ ہابیل کی جان کا دشمن بن گیا۔[1]

قتلِ ہابیل:

قابیل اپنی ناکامی کی وجہ سے آگ بگولا ہو رہا تھا اور ہابیل کو قتل کرنے کی تاک میں تھا۔ جب حضرت آدمؑ حج کیلئے بیت اللہ گئے تو قابیل کو موقع مل گیا۔ ہابیل ایک دن جنگل میں سو رہا تھا کہ قابیل نے اس کا سر پتھر سے کچل دیا۔ مارنے کو تو قابیل نے ہابیل کو مار دیا لیکن چونکہ دنیا میں پہلی موت تھی اس لئے قابیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لاش کو کیونکر چھپائے۔ وہ ہابیل کی لاش کو کندھے پر لادے پھرتا رہا یہاں تک کہ اس میں سے بو پھیلی اور جنگلی درندوں نے اس پر حملہ کرنا شروع کردیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے دفن کا طریقہ بتانے کیلئے دو فرشتوں کو بھیجا جو کوّے کی شکل میں آئے اور قابیل کے سامنے ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا۔ پھر چونچ سے زمین کھود کر مردہ کوّے کو دفن کر دیا۔ قابیل نے یہ منظر دیکھا اور اپنی بے بسی پر افسوس کیا پھر اس نے بھی اسی طرح زمین کھود کر ہابیل کی لاش کو دفن کیا۔ قابیل راندۂ درگاہ ہوا اور لعنت کا مارا عدن پہنچا اور وہاں شیطان کی تعلیم پر آتش پرست بنا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس دن ہابیل قتل ہوئے وہ آخری چہارشنبہ تھا۔[2] اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قتلِ ہابیل کے وقت ہابیل کی عمر ۲۰ سال تھی اور قابیل کی عمر ۲۵ سال تھی۔[3] ہابیل کی قبر کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ کوہ آدم (Adam Peak) سے چند منازل کے فاصلے پر مالابار کے قریب قصبہ رامناتھ میں ہابیل کی قبر ہے۔ یہ قبر ایک سو اَسّی (۱۸۰) فٹ لمبی ہے۔ اس قبر کے مجاور مسلمان

---

[1] یہ پورا واقعہ قرآن کریم کی سورہ المائدہ کی آیت ۲۷ تا ۳۱ میں بیان کیا گیا ہے
[2] الجزائری ص: ۶۹۔ [3] ناسخ التواریخ، ص ۸۵، ج: ۱۔

ہیں۔[1] علامہ نعمت اللہ الجزائری نے حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ جب ہابیل قتل ہوئے تو ان کی زوجہ حاملہ تھیں۔ چند دن بعد فرزند تولد ہوا۔ چونکہ حضرت آدمؑ اپنے بیٹے ہابیل کو بہت چاہتے تھے اس لئے انھوں نے اپنے اس نومولود پوتے کا نام بھی ہابیل ہی رکھا۔[2] حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا ہابیل کی موت سے متاثر ہو کر بہت روئے حتّٰی یقال انّہ خرج من دموعھما کالنّھر۔ یہاں تک کہ انکے آنسوؤں سے پرنالہ جاری ہو گیا جیسا کہ کہا جاتا ہے[3] اور حضرت آدمؑ نے ہابیل کی موت پر مرثیہ کہا جو سریانی زبان میں تھا اور حضرت آدمؑ نے جناب شیثؑ سے وصیت کی تھی کہ وہ اس مرثیہ کو یاد کریں اور لوگوں تک پہنچائیں تاکہ وہ بھی یاد کرلیں یہ مرثیہ نسلاً بعد نسلٍ و قرناً بعد قرنٍ یعرب بن قحطان تک پہنچا۔[4]

بعثتِ آدمؑ:

مورخین کا بیان ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی عمر کا نصف حصہ گذر چکا اور ان کی اولاد زمین پر کثرت سے پھیل گئی تو خداوند عالم نے انھیں مبعوث برسالت فرمایا اور ان کو انہی کے بیٹوں پوتوں پر نبی گردانا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی بعثت پانچ سو سال کی عمر میں ہوئی۔ حضرت آدمؑ نے ہندوستان سے چالیس حج پاپیادہ کئے ایک روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی عمر میں سات سو حج اور تین سو عمرے کئے تھے۔[5] کثیر روایات میں ہے کہ حضرت آدمؑ قد ساٹھ گز لمبا اور اسی مناسبت سے چوڑا تھا۔[6] حضرت علامہ مجلسی کی روایت کے مطابق حضرت آدمؑ کا قد ساٹھ ہاتھ یعنی تیس گز اور بی بی حوّا کا قد پینتیس (۳۵) ہاتھ یعنی ساڑھے سترہ گز تھا۔[7] عبداللہ بن عباس سے روایت منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کا سر آسمان کو چھو رہا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بالاستقلال انکو زمین پر ثبات

---

[1] رسالہ زمانہ، ماہ جنوری ۱۹۲۳ء بحوالہ انوار السادات، ص: ۳۔ [2] قصص الانبیاء والمرسلین ص: ۸۶
[3] تاریخ یعقوبی ص: ۴، ج: ۱۔ [4] تاریخ روضۃ الاحباب، ص: ۲۳، ج: ۱
[5] سفینۃ البحار ص: ۵، ج: ۱۔ [6] تاریخ طبری ص: ۲۳، ج: ۱۔ [7] حیات القلوب ص: ۴۷، ج: ۱۔

عنایت فرمائی۔ تا آنکہ ان کا قد گھٹ کر ساٹھ ہاتھ رہ گیا اور عرض میں سات ہاتھ رہ گیا۔ نیز اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم اتنے بلند و بالا انسان تھے کہ گویا ایک طویل درخت خرما ہو۔[1]

حضرت آدمؑ کے لقاب خلیفۃ اللہ اور صفی اللہ تھے۔ اور آپکی کنیت ابوالبشر ابوالمحمد تھی۔ زمین پر آنے کے بعد حضرت آدم کی عمر بقول الیعقوبی نو سو تیس ۹۳۰ سال، بقول ابن سعد نو سو چھتیس ۹۳۶ سال، بقول علامہ جوہری وطبری ایک ہزار سال اور بقول علامہ نعمت اللہ الجزائری ایک ہزار تیس ۱۰۳۰ سال تھی۔ توریت میں آپکی عمر نو سو تیس سال رقم ہے۔

وفات آدمؑ: حضرت آدم کی وفات کی بابت ابن سعد نے اُبی بن کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ "جب حضرت آدمؑ کے احتضار کا وقت آیا تو لڑکوں سے کہا میرے لئے بہشتی میوہ تلاش کرو میرا جی چاہتا ہے۔ لڑکے اسی حالت بیماری میں بہشتی میوہ تلاش کرنے نکلے، ناگاہ فرشتگان جناب الٰہی سے آمنا سامنا ہوا جنھوں نے دریافت کیا۔ فرزندانِ آدم! کس جستجو میں ہو؟ جواب دیا بہشتی میوے کو والد کا جی چاہتا ہے۔ ہم اسکی تلاش میں ہیں۔ فرشتوں نے کہا واپس جاؤ کہ جو ہونا تھا ہو گیا۔ یہاں پہنچے تو آدم کی جان نکل چکی تھی۔ فرشتوں نے انھیں لیکر غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا، قبر کھودی، لحد بنائی، ایک فرشتے نے بڑھ کے امامت کی، نماز جنازہ پڑھائی، باقی فرشتے مقتدی بنے، بنی آدمؑ کی صف ان سب کے پیچھے تھی قبر میں لاش دفن کر دی، مٹی برابر کی اور کہا: "اے فرزندانِ آدمؑ! یہی تمھاری راہ ہے اور یہی تمھارا طریقہ ہے۔"[2]

حضرتِ آدمؑ کی وفات یوم جمعہ ۸ ماہ نیسان مطابق ۱۵ محرم الحرام بتائی جاتی ہے۔ بعض روایتوں میں ۱۱ محرم الحرام بھی بیان کی گئی ہے۔ ابوالبابہؓ بن عبدالمنذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار

[1] طبقات ابن سعد، ص: ۵، ج: ۱ [2] طبقات ابن سعد، ص: ۵۳، ج: ۱

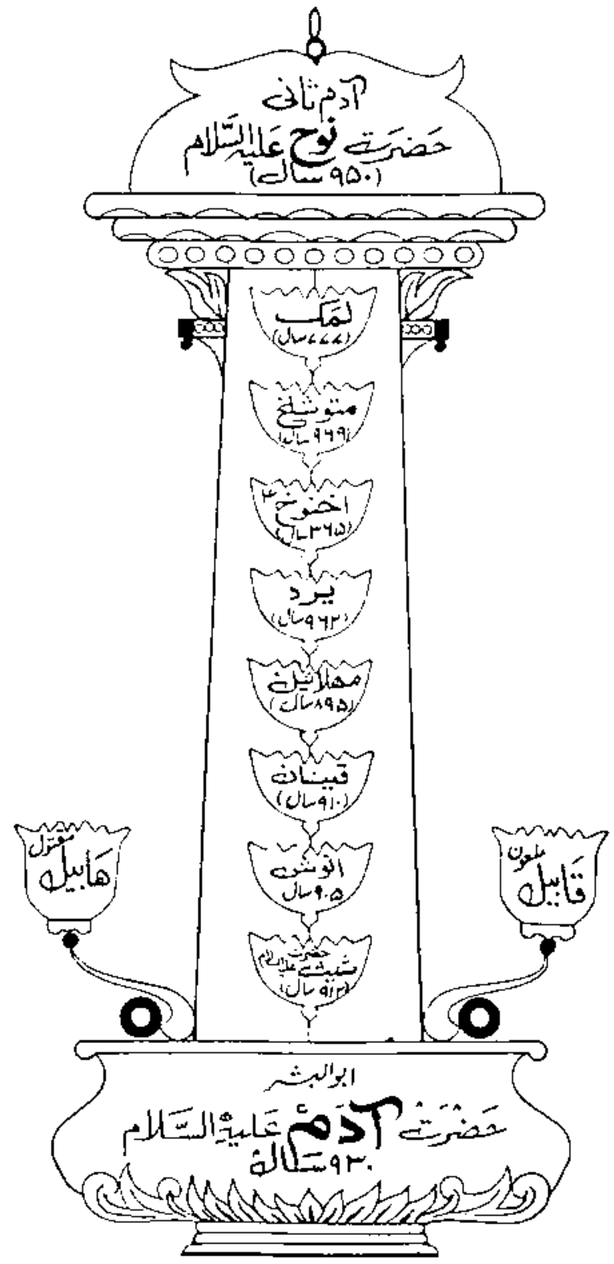

اور خدا کے نزدیک سب سے بڑا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدمؑ کو پیدا کیا اسی دن آدم کو زمین پر اتارا اور اسی دن آدم کو وفات دی۔" بی بی حوا حضرت آدمؑ کے بعد ایک سال پندرہ دن زندہ رہیں، کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت آدمؑ کا انتقال مکہ میں ہوا اور آپ کوہ ابوقبیس میں دفن کئے گئے جبکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی قبر سرندیپ میں ہے جیسا کہ حاجی نران علی خاں صاحب نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ کوہِ آدمؑ کے دامن میں حضرت آدمؑ کی قبر ہے۔ انھوں نے اس قبر کی پیمائش تین سو پندرہ گز تحریر کی ہے اور بی بی حوا کی قبر کی پیمائش ایک سو ستاون گز لکھی ہے دونوں قبریں قبلہ رو ہیں اور سر و پا کی جگہ دو چھوٹے چھوٹے قبے پہچان کی غرض سے بنے ہوئے ہیں حضرت آدمؑ کی قبر کے مجاور حسینی سادات ہیں شہر کالی سیلان میں ان کا ایک بہت بڑا قبیلہ تقریباً سات سو برس سے پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ اسی قبیلے کے چند افراد مجاور ہیں۔[1]

شیث بن آدمؑ: ہابیل کے قتل کے بعد حضرت آدمؑ ایک عرصہ دراز تک رنجیدہ و مغموم رہے اس عرصے میں انھوں نے ہر قسم کی لذات سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اس مدت میں انکے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آخر ایک طویل مدت کے بعد ایک فرزند تولد ہوئے جن کا نام شیث رکھا گیا۔ شیث سریانی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں اسکے معنی ھبۃ اللہ اور اردو میں عطیۂ خداوندی کے ہیں جناب شیث حسن و جمال اور فضل و کمال میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اولادِ آدمؑ میں حضرت شیث نہایت بزرگ و محترم تھے اور شکل و شباہت میں حضرت آدمؑ سے مشابہ تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ شیث اور ان کی بہن عزورا توام پیدا ہوئے۔ انکی ولادت کے بعد یافث پیدا ہوتے جب جوان ہوئے تو انکی شادی کے لئے منزلہ اور منزلہ

[1] تاریخ انوار السادات، ص: ۲

نامی دو حوریں آسمان سے بھیجی گئیں۔ حضرت آدمؑ نے حکم خداوندی کے مطابق نزلہ کا نکاح شیث سے اور منزلہ کا یافث سے کر دیا۔ ان سے جو اولادیں پیدا ہوئیں اُنکی باہم نسبت کی گئی یعنی شیث کے لڑکوں سے یافث کی لڑکیاں اور یافث کے لڑکوں سے شیث کی لڑکیاں بیاہ دی گئیں۔ شیث کی ایک لڑکی ہابیل ثانی کی تزویج میں دے دی گئی۔ اس طرح توالد و تناسل کا سلسلہ بڑھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی وفات کے وقت انکی نسل کے افراد کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

حضرت آدمؑ نے بحکم خدا جناب شیث کو اپنا وصی مقرر کیا۔ اس ضمن میں اخوند ملا محمد الجوہری تحریر کرتے ہیں کہ:

> "روایت کنند کہ آدمؑ بیمار شد بعد از بست یکروز فرمان یافت خدائے عز و جل پیش از مرگ یکروز جبرئیل را فرستاد و آں را فرمود کہ شیث را وصی گردان و آں را الخلافت خویش مقرر گردان پس آدم شیث را بخواند و از اولاد فاضل تر بود و اراده حق تعالیٰ بود کہ آں را خلیفۂ بد خویش گرداند و پیغمبر بود و ملک روئے زمین بود پس خلافت بدان داده و فرزندان را وصیت فرمود کہ فرمان او برند پس ہمہ فرزندان شیث را فرمان بردار شدند۔ (قصص الانبیاء ص: ۲۹)

ترجمہ:

مروی ہے کہ جب آدمؑ بیمار ہوئے تو اکیس دن کے بعد ایک روز فرمان خداوندی پہنچا۔ اس نے جبرئیل کو بھیج کر آدم کو حکم دیا کہ شیث کو اپنا وصی کر دیں اور اپنا خلیفہ و جانشین بنا دیں چنانچہ آدمؑ نے تعمیل حکم خداوندی کی اور شیث کو خلیفہ و جانشین بنا دیا۔ شیثؑ اولادِ آدمؑ میں فاضل تر تھے

خدا کا منشا یہ تھا کہ وہ اُن کو اُنکے باپ کا جانشین بنا کر انھی کو پیغمبری دیدے اور روئے زمین کا مالک بنا دے لہٰذا آدم نے انھیں بحکم خدا اپنا خلیفہ و جانشین بنا دیا اور اپنے بیٹوں پوتوں کو ہدایت و وصیت کردی کہ انکی فرمانبرداری کریں۔ چنانچہ سب شیثؑ کے فرماں بردار ہوگئے۔

جناب شیثؑ پر پچاس صحیفے نازل ہوئے۔ اُن کی عمر نو سو بارہ ۹۱۲ برس بیان کی گئی ہے ان کے ایک سو پچاس سال اور توریت کے بیان کے مطابق ایک سو پانچ سال کی عمر میں انوش پیدا ہوئے جو بعد میں اپنے باپ کے وصی قرار پاتے۔

انوش بن شیثؑ : انوش کے معنی صادق کے ہیں بعض مورخین نے ان کا نام یانس بھی لکھا ہے۔ انھوں نے بابل کو اپنا مسکن بنایا۔ خداوند تعالیٰ نے انھیں خلافتِ الٰہیہ کے علاوہ دنیاوی بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ یہ دنیا کی تاریخ میں پہلے بادشاہ تھے۔ توریت میں انکی عمر نو سو پانچ سال ہے جبکہ دیگر مورخین نے انکی عمر نو سو پچیس ۹۲۵ برس بتائی ہے۔ انکے اولاد کثیر تھی۔ نوے ۹۰ برس کی عمر میں ان کے قینان پیدا ہوئے جو اُن کی وفات کے بعد انکے جانشین بنے۔

قینان ابن انوش : قینان عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مستولی یعنی غالب کے ہیں۔ مورخین نے انکا نام قائن بھی لکھا ہے۔ انکی عمر نو سو دس ۹۱۰ سال بتائی جاتی ہے۔ انکے ستر برس کی عمر میں مہلائیل پیدا ہوئے جو اُنکے جانشین قرار پائے۔

محلائیل بن قینان : محلائیل کے معنی ممدوح کے ہیں۔ یہ انتہائی حسین و جمیل اور عابد و زاہد تھے دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ مغرب سے مشرق تک اُن کے حسن کا شہرہ تھا۔ یہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے تاکہ لوگ انکے حسین چہرے کو نہ دیکھ سکیں۔ دور دراز سے لوگ

ان کے دیدار کے لئے آتے اور تحفہ تحائف ساتھ لاتے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو لوگ مایوس لوٹنے لگے۔ شیطان کو موقع ہاتھ آیا۔ اس نے محلائیل کی اولاد میں سے کچھ کو ورغلایا اور ان کو بتایا کہ محلائیل تم سے سخت ناراض ہے کیونکہ لوگ سفر کی صعوبتیں اٹھا کر کے محلائیل کے دیدار کو آتے ہیں مگر نامراد واپس جاتے ہیں۔ اس پر محلائیل کی اولاد نے دریافت کیا اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ شیطان نے انھیں مشورہ دیا "صورتے درست کنید بسان صورتِ محلائیل در خانہ و برقعے بروے فرو گذارید تا آنکہ خلق بیایند و آں صورت را زیارت کنند" یعنی تم ایک صورت مہلائیل کے شکل کی بنا کر اپنے گھر میں رکھو اور اس پر نقاب ڈالدو تاکہ جب لوگ آئیں تو انکی زیارت کریں اور مطمئن ہو کر واپس لوٹیں۔ یہ سُن کر اولاد محلائیل نے اس سے مدد چاہی جس پر شیطان فوراً آمادہ ہو گیا اور اُس نے پتھر کا ایک مجسمہ بنا کر دیا جس پر نقاب ڈال کر نصب کر دیا گیا۔ لوگ اس مجسمے کا دیدار کرتے، نذرانے پیش کرتے اور چلے جاتے۔ دو قرن[1] یعنی اسی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد شیطان نے اُس وقت کے لوگوں سے کہا کہ تمھارے آبا و اجداد تو اس مجسمے کی پرستش کرتے تھے تم لوگ اس کی پوجا کیوں نہیں کرتے۔ شیطان کی مسلسل کوششوں سے لوگوں نے اُس مجسمے کی پوجا شروع کر دی اور اس طرح بُت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ دنیا میں سب سے پہلا بت محلائیل کا تھا جسکی پوجا کی گئی۔ توریت میں محلائیل کی عمر آٹھ سو پچانوے سال مرقوم ہے جبکہ مورخین نے نو سو اکسٹھ برس تحریر کی ہے۔ پینسٹھ برس کی عمر میں انکے یرد پیدا ہوئے جو اُن کے جانشین ہوئے۔

یرد بن محلائیل : بعض مورخین نے توریت و انجیل کے مطابق انکا نام یارد لکھا ہے۔ انکے لڑکیاں بہت پیدا ہوئیں۔ توریت میں انکی عمر نو سو باسٹھ برس بیان کی ہے جبکہ مورخین نے انکی عمر پانچسو پینتیس سال لکھی ہے۔ یرد کے ایک سو باسٹھ برس کی عمر میں اخنوخ پیدا ہوئے جو انکے جانشین قرار پائے۔

[1] ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں ایک قرن کی مدت ایک سو سال ہوتی تھی۔

اخنوخ بن یرد : کتاب مقدس میں انکا نام حنوک مرقوم ہے۔ کثرتِ درس و تدریس کے باعث ان کا لقب ادریس ہوا۔ اخنوخ عبرانی لفظ ہے جبکہ ادریس عربی لفظ ہے لہٰذا عربوں نے لقب کو نام کا درجہ دیا۔ یونانی آپ کو بطرمیس اور اوریس کہتے ہیں۔ حضرت شیثؑ کے بعد حضرت ادریسؑ دوسرے نبی ہوئے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت شیثؑ سے حضرت ادریسؑ تک ایک ہزار پانچ سو باسٹھ سال کی مدت میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ علوم ریاضی و نجوم انہی کی ایجاد ہے آپ ہی نے لکھنے کی رسم جاری کی۔ آپ فنِ خیاطی کے ماہر تھے اور لکھنے میں بھی باکمال تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ادریسؑ نبی وہی ہیں جو فنِ حکمت میں ہرمس حکیم کے نام سے مشہور ہیں[1]۔ آپ ہی نے سب سے پہلے نظامِ حکومت کے قواعد و ضوابط لکھے اور ایک سو اسی شہر آباد کئے۔ آپ سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالوں سے ستر پوشی کرتے تھے آپ نے کپڑے سینے کی بنیاد ڈالی۔ آپ کوفہ و عراق کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور مسجدِ سہلہ میں رہتے تھے۔ یہ مسجد نجف اشرف کے نزدیک ہے۔ خدا نے اسی مسجد سے آپکو بلند مقام عطا فرمایا۔ آپکے پیروکاروں کی تعداد ایک ہزار تک ہوگئی تو ان میں سے سو آدمی برگزیدہ چُن لئے پھر ان میں سے ستر چُنے۔ پھر ان میں سے سات آدمی چُنے جو خاص الخاص تھے آپ پر خدا نے تیس صحیفے نازل فرمائے۔ جب حضرت ادریسؑ خدا کی یاد میں زیادہ گریہ و زاری کرنے لگے تو خدا نے ان کو زندہ اٹھا لیا۔ چنانچہ خدا نے فرمایا کہ "یاد کرو کتاب میں ادریس کا قصہ وہ بھی صدیق نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مکان میں اُٹھا لیا[2]۔"

آپکی والدہ کا نام آشوت تھا۔ آپکی عمر کی بابت مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہروی نے ۸۲ برس اور صاحبِ کشف الغمہ نے آٹھ سو پینسٹھ ۸۶۵ سال اور صاحبانِ عجائب القصص، ناسخ التواریخ اور طبری نے تین سو پینسٹھ سال اور ابن واضح مسعودی اور علامہ باقر مجلسی نے تین سو سال کی عمر بیان کی ہے جبکہ بیشتر مورخین نے آپکی عمر تین سو پینسٹھ سال ہی تسلیم کی ہے۔ آپکے پینسٹھ سال کی عمر میں متوشلخ پیدا ہوئے جو آپکے جانشین قرار پائے۔

[1] تاریخ ابن خلدون، ص ۲۳ ج ۱ [2] سورۂ مریم آیت : ۵۸

حضرت ادریسؑ فربہ اور جسیم تھے۔ بلند قامت اور سینہ چوڑا تھا۔ جسم پر بال کم تھے مگر سر پر زیادہ اور نہایت باریک بال تھے۔ آپکی آواز بھی باریک تھی۔ آپ آہستہ آہستہ باتیں کرتے تھے آہستہ چلتے تھے اور چھوٹے قدم رکھتے تھے۔

متوشلخ بن اخنوخ : متوشلخ کی والدہ کا نام "بروخا" تھا۔ متوشلخ کی عمر نو سو ساٹھ ۹۶۰ سال اور نو سو بیاسی سال بتائی جاتی ہے۔ توریت میں ان کی عمر نو سو انہتر سال لکھی ہے۔ ایک سو ستاسی برس کی عمر میں انکے لمک پیدا ہوئے جو اُنکے جانشین مقرر ہوئے۔ متوشلخ کے بے شمار اولادیں بتائی جاتی ہیں۔

لمک بن متوشلخ : لمک کی والدہ کا نام عربا تھا۔ لمک نے فرائض منصبی پوری توجہ و جانفشانی سے ادا کئے۔ ان کے زمانہ میں ظلم و جور کا دور دورہ تھا۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ لوگوں نے قابیل کی لڑکیوں سے رابطے قائم کر لئے تھے جن سے ناجائز اولادیں کثرت سے پیدا ہوگئی تھیں اور جنکی اصلاح کے لئے لمک کو بے انتہا محنت کرنا پڑی لیکن اس کے باوجود وہ ان کو راہِ راست پر نہ لا سکے۔ لمک کی عمر نو سو ستتر ۹۷۷ سال بتائی جاتی ہے جبکہ توریت میں ان کی عمر سات سو ستتر ۷۷۷ سال مرقوم ہے۔ ایک سو بیاسی سال کی عمر میں ان کے فرزند نوحؑ پیدا ہوئے جو انکے جانشین تھے اور اپنے زمانے کے اولوالعزم پیغمبر تھے۔

آدم ثانی
حضرت نوح علیہ السّلام

بعثت نوحؑ : حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ کا اصلی نام یشکر تھا عرب آپکو عبدالغفار، عبدالملک اور عبدالاعلیٰ کہتے ہیں۔ آپکا نام ساکن، سکن، ساکب اور سکب بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا مشہور ترین نام نوح ہے جو عجمی لفظ ہے اور جس کے معنی گریہ اور نوحہ کرنا ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ آپنے کئی سو سال اپنی قوم کے ہاتھوں ایذا رسانیوں کی وجہ سے نوحہ کیا اس لیئے آپکا نام نوحؑ پڑا۔ آپ کی والدہ کا نام قینوش تھا جو لمک کی چچازاد بہن بھی تھیں۔ حضرت نوحؑ کوفہ میں رہتے تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے آپ کی بعثت کی بابت مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مؤرخ نے بعثت کے وقت آپ کی عمر پچاس سال بتائی ہے تو دوسرے نے دو سو پچاس سال[25] لکھی ہے۔ ایک روایت میں چار سو سال ہے تو دوسری میں چار سو ساٹھ[26] سال کی عمر میں بعثت کا تعین کیا گیا ہے۔ آپ قابیل کی اولاد پر مبعوث کئے گئے تھے۔ ان کو راہ راست پر لانے کیلئے آپ کی مسلسل جدوجہد کی جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ حضرت نوحؑ نے حضرت ادریسؑ کی پوتی عمورا بنت ضمران بن ادریسؑ سے نکاح کیا۔ عمورا پہلی خاتون تھیں جو آپ پر ایمان لاکر وحدہٗ لاشریک کی قائل ہوئیں۔ طوفان نوح سے اٹھتر[27] سال قبل عمورا کے بطن سے سام پیدا ہوئے۔

طوفان نوح : حضرت نوحؑ فرائض نبوت ادا کرتے رہے مگر قوم نابکار نے آپکی کوشش کو بار آور نہ ہونے دیا۔ یہ لوگ آپ کو دیوانہ کہتے گالیاں دیتے اور پتھر مارتے تھے اور اللہ کا نبی انکے مظالم برداشت کرتا رہا لیکن جب آپکو یقین ہو گیا کہ اس قوم کی اصلاح ممکن نہیں تو آپنے "رَبِّ لَا تَذَرْ" کے الفاظ میں بددعا کی اور فرمایا: "الٰہی ایسا طوفان نازل فرما کہ ان کافروں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکے" دعا قبول ہوئی۔ آپکو حکم ملا کہ ایک کشتی تیار کریں۔ اللہ کے نبی نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور جہاں اب مسجد کوفہ ہے اُسی میدان میں کشتی بنانی شروع کی اسی جگہ آپکی زوجہ تنور روشن کر کے روٹیاں پکاتی تھیں۔ اسی تنور سے پانی اُبلنے لگا جو طوفان کی شکل اختیار کر گیا۔ اب بھی مسجد کوفہ میں یہ تنور موجود ہے اور اسے غار تنور کہتے ہیں۔ تقریباً بارہ[12] سال میں کشتی تیار ہوئی۔ اس کشتی کی تیاری کے دوران حضرت نوحؑ آہ و زاری کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ

"خداوندا! اپنی رحمت سے مجھے محفوظ رکھ۔ الٰہی مجھے نجات دے اور عافیت بخش۔ اے اللہ میرے لئے اپنے فضل و کرم کے دروازے کھول دے اور اپنے آخری نبیؐ کے وسیلے سے اور اپنے پہلے امامؑ کے وسیلے سے جس کا بزرگ نام ایلیاؑ ہے اور دونوں جہانوں کی سردار سیدہؑ کے وسیلے سے اور دونوں شہیدوں کے وسیلے سے اور اُس معصوم بچے کے وسیلے سے جس کی گردن تیر سے زخمی کی جائے گی۔ اس پاک بی بی کے وسیلے سے جس کے سر پہ کوئی کپڑا نہ ہوگا تمام معصومین اور مظلومین اور پاک ہستیوں کے وسیلے سے۔"

حضرت نوحؑ کی یہ دعا متعدد کتب میں نقل کی گئی ہے اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں :

(۱) مراۃ العقیق فی تحقیق، مؤلفہ ابن سراج اصفہانی، مطبوعہ بغداد (۲) کتاب العجب مصنفہ عبدالرزاق العراقی (۳) نوادر التحقیق مؤلفہ محمد تدبیر العلوی (۴) اعجاز انبیاءؑ مصنفہ سرمدی مطبوعہ ایران (۵) کتاب آثار المعربیہ مصنفہ ابو الفتح زکانی (۶) اخبار الآثار مطبوعہ مصر (۷) سیرۃ المرسلین مؤلفہ کبیر خان شیرازی مطبوعہ ایران۔

جب کشتی تیار ہو گئی تو حضرت نوحؑ بحکم خدا جملہ مخلوق کے جوڑے لیکر کشتی میں سوار ہوئے آپ کا ایک بیٹا کنعان (یام) اور اسکی ماں "العبہ" کشتی میں سوار نہیں ہوئے بلکہ ایک بلند مقام کو پناہ کیلئے تجویز کیا۔ الغرض طوفان آیا زمین و آسمان سے پانی کے سوتے پھوٹ پڑے سیلاب نے دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مخلوق ڈوبتی جارہی تھی اور حضرت نوحؑ اپنے رفقائے خاص کے ہمراہ "یَا رَبِّیْ وَرَبَّ السَّمٰوٰاتِ وَالْعَرْضِ یَا مُحَمَّدُ سَیِّدَ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ یَا اِیْلِی اِمَامَ الدَّارَیْنِ" کہتے ہوئے کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی نوح عالم عصیان و عدوان اور اسکی عبرتناک سزا یابیوں کے مناظر دیکھتی ہوئی سطح آب پر بلند ہوتی جارہی تھی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا سیلاب میں غرق ہو گئی۔ طوفان نوح کی بابت مولانا فرمان علی صاحب سورہ ہود کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :

"حضرت نوحؑ کی کشتی بارہ سو گز لمبی آٹھ سو گز چوڑی اسی گز اونچی تھی اور اس کے تین درجے تھے۔ نیچے کے درجے میں چوپائے، بیچ میں پرند اور اوپر آدمی اور ضرورت کی سب چیزیں اس میں موجود تھیں۔ غرض جب کشتی تیار ہوئی تو حضرت نوحؑ نے تمام جانوروں کو آواز دی اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اور اسی آدمیوں کو جو آپؑ پر ایمان لائے تھے لیکر سوار ہوئے تو پہلے تنور سے پانی ابلنے لگا۔ آفتاب کو گہن لگا۔ آسمان سے موسلا دھار پانی کی چادریں گرنے لگیں۔ پھر زمین کے تمام چشموں سے اُبلنے لگے اور تمام پانی پانی ہو گیا اور آسمان و پانی کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی ..... جس جگہ اب مسجد کوفہ ہے وہیں پر کشتی

بنی تھی اور یہیں سے طوفان کی ابتدا ہوئی جس تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا وہ گویا مسجد کوفہ ہی میں تھا۔" (سورۃ ہود۔ آیت: ۳۸)

الغرض جب اللہ کے حکم سے زمین نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا اور سطح زمین خشک ہوئی تو کشتی نوح کوہ جودی (جسے کوہ ارادات بھی کہتے ہیں) پر ٹھہری جیسا کہ سورہ ہود میں ارشاد باری ہے کہ "آخر الامر سفینۂ نوح کوہ جودی پر آکر رکا" مورخین کا بیان ہے کہ طوفان نوح ایک سو پچاس دن رہا۔ دسویں رجب کو کشتی جبل جودی پر پہنچی اور دسویں محرم کو اہل کشتی کشتی سے اتر کر قریۂ ثردی میں فروکش ہوئے اور حکم خداوندی کے مطابق قربانی کی۔ رمضان آیا تو حضرت نوحؑ نے روزے رکھے یعقوب حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ جودی عراق کے صوبہ موصل میں دریائے دجلہ کے مشرق میں پہاڑ کا ایک سلسلہ ہے۔ اسکے علاوہ کثیر روایات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جودی کا پہاڑی سلسلہ موصل کے علاقے میں ہے۔ بہرحال طوفان نوح کے بعد کرۂ ارض پر کوئی متنفس باقی نہ بچا ماسوائے انکے جو سفینۂ نوح پر سوار تھے اللہ کے نبی اپنے ساتھیوں سمیت کشتی سے اُترے شکر خدا بجا لائے اور ہاتھ بلند کر کے فرمایا۔

"الٰہی میں تیری بے حساب تعریف کرتا ہوں۔ پروردگار تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے مجھے عذاب سے بچایا اور تیرے رسول احمدؐ کا بھی شکر گذار ہوں اور اس ایلیا کا بھی شکر گذار ہوں جس نے مدد فرمائی وہی ایلیا جو تیرے گھر میں پیدا ہوگا اور تیرے نبی محمدؐ کا بھی شکریہ اور ان کے دونوں بیٹوں کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے میری امداد کی۔"

(جواہر الادویہ مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۹ء تاریخ عالم از سجاد یزدانی۔ مطبوعہ بمبئی ۱۹۱۳ء۔ تاریخ انوار السادات، صفحہ ۳۳ مطبوعہ لاہور)

یہی وہ دعا ہے جس کے پیش نظر ختمی مرتبت نے ارشاد فرمایا : مثل اھلبیتی کمثل

سفینہ النوح من دخلھا فنجی" یعنی میرے اہلبیت کی مثال کشتی نوح کے مانند ہے جو اس میں داخل ہوا اور کماحقّہٗ اطاعت کی وہ نجات پاگیا۔

تحقیقِ جدید : طوفان نوحؑ کے واقعہ کو ہزاروں سال گذر چکے یہ بات تو کتب آسمانی میں واضح ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی کوہ جودی پر آکر ٹھہری تھی لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وہ مقام اس پہاڑی سلسلہ کے کس حصہ میں ہے۔ قادر مطلق نے بیسویں صدی عیسوی میں اس راز سے پردہ ہٹایا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جولائی ۱۹۵۱ء میں جب روسی ماہرین ارضی کوہ قاف میں معدنیات کی تلاش و ریسرچ کر رہے تھے انھیں ایک مقام پر لکڑی کے چند بوسیدہ ٹکڑے ملے ان ماہرین نے سطحی علامات سے یہ اندازہ لگایا کہ یہ لکڑیاں غیر معمولی ہیں اور ان میں راز پوشیدہ ہیں۔ مزید کھدائی سے اور بہت سی اشیا برآمد ہوئیں۔ ان میں ایک مستطیل تعویذ نما چودہ انچ لمبی اور دس انچ چوڑی لکڑی کی تختی ملی جو دوسری تختیوں کے برعکس تغیرات زمانہ سے محفوظ تھی ماہرین نے تحقیق کے بعد ۱۹۵۲ء میں یہ انکشاف کیا کہ یہ لکڑی حضرت نوحؑ کی معروف کشتی سے تعلق رکھتی ہے جو کوہ جودی پر ٹھہری تھی اور یہ تختی جس پر کسی قدیم ترین زبان میں چند حروف کندہ ہیں اسی کشتی میں لگی ہوئی تھی۔ اب یہ امر تحقیق طلب ہوا کہ اس چوبی تختی پر لکھے ہوئے حروف کی کیا حقیقت ہے۔ چنانچہ سوویت حکومت نے ۲۷ فروری ۱۹۵۲ء کو ایک تحقیقاتی بورڈ قائم کیا جس میں حسب ذیل ماہرین شامل تھے :

(۱) مسولے نوف۔ پروفیسر شعبۂ لسانیات' ماسکو یونیورسٹی۔
(۲) ایفاہان خلیق۔ ماہر السنہ قدیمہ، لوہان کالج چائنا۔
(۳) میشائن لو۔ فارنگ افسر اعلیٰ آثار قدیمہ
(۴) تانمول گورف۔ استاد لسانیات کیفبر کالج۔
(۵) ڈی راکن۔ ماہر آثار قدیمہ۔ پروفیسر لائنن انسٹی ٹیوٹ۔

(۶) ایم احمد کولاڈ۔ ناظم زکومن ریسرچ ایسوسی ایشن۔
(۷) میجر کولٹوف۔ نگران دفتر تحقیقات متعلقہ اسٹالن کالج۔

ان ساتوں ماہرین نے پورے آٹھ مہینے کی کاوش و دماغ ریزی کے بعد یہ اعلان کیا کہ جس لکڑی سے حضرت نوحؑ کی کشتی تیار ہوئی تھی اُسی لکڑی سے یہ تختی بھی بنائی گئی تھی اور حضرت نوحؑ نے اس کو اپنی کشتی میں حصول امن و عافیت اور برکت و رحمت کیلئے لگایا تھا اسی تختی کے درمیان میں ایک پنجہ کی شکل ہے جس میں قدیم سامانی زبان کی ایک مختصر عبارت اور کچھ متبرک نام مرقوم ہیں ماہرین نے بمشکل تمام ان الفاظ کو پڑھا اور روسی زبان میں منتقل کیا جس کو مسٹر ایم ایف ٹامس (M.F. TOMAS) ماہر السنہ قدیمہ برطانیہ مینچسٹر انگلینڈ نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو درج ذیل ہے :

"O" MY GOD MY HELPER KEEP MY HAND WITH MERCY AND WITH YOUR HOLY BODIES MOHAMMAD ILIA SHABBAR SHABBIR FATIMA THEY ARE ALL BIGGEST AND HONORABLE. THE WORLD ESTABLISHED FOR THEM. HELP ME BY THEIR NAME YOU CAN REFORM TO LIGHT.

ترجمہ :

"اے میرے خدا میری مدد فرما اپنے رحم و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ اور اپنے مقدس نفسوں کے طفیل محمدؐ۔ ایلیا (علیؑ) شبّر (حسنؑ) شبیر (حسینؑ)۔ فاطمہؑ۔ یہ تمام عظیم ترین اور واجب الاحترام ہیں تمام دنیا انہی کے لئے قائم کی گئی۔ انکے نام کی بدولت میری مدد کر۔ تو ہی سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والا ہے۔"

یہ اُن مضامین کا اقتباس ہے جو دنیا کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :

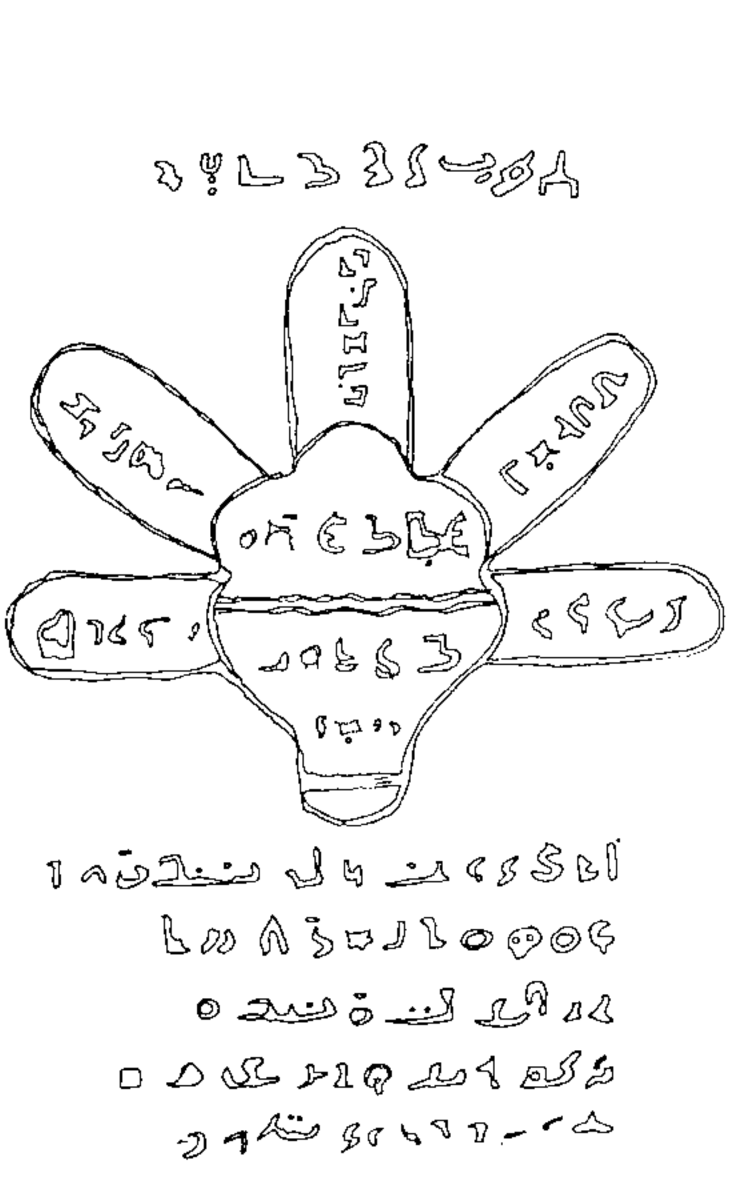

" ماہنامہ" ماسکو" نومبر ۱۹۵۳ء ؛ ہفت روزہ" میرر" لندن ۲۸ دسمبر ۱۹۵۳ء ؛ روزنامہ" الہدیٰ" قاہرہ ۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء ؛ ماہنامہ" اسٹار آف برٹینیا" لندن، جنوری ۱۹۵۴ء ؛ اخبار" سن لائٹ" مانچسٹر ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء ؛ ہفت روزہ" لنڈن" لندن یکم فروری ۱۹۵۴ء ؛ وغیرہ وغیرہ

وہ تختی جس پر مندرجہ بالا الفاظ کندہ ہیں' وہ روس کے مرکز آثار قدیمہ و تحقیقات' ماسکو میں محفوظ ہے۔ اسکی عکسی تصویر جو اخبارات میں شائع ہوئی، اُس کی نقل اِس کتاب میں شامل ہے۔

آدمِ ثانی : طوفان نوح کے باعث کرۂ ارض پر کوئی بنی نوع انسان نہ بچ سکا سوائے اُن کے جو کشتی نوح پر سوار تھے۔ ایک بار پھر ان سے نسل آدم چلی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوق الثمانین یا مدینۃ الثمانین میں جہاں حضرت نوحؑ، اُنکی اولاد اور وہ اسّی افراد جو آپؑ پر ایمان لائے آباد ہوئے' وہاں چند روز بعد ایک ایسی وبا پھیلی کہ جس سے وہ اسّی مومنین فوت ہوگئے۔ اس وبا سے حضرت نوحؑ اور ان کی اولاد بچ گئی اور انہی سے نسل انسانی پھیلی۔ جیسا کہ مولانا فرمان علی صاحب نے سورہ ہود کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے :

"جب حضرت نوحؑ کشتی سے اُترے تھے تو کوہ جودی ہی کے دامن میں ایک بستی آباد کی اور وہیں رہ گئے اور اسکا نام "سوق الثمانین" (یعنی اسّی آدمیوں کا بازار) رکھا۔ خدا کی شان چند دنوں کے بعد وہاں ایک ایسا مرض پھیلا جس سے اولاد نوح کے علاوہ سب مومنین مر گئے۔ صرف یہی تین صاحبزادے اپنی بیبیوں سمیت رہ گئے۔ انہی سے دنیا پھیلی۔ اسی وجہ سے حضرت نوح کو آدم ثانی کہتے ہیں۔" (قرآن کریم۔ حاشیہ سورہ ہود)

چونکہ کشتی نوح ماہ محرم میں کوہ جودی پر ٹھہری تھی اس لئے اس مہینے کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ حضرت نوحؑ کشتی سے اُترنے کے بعد پانچ سو سال زندہ رہے لیکن توریت کا بیان ہے کہ: "طوفان کے بعد نوحؑ ساڑھے تین سو برس اور جیتا رہا" اور دنیا میں از سر نو ... ل آدم پھیلنی شروع ہوئی۔

حضرت نوحؑ کا رنگ گندمی تھا۔ چہرہ پتلا، سر لمبا، آنکھیں بڑی بڑی، پنڈلیاں پتلی، رانیں موٹی، ناف بڑی، داڑھی گھنی اور دراز، قد جسیم تھے، غصہ زیادہ تھا۔ حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جنکی شریعت نے حضرت آدمؑ کی شریعت کو منسوخ کیا۔ ان کی دعا سے کفار و ملحدین عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوئے اور پانی سے جہنم کی آگ میں پہنچے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے نماز کے اوقات حکم خداوندی کے مطابق مقرر فرمائے۔

حضرت نوحؑ کی عمر کے متعلق دو روایتیں کثرت سے منقول ہیں۔ مورخین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ آپکی عمر مبارک دو ہزار پانچسو برس تھی جسکی تقسیم اس طرح کی ہے کہ بعثت سے قبل کی مدت آٹھ سو پچاس سال، مدتِ تبلیغ نو سو سال، کشتی کی تیاری کا زمانہ دو سو سال اور طوفان کے بعد حیات کی مدت پانچ سو سال، اس طرح کل مدت دو ہزار چار سو پچاس سال بنتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرے گروہ کا قول ہے کہ ولادت سے بعثت تک کا زمانہ پچاس سال، بعثت سے طوفان تک کی مدت چھ سو سال اور طوفان کے بعد زندہ رہنے کا زمانہ تین سو پچاس سال۔ اس طرح کل مُدتِ حیات ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ قول دوئم ہی کو درست تسلیم کیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔
نیز توریت میں بھی آپکی عمر نو سو پچاس برس بیان کی گئی ہے جو قول دوئم سے زیادہ قریب ہے۔

دینِ آبائے نوحؑ :

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک دس پشتیں تھیں جن کا سلسلۂ نسب بروایت توریت و بالاتفاق ماہرین انساب یہ ہے:

نوح ابن لمک (یا لامک) ابن متوشلخ ابن خنوخ (یا اخنوخ یا اشنخ یا اخنخ) ابن یرد (یا یارد یا بیرد) ابن مہلائیل (یا ماھلائل) ابن قائن (یا قینن یا قینان) ابن انوش، ابن شیث ابن آدم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام، ہے۔ ان ناموں میں اختلاف کثرت سے پایا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب نے یہ نام اہل توریت سے لئے اور

اہل توریت و اہل عرب کے مخارج حروف میں واضح فرق ہے۔ الغرض یہ سب بزرگ خانۂ کعبہ کے متولی اور دین اسلام کے پیرو تھے۔ ابن سعد نے عکرمہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ: "آدم و نوح کے درمیان دس قرن کا زمانہ حائل ہے۔ یہ تمام نسلیں دین اسلام پر قائم تھیں"۔ ابن سعد کی ایک اور روایت، جو ابن عباسؓ کی سند سے بیان کی گئی ہے۔ اسکو علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ مسالک الحنفا میں اس طرح نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اجداد میں حضرت آدم سے نوح تک دس پشتیں گذریں، یہ سب بزرگ اسلام پر فائز تھے۔" ابن سعد ہی نے محمد بن عمرو بن اقد الاسلمی کے حوالے سے اہل علم کی ایک روایت بیان کی ہے جن سب کا قول ہے کہ "آدم و نوح کے درمیان دس قرن گذرے، ہر قرن ایک سو برس کا اور نوح و ابراہیم کے درمیان دس قرن گذرے ہر قرن ایک سو برس کا تھا"۔ ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک کا زمانہ ایک ہزار برس کا تھا لیکن ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دو ہزار دو سو بالیس سال کا فاصلہ تھا۔

جناب حشمت حسین جعفری (ایڈوکیٹ) نے مسند بزار، تفسیر ابن ابی حاتم و ابن المنذر اور مستدرک حاکم کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اس قول "کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً" (یعنی سب لوگ ایک ہی اُمّت تھے۔) کی تفسیر میں بسندِ صحیح حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس پشتیں گذریں جن میں ہر پشت شریعتِ حقہ پر قائم تھی۔ اس کے بعد لوگ اختلاف کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اللہ نے نبیوں کو مبعوث کیا۔ اسی آیت کے ذیل میں ابن حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان دس پشتیں گذری ہیں۔ یہ سب عالم تھے، ان سے لوگ ہدایت پاتے تھے اور شریعتِ حقہ پر قائم تھے اور قرآن میں حضرت نوحؑ کی دُعا کہ "اے پروردگار تو میری، میرے ماں باپ کی اور ہر اُس مومن کی جو میرے گھر میں داخل ہے مغفرت فرما"۔ پس

اس سے اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت نوحؑ تک آنحضرتؐ کے تمام اجداد مومن تھے اور حضرت نوحؑ کے فرزند سام نص قرآنی اور اجماع کی رُو سے مومن تھے۔[1]

وفات :

جب حضرت نوحؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو ملک الموت آپ کے پاس پہنچا۔ اس وقت آپ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ ملک الموت کو دیکھکر آپ نے پوچھا: "کیوں آئے ہو؟ اُس نے جواب دیا، روح قبض کرنے۔ آپ نے کہا کہ اتنی مہلت ہے کہ دھوپ سے ہٹ کر سائے میں بیٹھ جاؤں۔ اُس نے جواب میں کہا ستون سے بیٹھ جائیں آپ اُٹھے اور سائے میں جاکر بیٹھ گئے۔ ملک الموت نے آپ سے دریافت کیا کہ زندگی کس طرح گذری؟ آپ نے جواب دیا: بس اس طرح کہ دھوپ سے اُٹھ کر سائے میں بیٹھ گیا ہوں۔

اولادِ نوحؑ :

حضرت نوحؑ کے تین ازواج تھیں، ایک زن کافرہ جس کا نام رابعہ تھا اُس کو واغلہ اور الغابھی کہتے تھے اور یہ کنعان (جسے عرب یام کہتے ہیں) کی ماں تھی، دوسری کا ہیکل نام تھا یہ مسلمان تھی اور تیسری محمودہ بنت ضمران بن ادریسؑ یہ مومنہ تھیں اور سام انہی کے بطن سے تھا۔ عام طور سے حضرت نوحؑ کے چار فرزندوں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی کنعان جو طوفان میں غرق ہوا، یہ نافرمان بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ تین بیٹے سام، حام اور یافث کشتی میں آپ کے ہمراہ تھے۔ لیکن طبری اور ابن خلدون نے ایک اور لڑکے کا ذکر کیا ہے اس کا نام عابر بتایا ہے اور جو طوفانِ نوح سے قبل فوت ہو گیا تھا۔ ہشام نے لکھا ہے کہ نوحؑ کے ایک لڑکا اور تھا جس کا نام بُونا طر تھا۔[2] بہرحال تمام علمائے تاریخ اور توریت و انجیل اس امر پر متفق ہیں کہ طوفانِ نوح کے بعد سلسلۂ توالد و تناسل حضرت نوحؑ کے ان ہی تین بیٹوں یعنی سام، حام اور یافث سے چلا اور پوری دُنیا انہی تینوں بھائیوں پر تقسیم ہوئی۔ سام کے بلادِ شام، جزیرہ عراق و فارس حصہ میں آیا، حام کو دیارِ مغرب، زنج، حبش، ہند، سندھ اور سوڈان کا علاقہ ملا اور یافث کے حصے میں

[1] دین آباء النبیؐ، ص: ۱۳۔ [2] تاریخ ابن خلدون، ج: ۱، ص: ۲۴۔

اقلیم چین، صقالبہ اور ترکستان کا خطہ آیا۔ ابن سعد نے اس ضمن میں چند روایتیں بیان کی ہیں جن میں تین روایتیں ذیل میں نقل ہیں۔ ان میں سے پہلی سمرہؓ سے دوسری سعید بن المسیبؓ سے اور تیسری ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔

پہلی روایت : "(فرزندان نوح علیہ السلام میں) عربوں کے ابو آباء سام ہیں، حبشیوں کے حام ہیں اور رومیوں کے یافث ہیں"۔

دوسری روایت : نوحؑ کے تین لڑکے تھے سام، حام یافث۔ سام سے تو اقوام عرب و فارس و روم پیدا ہوئے کہ ان سب میں خیر و فلاح ہے، حام سے اقوام سوڈان بربر و قبط پیدا ہوئے اور یافث سے ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج کی قومیں پیدا ہوئیں"۔

تیسری روایت : "عرب، ایرانی، نبطی، ہندوستانی، سندھی اور ہندی (ہندی بھی اہل سندھ سے ملتی جلتی ایک قوم تھی) بھی سام بن نوح کی اولاد ہیں"۔[1]

اس کے علاوہ ایک روایت محمد بن السائب سے منقول ہے کہ ہندوستانی، سندی (سندھی) و ہندی، یوفر بن یقطن بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد ہیں، ہندی کے بیٹے کا نام مکران تھا۔

توریت کی روایت کے مطابق طوفانِ نوح کے بعد حضرت نوحؑ کے انہی تین بیٹوں کی اولاد سے تین قومیں وجود میں آئیں اور علم الاقوام والسنہ کی رُو سے انہی تین قوموں کو جنس سفید، جنس سیاہ اور جنس زرد کہا گیا ہے۔ سام کے نو بیٹے، حام کے نو بیٹے اور یافث کے گیارہ بیٹے تھے۔ ان کے ناموں میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ صاحبِ روضۃ الصفا نے جو نام بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں:

سام کے نو فرزندوں کے نام: ارشد (ارفخشد)۔ ارم۔ علیم (عالم)۔ اسود (اشوذ)۔ توسح (نوبح)۔ تور (الیفر)۔ کیمورث (تارح)۔ یلقن۔ لادو تھے

[1] طبقات ابن سعد، ص: ۶۷، ج: ۱

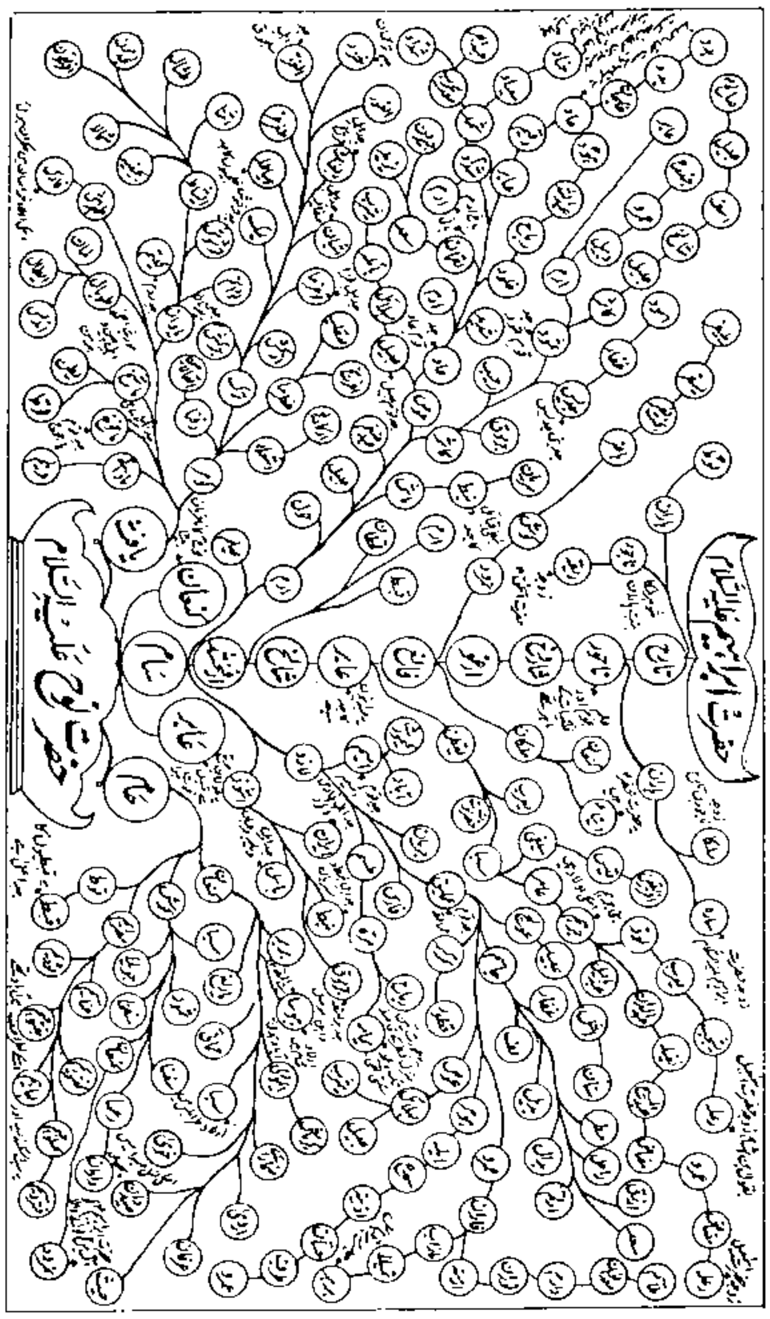

حام کے فرزندوں کے نام:۔ ہند۔ سند۔ زنج۔ نوبہ۔ کنعان۔ کوش۔ قبط۔ بربر اور حبش تھے
یافث کے فرزندوں کے نام:۔ چین۔ صقلاب۔ کماری۔ ترک۔ خلج۔ خزر۔ روس۔ساسان۔ مخر۔ بارج اور تنج تھے۔ (روضۃ الصفا۔ ج:١، ص:٢٤-٢٣)

ابن خلدون کے بیان کے مطابق ابوالبشر ثانی حضرت نوحؑ کے تینوں بیٹوں کی اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اولادِ یافث: یافث حضرت نوحؑ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اہلیان ترک، چین صقالبہ اور یاجوج و ماجوج سب یافث کی نسل سے ہیں۔ توریت اور ابن اسحاق کے مطابق انکے سات بیٹے تھے کومر جسے عامور بھی کہتے ہیں۔ کومر کے ترک پیدا ہوا جس کے چودہ بیٹے غوز۔ خزر۔ قفجاق۔ یمک۔ علان۔ شرکس (چرکس)۔ ازحش۔ طغرغز۔ خطا۔ الغز۔ توغرما۔ اشبان۔ رمغاث۔ ہیاطلہ تھے۔ اسرائیلیات کے مطابق توغرما ابن ترک اہل خزر کا اشبان صقالبیہ کا، ریفات فریخ کا جدِ اعلیٰ ہے۔ ترک کی تمام شاخیں کومر کی اولاد ہیں طغرغز تاتاریوں کا ' الغز سلجوقیوں کا، ہیاطلہ خلجیوں کا، ریفات فرنج کا، خزر ترکمان کا مورث اعلیٰ ہے۔ بعض علمائے انساب کا کہنا ہے کہ ترکمان اولادِ توغرما ہیں۔ یافث کے دوسرے بیٹے یادان جسے یونان بھی کہتے ہیں، کے چار بیٹے داؤد۔ الیشا۔ کیتم۔ ترشیش پیدا ہوئے علمائے نسب نے کیتم کو جدِ روم، ترشیش کو طرسوس کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ یافث کے تیسرے بیٹے ماغوغ کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ یاجوج اسی کی اولاد ہے۔ روم کے مشہور مورخ ہرشیوش نے نوطا اور بطین کو بھی ماغوغ کی اولاد میں شمار کیا ہے۔ یافث کے چوتھے بیٹے قطوبال ہیں۔ ان کی نسل مشرق و مغرب میں خوب پھیلی۔ مشرق میں اہل چین اور مغرب میں اہل الماں (جرمن) اسی کی نسل سے ہیں۔ یافث کے پانچویں بیٹے ماشخ اہل خراسان کے مورث اعلیٰ ہیں۔ یافث کے چھٹے بیٹے ماذلتے کے ایک بیٹا الیم تھا جسے عبرانی ماہان کہتے ہیں۔ یافث کے ساتویں بیٹے طیراش کے ایک بیٹا فارس پیدا ہوا۔ اس کی اولاد خراسان میں دولت و حکومت کی مالک تھی۔

اولادِ حام: حضرت نوحؑ کا سب سے چھوٹا بیٹا حام تھا۔ جو اہلیانِ سوڈان، ہند، سند، قبط، کنعان کا جدِ اعلیٰ ہے۔ توریت کے مطابق حام کے چار بیٹے مصر، کنعان، کوش اور قوط تھے۔ مصر ابنِ حام کے سات بیٹے تھے انمیں سے تین بیٹوں لہابیم، لفتوحیم اور لوڈیم کا کوئی حال معلوم نہیں۔ بقیہ چار کسلوحیم، فتروسیم، کفتوسح اور عناسیم یہ سب اسکندریہ اور اس کے اطراف میں آباد تھے۔ کنعان بن حام کے بارہ بیٹے صیدوان (اس کی نسل اطراف صیدا میں پھیلی) ایموری، کرساش (ان دونوں کی اولادیں شام میں آباد تھیں لیکن یوشع کے غلبہ کے بعد افریقہ کی طرف چلی گئیں)۔ یبوسا (اس کی نسل بیت المقدس میں پھیلی) مگر داؤد کے غلبہ کے بعد افریقہ اور مغرب کی طرف چلی گئیں)، مازیغ، حیث، عرفان، ارواڈی، خوبی (یہ لوگ نابلس میں آباد تھے) شبا (یہ طرابلس میں آباد ہوا) صنمار لئے (اس نے حمص کو آباد کیا) حما (اس نے انطاکیہ میں سکونت اختیار کی) ہشام بن محمد نے کنعان بن حام کے ایک بیٹا کوش بتایا ہے جسکی اولاد میں نمرود پیدا ہوا۔ کوش بن حام کے پانچ بیٹے سفنا، سبا، حویلا (اہل برقہ کا مورثِ اعلیٰ)، زعما، سفنحا بیان کرتے ہیں۔ قوط ابن حام کا ایک بیٹا قبط تھا جو قبطیوں کا جدِ اعلیٰ ہے۔

اولادِ سام: سام حضرت نوحؑ کے منجھلے بیٹے تھے انکے ارفخشد، لاوذ، ارم، اشوذ، اور غلیم تھے۔ لاوذ بن سام کے چار بیٹے طسم، عملیق، جرجان اور فارس ہوئے اور عملیق بن لاوذ سے جاسم ہوا جسکے کثیر اولادیں ہوئیں اور یہ سب فراعنۂ مصر کنعانین، برابرہ شام، بنی لف بنی ہزال، بنی مطر، بنی ارزق، بنی بدیل، بنی راحل، بنی ظفار وغیرہ کے مورث اعلیٰ تھے۔ ارم بن سام کے چھ بیٹے عبیل، عبد ضخم، عوص، کاثر، ماش اور حول تھے۔ عوث کا ایک بیٹا عاد تھا۔ جس کی اولاد حضرموت کے گرد و نواح میں آباد تھی۔ اولادِ کاثر میں ثمود، جدیس اور جرموق ہیں۔ آل ثمود کا مسکن شام و حجاز کے درمیان ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ عاد، ثمود، عبیل، طسم، جدیس، امیم، عملیق کو اللہ تعالیٰ نے عربی

زبان سکھلائی تھی، یہی لوگ عرب عاربہ کہلاتے ہیں انہی کو عرب بائدہ بھی کہا جاتا ہے یہ قومیں اب فنا ہو چکیں۔ اب ان کا کہیں وجود نہیں۔ ہشام بن محمد کا خیال ہے کہ نبطی اولادِ نبط بن ماش بن ارم سے اور سریانی سیریان بن نبط سے ہیں۔ اشوذ بن سام کے چار بیٹے ایران، نبط، جرموق اور باسل ہیں۔ ایران سے فارس، کرد اور خزر ہیں نبط سے نبط اور سریان ہیں۔ جرموق سے جرامقہ اور اہل موصل ہیں۔ باسل سے اہل دیلم اور اہل جبال ہیں۔ غلیم ابن سام کے دو بیٹے فارس اور لاوذ ہیں۔ لاوذ کے تین بیٹے طسم، امیم اور عملاق ہیں اور ارفخشد بن سام کی نسل میں انبیاء کرام و رسولِ عظام پیدا ہوئے انکی اولاد میں نبوت و سلطنت دونوں سلسلے نسلاً بعد نسلاً و قرناً بعد قرناً جاری رہی۔ ارفخشد کی پشت سے شالخ اور شالخ کی پشت سے عابر پیدا ہوئے۔ عابر کے دو بیٹے فالغ اور یقطن (یا قحطان) تھے یقطن کی نسل سے جرہم، حضو، سالف، سبا، حضرموت، بارلح، اوزال، وقلا، نوتال، رقیماتیل، ابوفیر، جوبلا، یوقات وغیرہ ہیں حضور اور سالف اہل سلقات کے مورث اعلیٰ ہیں اور سبا بن یقطن، یمن، حمیر و تبابعہ کے جد ہیں جبکہ ابوفیر ہند و سندھ کے جدِ اعلیٰ ہیں اور فالغ بن عابر کی پانچویں پشت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ پیدا ہوئے۔

سام بن نوحؑ: حضرت نوحؑ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا سام جانشین ہوا اور دجلہ کے مشرقی جانب آباد ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سام اپنے والد کی وفات کے بعد چھ سو برس زندہ رہے۔ انکی اولادیں شام، عرب، عراق خراسان وغیرہ میں پھیلی۔ اولادِ سام کی نقل مکانی کی بابت ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

> "بابل سے نکل کر اولادِ سام نے زمین مجدل میں قیام کیا کہ اف زمین یہی ہے یہ وہ زمین ہے کہ ایک طرف تو علاقہ سا تیدھا سے سمندر تک اور دوسری جانب یمن سے شام تک بیچوں بیچ واقع ہے۔ یہی قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبری و نبوت، کتاب و شریعت حسن و جمال، گندم گونی اور گورا رنگ عنایت فرمایا۔" (طبقات ابن سعد، ص: ٦٩۔ ج:١)

ان قبائل کی آباد کاری کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ قوم عاد جو عوص بن ارم بن سام کی اولاد تھی، مقام شحر میں آباد ہوئی۔ اور اسی مقام پر وادیٔ مغیث میں تباہ و برباد ہوئی قوم مہرہ اس کی جانشین ہوئی۔ عوص بن ارم بن سام کی نسل سے ایک اور قوم جسے عبیل کہتے تھے۔ اُس مقام پہ آباد ہوئی جہاں بعد کو یثرب کا شہر آباد ہوا۔ قوم عمالقہ جو عملیق بن لوذ بن سام کی اولاد تھی اس مقام پر آباد ہوئی جہاں بعد کو صنعا کا شہر آباد ہوا۔ ایک زمانہ کے بعد اس قوم کے کچھ لوگ یثرب چلے گئے اور انھوں نے قوم عبیل کو وہاں سے نکال دیا۔ اور خود انھوں نے جس مقام پر سکونت اختیار کی اُس کا نام اُس وقت مہیعہ تھا۔ بعد کو ایک سیلاب آیا جو ان کو بہالے گیا۔ اسی مناسبت سے اس مقام کا نام جحفہ پڑا کیونکہ جحف کے معنی لیجانے، بہالیجانے کے ہیں اور جحفہ اس پانی کو کہتے ہیں جو نکالنے کے بعد حوض میں بیچ رہتا ہے۔

قوم ثمود جو جاثر بن ارم بن سام کی اولاد تھے مقام حجر اور اسکے مضافات میں آباد ہوئی اور وہیں برباد بھی ہوگئی۔ قوم طسم جو لوذ بن سام کی نسل سے تھی اور قوم جدیس جو جاثر بن ارم بن سام کی اولاد تھی ان دونوں اقوام نے یمامہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ہلاک بھی ہوئیں۔ مقام یمامہ کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے کہ ان ہی اقوام میں ایک عورت تھی جسکا نام یمامہ بنتِ مرہ بن طسم بن لوذ یا لاوذ بن سام تھا، جس کی دوربینی کی بابت مشہور تھا کہ وہ تین دن کی مسافت کے طویل و عریض فاصلے سے اپنی آبادی میں آنے والے سوار کو دیکھ لیا کرتی تھی، اسی کے نام پر اس مقام کا نام بھی یمامہ پڑا۔

ارفخشد بن سام: توریت میں اس کا نام ارفکسد مرقوم ہے جبکہ بعض مورخین نے ارشد بھی لکھا ہے۔ یہ اپنے باپ سام کے قائم مقام ہوئے اور چار سو پینسٹھ برس زندہ رہے۔ ارفخشد کے معنی روشن چراغ کے ہیں۔ یہ بڑا عابد، پرہیزگار اور متقی تھا۔ توریت کے بیان کے . . . . مطابق اس کی ولادت طوفانِ

نوح کے دو برس بعد ہوئی۔ انکے چار فرزندان شالخ، ارم، قحطان اور قبط کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ معروف شخصیت تھے۔ ارفخشد نے اپنے بیٹے شالخ کو اپنا جانشین نامزد کیا

شالخ بن ارفخشد: توریت میں ان کا نام سلح مرقوم ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ شالخ اور ارفخشد کے درمیان ایک پشت اور گذری ہے جس کا نام قینن تھا۔ توریت میں اس کا ذکر اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ یہ ساحر تھا۔ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا۔ توریت کے بیان کے مطابق ارفخشد کی عمر جب پینتیس برس کی ہوئی تو شالخ پیدا ہوا اور شالخ کے تیس برس کی عمر میں عابر پیدا ہوا اور شالخ کے بعد عابر ان کا جانشین ہوا

عابرؔ بن شالخ: توریت میں ان کا نام عبر مرقوم ہے۔ بعض نسابین نے ان کو حضرت ہود علیہ السلام تصور کرتے ہوئے حضرت ہودؑ کے واقعات انکے ذیل میں تحریر کر دیئے ہیں۔ حالانکہ مورخین نے جو حضرت ہودؑ کا نسب نامہ بیان کیا ہے وہ ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود (یا جالب) بن عاد بن عوص بن سام بن نوحؑ ہے۔ جو عابر بن شالخ کے نسب نامے سے بالکل مختلف ہے۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق عابر بن شالخ نے کلدانیوں کو ساتھ لیکر نمرود سے مقابلہ کیا لیکن نمرود ان پر غالب آیا اور انھیں شہر "کوثا" سے نکال دیا۔ عابر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مجدل کی جانب جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے چلے آئے اور مجدل میں اپنی صولت و حکومت قائم کی۔ عابر عبرانیوں کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ توریت کے بیان کے مطابق چونتیس سال کی عمر میں، عابر کے فالغ پیدا ہوئے جو ان کے جانشین قرار پائے۔ ابن حزم کا کہنا ہے کہ فالغ اور عابر کے درمیان ایک نام ترک ہوگیا جو ملک صیدق تھا اور وہ عابر کا لڑکا اور فالغ کا باپ تھا۔

فالغ بن عابرؔ: توریت میں ان کا نام فلج بیان کیا گیا ہے۔ دینی فضیلت کے ساتھ ساتھ ان کو دنیاوی بادشاہت بھی ملی۔ انکی بابت کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اولادِ نوحؑ پر ملک کو تقسیم کیا۔ انہی کے زمانے میں نمرود نے بابل میں ایک بڑا محل بنوایا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ فالغ کے بعد اس کا لڑکا ملکان جانشین

ہوا۔ اسی کے زمانے میں نبطی اور جرامقہ اس خاندان پر غالب آئے اور انھوں نے مجدل میں عب و صولت کا سکہ چلایا۔ ملکان اس حالت میں ایک لڑکا "اتیا" جنھیں حضرت خضرؑ کہتے ہیں چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ فالغ کا دوسرا لڑکا ارغو اس واقعہ کے بعد "کلواذا" کی طرف چلا آیا اور نبط قبیلہ کی خاتون سے نکاح کر لیا۔ توریت کے بیان کے مطابق جب فالغ کی عمر تیس برس کی ہوئی تو اسکے ارغو پیدا ہوا اور وہی اس کا جانشین ٹھہرا۔

ارغو بن فالغ: انھوں نے اپنے باپ کی وفات کے بعد دینی و دنیاوی دونوں اقتدار سنبھالے۔ توریت میں انکا نام رعوع لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے زمانے کا فیاض ترین و سخی ترین انسان تھا۔ بقول ابن خلدون اُس نے دینِ نبط یعنی صابیہ مذہب اختیار کیا اور ایک نبطی عورت سے نکاح کیا جس سے شاروخ پیدا ہوا جو ان کا جانشین بنا۔ توریت کے مطابق شاروخ کی ولادت بھی ارغو کی تیس برس میں ہوئی۔

شاروخ بن ارغو: بعض مورخین نے ان کا نام سارغ بھی لکھا ہے جبکہ توریت میں ان کا نام سروج مرقوم ہے۔ ان کے بھی تیس برس کی عمر میں ناحور تولد ہوا۔ جو ان کے بعد جانشین قرار پایا۔

ناحور بن شاروخ: تاریخ میں ان کا نام نحور لکھا ہے۔ یہ علم نجوم و فلکیات کے ماہر تھے جب انکی عمر انتیس برس کی ہوئی تو ان کے لڑکے تارح پیدا ہوئے جو ان کے جانشین قرار قرار پاتے۔ ناحور کے دوسرے لڑکے کا نام ہاران تھا جسے بعض مورخین نے نود لکھا ہے اور توریت میں ثبویل مرقوم ہے۔ یہ جناب سارہ زوجہ حضرت ابراہیم کے والد بزرگوار تھے تارح اپنے باپ ناحور کے جانشین ہوتے۔

تارح بن ناحور: تارح کے زمانے میں نمرود بن کنعان بن کوش بن حام . . . بن نوحؑ حاکم وقت تھا۔ چونکہ تارح عابد و زاہد دیندار و دیانتدار شخص تھے لہذا نمرود نے ان کو خزانہ شاہی کا کلید بردار مقرر کیا۔ دربار میں انکا

بلند مرتبہ تھا اور خاص و عام میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ توریت کی - - - روایت کے مطابق ان کے تین فرزند تھے۔ ایک حضرت ابراہیمؑ جو تارح کے پچھتّر برس کی عمر میں پیدا ہوئے۔ دوسرے نحور (یا ناحور) جو رُبقہ زوجہ حضرت اسحٰقؑ کے والد تھے اور تیسرے حاران جو حضرت لوطؑ کے والد تھے اُن کی عمر دو سو پانچ برس ہوئی۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ[1] یعنی ہم نے اولادِ نوحؑ کو ہی باقی رہنے والوں میں رکھا۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ سام نبی تھے اور سام کے فرزند ارفخشد کے بارے میں ابن عبد الحکم نے تاریخ مصر میں حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ "وہ مومن تھے"۔ اور یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ ارفخشد کو اپنے دادا نوحؑ کا زمانہ ملا اور انھوں نے اس کے حق میں دعا کی کہ اللہ اس کی اولاد میں نبوت اور حکومت قرار دے۔ ابن سعد نے طبقات میں کلبی سے جو روایت تحریر کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارفخشد کے بیٹے شالخ سے لیکر تارح (پدرِ حضرت ابراہیمؑ) تک سب کے سب دینِ اسلام پہ تھے[2]۔

[1] سورہ الصافات، آیت ۷۷۔ [2] دین آبار النبی ؐ، ص ۱۳۱۔

خلیل اللہ
حضرت ابراہیم علیہ السّلام

حضرت نوح علیہ السّلام کی رسالت کے بعد انبیاء اولوالعزم کی ۔۔ س فہرست میں کاتبینِ قدرت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسمِ گرامی رقم کیا ہے ان دونوں اولوالعزم پیغمبروں کے درمیان دو ہزار دو سو چالیس سال کا عرصہ ہے حضرت ابراہیم کا مشہور ترین لقب خلیل اللہ ہے ویسے تو تمام انبیاء ہی دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے تشریف لائے تھے مگر سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اس دین کا نام اسلام رکھا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے: مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ ﴿۷۸﴾ ترجمہ: "تمہارے باپ ابراہیمؑ کے مذہب کو (تمہارا مذہب بنادیا ہے) اسی (خدا) نے تمہارا پہلے ہی سے مسلمان (فرماں بردار بندے) نام رکھا"[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو مسلمانوں کا مورثِ اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے۔

ولادت: حضرت ابراہیم کی ولادت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حاکمِ وقت نمرود بن کنعان بن کوش نے خواب میں دیکھا کہ اسکے شہر کے کنارے سے ایک ستارہ نمودار ہوا جس سے اس کی یعنی نمرود کی روشنی مدھم پڑگئی۔ اس نے کاہنوں اور منجموں سے اس خواب کی بابت دریافت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ شہر بابل میں اس سال ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو تباہ کردے گا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ابھی اُس لڑکے کا حمل قرار نہیں پایا ہے۔ یہ سُن کر نمرود بہت پریشان ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ اس سال جو لڑکا بھی پیدا ہو اسے مار ڈالا جائے۔

---

[1] سورۃ الحج، آیت ۷۸

نیز عورتوں کو مردوں سے جدا رکھا جائے۔ اس فعل کی نگرانی کیلئے ہر دس عورتوں پر ایک نگران مقرر کیا گیا لیکن خدا کی شان کہ اسی عرصے میں حضرت ابراہیمؑ کا حمل قرار پایا اور جب ولادت کا وقت آیا تو آپکی والدہ نمرود کے خوف سے شہر کی باہر چلی گئیں اور ایک غار میں قیام فرمایا جہاں حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی۔ آپکی والدہ آپکو غار ہی میں چھوڑ کر چلی آئیں۔ قدرت کی طرف سے آپکی پرورش کا اہتمام ہوا۔ آپ اپنا انگوٹھا چوستے تھے جس سے اللہ رب العزت نے دودھ جاری فرمایا۔ آپ کی نشوونما عام بچّوں کے مقابلہ میں نہایت تیزی سے ہوئی۔ دوسرے بچے جتنا ایک ماہ میں بڑھتے تھے اتنا آپ ایک دن میں پروان چڑھتے تھے۔ آپ کی والدہ چھُپ چھپا کر کبھی کبھار آپکو دیکھنے جاتی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد جب نمرود کا خوف زائل ہوا اور نجومیوں کا بتایا ہوا وقت بھی ٹل گیا تو آپکی والدہ محترمہ آپ کو گھر لے آئیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا مقامِ ولادت علاقۂ بابل میں قریہ کوش بتلایا جاتا ہے لیکن بعض کا کہنا ہے آپکی ولادت ایران کے شہر ہرمزگرد میں ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب ابراہیم کے والد تارح ایران کے شہر ہرمزگرد سے نقل مکانی کرکے بابل کے علاقہ میں آباد ہوگئے۔ حضرت ابراہیم کی ولادت کے وقت عرب کے علاقہ میں عوف بن فاران کی حکمرانی تھی۔

والدین: عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جناب ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر تھا جو بُت پرست و مشرک تھا لیکن درحقیقت ایسا نہیں بلکہ آپ کے والد کا نام تارخ یا تارح یا بروایت توریت تیرح تھا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ آذر ہی کا نام تارح تھا اور آذر ایک بُت کا نام تھا جس کے نام سے یہ ملقب ہوئے۔ اس کے برعکس مورخین کا ایک قول یہ ہے کہ آذر تارح کا بھائی اور حضرت ابراہیم کا چچا تھا اور بیت الاصنام (بت خانہ) کا ذمہ دار اور شاہی بُت تراش ہونے کے سبب نمرود کے دربار میں صاحبِ عزّت و اقتدار تھا عہدِ قدیم میں چچا کو باپ کہنا عام محاورہ تھا۔ عربی زبان میں اب بھی چچا کے لئے "ابیہ" یعنی باپ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بھی آذر کیلئے

ابیہ کا لفظ استعمال ہوا۔ اس کے علاوہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ اس لئے بھی نہیں ہوسکتا کہ جملہ انبیاء و اوصیا تمام عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ ترجمہ: "اور (صرف انہی کو نہیں بلکہ) انکے باپ داداؤں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے (بہتیروں کو) اور انھیں منتخب کیا اور انھیں سیدھی راہ کی ہدایت کی"[1] اس فرمانِ الٰہی کی موجودگی میں یہ تصور کہ کسی پیغمبر کا باپ کافر و مشرک ہوسکتا ہے سراسر ظلم ہے۔

ابن سعد نے محمد بن عمر الاسلمی کی سند سے کئی اہلِ علم کی یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کا نام ابیونا تھا اور وہ افرایم بن ارعو بن فالغ بن عابر کے سلسلۂ نسب سے تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپکی والدہ کا نام نونا یا لوتونا بنتِ کرھیناہ بن کوثی تھا جو ارفخشد بن سام کی نسل سے تھا۔[2]

طفولیت: حضرت ابراہیم علیہ السّلام بچپن ہی سے خاموش طبیعت خلوت پسند اور متفکر مزاج تھے آپکے چچا آذر اپنے زمانے کا بہترین بُت تراش تھا اس نے اپنے مکان کا ایک حصہ اپنے کام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا جہاں وہ پتھروں کی تراش خراش کرکے مصنوعی خداؤں کی مختلف شکلیں بنایا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے چچا کے اس فعل کو انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جب بھی موقع ملتا ان مورتیوں کی شکلیں بگاڑ دیتے تھے۔ پہلے تو آذر نے کوئی توجہ نہ دی لیکن بعد میں احتیاطی تدابیر اختیار کیں مگر اس پر بھی جناب ابراہیمؑ کبھی کسی بت کی آنکھ بگاڑ دیتے کبھی کسی کی ناک یا کان توڑ دیتے آذر کچھ تو اپنی محبت کچھ بھائی کی مروت اور کچھ بچے کی رعایت کے باعث خاموشی اختیار کرتا اور حضرت ابراہیمؑ کی ان کارگذاریوں کو طفلانہ حرکت تصور کرتا۔ جب حضرت

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۸۸ [2] طبقات ابن سعد ص: ۲۱ ج: ۱

ابراہیمؑ کے سن میں کچھ اضافہ ہوا تو آذر نے بت شکن سے بُت فروشی کی خدمت لینی چاہی وہ جناب ابراہیمؑ کو چھوٹے چھوٹے بتوں کے مجسمے دیتا اور کہتا کہ انھیں بازار میں بیچ آؤ۔ جناب ابراہیمؑ ان بُتوں کے پاؤں میں رسی باندھ کر انھیں گھسیٹتے ہوئے بازار لیجاتے اور آواز لگاتے مَن يَشْتَرِي شَيْئًا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ یعنی: کیا کوئی ایسی چیز کا خریدار ہے جو نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ۔۔۔۔۔۔۔ کبھی ان مجسموں کو گھسیٹتے ہوئے دریا کے کنارے لیجاتے اور زمین پر رکھ کر ان سے کہتے اشْرَبْ لَوْ كَانَ يَقْدِرُ یعنی اگر تم میں قدرت ہے تو پانی پی لو۔ قوم کے خداؤں کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کا یہ اہانت خیز رویہ عام شکایت کا باعث بنا لہٰذا آذر نے جناب ابراہیمؑ سے یہ خدمت لینی ترک کردی جس سے بیوپاریوں کی شکایت کا ازالہ تو ہوگیا مگر گھر کے اندر حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں آئے دن جو اُن بُتوں کی ذلت و خواری ہوتی تھی اسے کیونکر روکا جائے۔ اسکے لئے آذر نے گھر کی بھیڑیں چرانے کا کام سپرد کیا جسے حضرت ابراہیمؑ نے بخوشی قبول کیا۔

تفکر و تدبر: حضرت ابراہیمؑ کا یہ معمول ہوگیا کہ صبح سویرے بھیڑوں کو لیکر نکلتے اور میدان میں پہنچ کر گلّے کو پہاڑی کے دامن میں چرنے کو چھوڑ دیتے اور خود کسی چٹان پر یا غار میں بیٹھ کر معبودِ حقیقی کے وجود اور اسکی وحدانیت پر غور و فکر کرتے۔ دن بھر اسی عالم و کیفیت میں گذرتا، رات ہوتی تو گلّے کو لیکر گھر لوٹتے بستر پر لیٹتے تو دن بھر کی محویت اس کی کیفیت اور جذبات آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے خوابگاہ استراحت بھی اسی تلاش و سعی کی جولانگاہ بن جاتی تمام رات شاہدِ حقیقی کی جستجو میں کٹ جاتی۔ اسی محویت و استغراق کے عالم میں دن گذرتا، رات ہوتی اور رات گذرتی، صبح ہوجاتی مگر اللہ کے اس برگزیدہ بندے کو نہ دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ امتحان و آزمائش کی منازل طے

کرتا ہوا یہ حق کا متلاشی بالآخر اس منزل پر پہنچا کہ قدرت نے اس کامل المعارف بزرگ ابراہیمؑ کو اللہ نے اپنی چند نشانیوں میں آزمایا اور آپ نے اسکو پورا کیا تو اللہ نے ابراہیمؑ کو لوگوں کا پیشوا بننے کا اعلان فرما کر امامت کے عہدے پر فائز کیا۔[1]

تبلیغ رسالتؐ : حضرت ابراہیمؑ کو جس وقت اللہ رب العزت نے منصب رسالت پر فائز فرمایا۔ اس وقت آپ کا سن مبارک تیس اور چالیس سال کے درمیان تھا۔ اصول الٰہیہ کے مطابق منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے بھی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے شروع کیا۔ مورخین کے بیان کیمطابق اللہ کے رسول نے اپنی مجازی ماں کی ہدایت سے تبلیغ کی ابتدا فرمائی۔ جب آذر کو اس کا علم ہوا تو وہ بہت طیش میں آیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی رسالت کے آغاز ہی سے جس نے بدترین مخالفت کی وہ یہی آذر تھا۔ اللہ کے پیغمبر نے آذر کے حقارت آمیز کلمات اور ذلت آمیز رویہ کا نہایت صبر و استقلال سے مقابلہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعات قرآن کریم کے سورۂ مریمؑ، سورہ العنکبوت سورۃ الانبیا وغیرہ میں مرقوم ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ عقائد فاسدہ کی تکذیب و تردید اور اصول توحید کی ترویج و تاکید فرماتے اور عالم معاد میں جزا و سزا کی تفصیل بتاتے مسائل معرفت، معبودیت، وحدانیت، جبروتیت، قدرت الٰہیہ سزا و عقوبت، رحمت و رافت لامتناہیہ کے اسرار و رموز سے متعلق ایسے قوی اور مستحکم دلائل پیش کرتے کہ انکی قوم آپ کی عقل سلیم اور دلائل و براہین مستقیم کو سن

[1] سورۃ البقرۃ - آیت ۱۲۴

کر حیران و ششدر رہ جاتی مگر پتھر کے بتوں کی پرستش کرنیوالے پتھر دلوں کے پاس اس کے سوا جواب ہی کیا تھا۔ "وہ آپس میں کہنے لگے انکو مار ڈالو یا جلا ڈالو"[1]

بت شکنی : حضرت ابراہیمؑ کی دعوت و تبلیغ نے مشرکین کو اضطراب میں ڈال دیا جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دعوت ابراہیمؑ کا تذکرہ ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ اسی اثنا میں مشرکین کی سالانہ عید کا دن آیا۔ قدیم دستور کیمطابق قوم کا ہر فرد عید منانے کیلئے مخصوص مقام پر جمع ہوا۔ آذر نے حضرت ابراہیمؑ سے بھی چلنے کو کہا۔ آپ نے آسمان پر تاروں کی جانب نظر ڈالی اور اِنّی سَقِیْمٌ (یعنی میں کچھ ناساز ہوں) کہکر اسے ٹالنا چاہا لیکن آذر اور دوسرے لوگ — اصرار کر کے آپکو اپنے ہمراہ لے گئے۔ رات گئے جب قوم کا ہر چھوٹا بڑا عید کی رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ حضرت ابراہیمؑ وہاں سے خاموشی سے اٹھ کر چلے آتے اور سیدھے اس بڑے مندر میں پہنچے جہاں مشرکین کے بہت سے معبود نصب تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی تمام بتوں کو توڑ دیا اور اپنے گھر آ گئے دوسرے دن صبح جب لوگ پوجا کرنے مندر میں پہنچے تو اپنے معبودوں کی حالت دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور سب نے حضرت ابراہیمؑ ہی کو اس فعل کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ انھوں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ حرکت اس بڑے بت کی ہو گی۔ اگر یہ بول سکتا ہے تو اس سے دریافت کرو۔ آپ کا جواب سن کر وہ لوگ بہت جھلائے۔ اس واقعہ کی اطلاع نمرود کو دی گئی۔ اس نے آپکو طلب کیا اور بت شکنی کی بابت دریافت کیا۔ آپ نے نمرود کی خدائی کو رد کیا اور خدائے واحد کی حمد و ثنا کی۔ اس پر نمرود نے

[1] سورۃ العنکبوت، آیت ۲۴۔

حاضرین دربار سے آپ کی سزا تجویز کرنے کو کہا۔ سب نے مشورہ دیا کہ اگر تم کو کچھ کرنا ہی ہے تو ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ نمرود نے اس تجویز کو پسند کیا۔

آتش نمرود : مورخین نے حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کی بابت بہت کچھ لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو سات سال قید رکھنے کے بعد نمرود نے کثیر تعداد میں خشک لکڑیاں جمع کرا کے ان میں آگ روشن کرائی اور پیغمبر خدا کو منجنیق کے ذریعہ دہکتی آگ میں ڈلوا دیا اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے : حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل یعنی اللہ کافی ہے اور وہی بہترین بھروسے کے قابل ہے۔ اس محافظ حقیقی نے اپنے کرم اور فضل سے حضرت ابراہیمؑ کو بچا لیا اور آتش کدۂ نمرودی کو گلزار ابراہیمی بنا دیا۔ جسکی بابت قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ ترجمہ: "یعنی ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی (کا موجب) بنجا (ان کو کسی طرح کی ایذا نہ پہنچے چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور جن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی تو ہم نے ان ہی کو ناکام کیا"۔[1]

ایسے مشکل ترین وقت میں حضرت ابراہیمؑ کا قادر مطلق کی معرفت اور اسکی شرط محبت و اخلاص پر ثابت قدم رہنے کے باعث پروردگار عالم نے آپ کو مراتب اعلیٰ پر فائز کر کے اعلان فرمایا وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا یعنی ہم نے ابراہیم کو اپنا سچا دوست بنایا۔ اسطرح حضرت ابراہیم کو دربار ایزدی سے رسالت کے منصب کے ساتھ ساتھ سچا دوست ہونے کا گراں مایہ خطاب عنایت ہوا۔

[1] یہ واقعہ قرآن کریم کے سورۂ انبیا میں تفصیلاً مرقوم ہے۔

عقد : حضرت ابراہیمؑ اب پہلے سے زیادہ عقائد فاسدہ کی تکذیب اور اصول توحید کی ترویج فرمانے لگے۔ آپ کی تبلیغ کے نتیجہ میں حضرت لوطؑ ایمان لائے جس کا ذکر قرآن کریم کے سورۂ عنکبوت میں بیان کیا گیا ہے بعض مورخین نے جناب سارہ کے ایمان لانے کو اولیت دی ہے۔ فی الحال سابق الایمانی پر بحث طوالت کا باعث ہے کیونکہ اس باب میں حالات و واقعات کو مختصراً بیان کرنا ہمارا مقصود ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب آتش نمرود سے بچکر صحیح سلامت گھر پہنچے تو آپ کی عظمت و صداقت کا اثر آپکی چچازاد بہن جناب سارہ بنت حاران بن ناحور پر ہوا۔ جس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئیں اور کہا کہ "اے ابن عم میں اسی وقت سے تیرے خدا پر ایمان لائی جس نے ایسی آتش سوزندہ کے نقصان و ہلاکت سے تم کو بال بال بچا لیا"۔ حضرت ابراہیمؑ نے مزید امتحان کی خاطر جواب دیا "سارہ تم ایسا کہتے ہوئے گھر والوں سے ڈرتی نہیں اگر کسی نے سن لیا تو تمھیں مار ڈالیں گے"۔ سارہ نے جواب دیا کہ "جس خدا نے تمھیں بچایا وہ میری جان بھی بچائے گا"۔ جناب سارہ کی یہی حسن عقیدت حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ انکی دائمی رفاقت کا سبب بنی اور حضرت ابراہیمؑ نے ان سے عقد کیا۔ توریت کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد مقام حران میں آپ نے سارہ سے عقد کیا۔

ہجرت : حضرت لوطؑ اور جناب سارہ کے ایمان لانے سے حضرت ابراہیمؑ کو تقویت تو ملی مگر مشرکین کی عداوت پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی حالانکہ تبلیغ رسالت کے ابتدائی اصول کے مطابق حضرت لوطؑ اور جناب سارہ کے ایمان کو مخفی رکھا گیا۔ مشرکین نے ہر ممکن تدبیر کی کہ کسی طرح حضرت ابراہیمؑ حق کی تبلیغ سے باز آ جائیں لیکن

جب وہ ہر طرح ناکام ہوئے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ شمع رسالتؑ کو گُل کر دیں۔ حضرت لوطؑ مشرکین کی تمام مخالفانہ وظالمانہ کارروائیوں کی خبریں حضرت ابراہیمؑ تک پہنچاتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو پتہ چلا کہ مشرکین آپکی جان کے درپے ہیں تو آپ نے معبودِ حقیقی کی طرف رجوع کیا اور حکمِ الٰہی کے مطابق ہجرت پر آمادہ ہوئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: (ترجمہ):

"میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں وہ سب سے زبردست اور حکمت والا ہے"[1] حضرت لوط و جناب سارہ آپکے ہمسفر ہوئے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ آپ اپنے باپ تارح اور ناحور بن تارح اور انکی بیوی ملکا بنت ہاران (تارح کے بھائی) اور لوط بن ہاران اور سارہ زوجہ ابراہیمؑ کے ساتھ کلدانیوں کی سرزمین سے ہجرت کرکے حران چلے آئے"[2]۔ پہلے تو یہ حضرت ہجرت کرکے حران پہنچے یہ شہر طوفانِ نوحؑ کے بعد آباد ہونے والا سب سے پہلا شہر ہے۔ بعد میں یونانی تہذیبیں حران کو قدیم ترین شہر شمار کرتی ہیں۔ بہر حال خلیل اللہ نے کچھ عرصہ وہاں تبلیغ رسالت کے فرائض انجام دیئے لیکن جب حالات کو ناساز گار پایا تو نقل مکانی کرکے مقام کنعان میں سکونت اختیار کی[3] مگر وہاں ایک سال زبردست قحط پڑا جسکے باعث آپکو وہاں سے بھی ہجرت کرنا پڑی اور آپنے مصر کی جانب کوچ کیا۔ حران کے زمانہ قیام میں آپکے والد تارح کا دو سو پچاس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

فرعونِ مصر جب آپ مصر پہنچے تو جناب سارہ کی خوبصورتی کے باعث لوگوں نے آپکی آمد کے ساتھ ساتھ آپ کی خوشجمالی کی خبر فرعون کو دی فرعون نے حضرت ابراہیمؑ و جناب سارہ دونوں کو دربار میں طلب کیا۔ جب دربار میں پہنچے تو

[1] سورۃ العنکبوت، آیت ۲۶ [2] تاریخ ابن خلدون جلد ا، ص: ۸۰۔ [3] ابن خلدون کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے کنعان میں اُس مقام پر قیام کیا جہاں اب بیت المقدس ہے۔

اُس نے جناب سارہ کو لوگوں کے بیان سے بھی زیادہ حسین وجمیل پایا۔ فرعون نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا کہ "یہ عورت تمھاری کون ہے؟" حضرت ابراہیمؑ نے اپنی جان اور سارہ کی آبرو بچانے کی خاطر یہ کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہ واقعہ جملہ کتب تواریخ میں تفصیلاً درج ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ انبیاء اولوالعزم کی سنّت ہے۔ توریت میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

" جب (ابراہیمؑ) مصر کے نزدیک پہنچا تو اس نے اپنی جورو (سارہ) سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں بڑی خوبصورت عورت ہے اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اس کی جورو ہے سو مجھ کو مار ڈالیں گے اور تجھے جیتا رکھیں گے۔ تو کہیو کہ میں اس کی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے۔"

(تکوین باب ۱۲، آیت: ۱۰-۱۳)

حضرت ابراہیمؑ نے موقع کی نزاکت اور وقت کی مصلحت کے پیش نظر زوجیت کی موجودہ حیثیت کو پوشیدہ رکھا اور سابقہ قرابت کو بیان فرمایا۔ فرعون نے حضرت سارہ پر دست درازی کی لیکن اللہ رب العزت نے جناب سارہ کی مدد فرمائی اور قدرت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ فرعون کے وہ ہاتھ شل ہوگئے جو ناموس پیغمبر کی جانب بڑھے تھے اور اُس وقت تک شل رہے جب تک جناب سارہ نے دعا نہ کی۔ فرعون اپنے ناہنجار کردار پر بے حد نادم و پشیمان ہوا اور انکی عظمت و تقدس کا قائل ہوگیا اپنے گناہ کی تلافی کے طور پر اس نے بہت سے مال و متاع کے علاوہ اپنی لڑکی

جناب ھاجرہ کو بھی جناب سارہ کے ہمراہ کر دیا۔ طبری کا بیان ہے کہ جس فرعون نے سارہ کا ارادہ کیا وہ سنان بن علوان برادر ضحاک تھا اور اس کا تعلق ملوک قبط سے تھا۔ حضرت ابراہیمؑ جناب سارہ اور جناب ھاجرہ کو لیکر واپس کنعان کے علاقہ میں آباد ہوئے اور تبلیغ رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ رفاہ عام اور عطاء و ایثار کے نیک کاموں میں اپنی دولت صرف کرنے لگے۔ مہمان نوازی اس درجہ بڑھی کہ آپ خلیل الرحمان زبان زد خاص و عام ہوا۔ گرد و نواح کے لوگ آپکے ارشادات و ہدایات سے مستفیض ہو کر خدائے واحد کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کے قائل ہو کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہونے لگے۔ حران کے لوگوں کی تعلیم و ہدایت کیلئے آپ نے حضرت لوطؑ کو وہاں بھیجا۔

ولادتِ اسمٰعیلؑ: حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے ستر سال گذر چکے تھے مگر نعمتِ اولاد سے محروم تھے۔ ہر طرح کی آسودگی اور فارغ البالی کے باوجود آپ اس نعمت سے محروم رہنے پر متفکر رہتے تھے۔ مصر سے واپسی کے دس سال بعد ایک دن جناب سارہ نے انتہائی مایوسی و ناامیدی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ھاجرہ کو اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایزد متعال کا انتظار فرمائیں شاید یہ ھاجرہ ہی کو آپ کے لئے حصول اولاد کا ذریعہ قرار دے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جناب سارہ کی بات مان لی اور ھاجرہ سے عقد کر لیا۔ مشیّت الٰہی کو اسباب ہی کا انتظار رہی تھی۔ جب اسباب مہیا ہوئے تو خالق کونین نے اپنے خلیل کیلئے نعمت اولاد کی پہلی خوشی کا ذریعہ ھاجرہ ہی کو قرار دیا۔ اور جناب ھاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ توریت میں مذکور ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس تھی[1]۔

[1] توریت باب پیدائش۔ صفحہ ۱۱

مادرِ اسمٰعیلؑ: حاجرہ مادرِ اسمٰعیلؑ کا اصل نام آجرہ تھا بعد میں ہاجرہ ہو گیا۔ ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ "ہاغار" ہے جس کے معنی بیگانے اور اجنبی کے ہیں۔ جناب ہاجرہ کی بابت ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ قبطیہ تھیں اور قسطاطِ مصر (قاہرہ) کے متصل مقام فرما (قریباً ...) کے آگے ایک گاؤں تھا وہیں کی وہ رہنے والی تھیں۔ دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت ہاجرہ اسی فرعون کی بیٹی تھیں جس نے سارہ کو طلب کیا تھا اور جس کا نام رقیون تھا۔ اسکی بابت مؤرخین نے لکھا ہے کہ رقیون شہر بابل کا رہنے والا تھا جو افلاس و تنگدستی کی وجہ سے بابل چھوڑ کر مصر چلا گیا تھا، و... ۔۔۔ سے ارکین سلطنت میں داخل ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ مصر کا بادشاہ بن گیا۔ سب سے پہلے جس کا لقب فرعون ہوا وہ یہی شخص تھا۔ اسی کے عہدِ حکومت میں حضرت ابراہیمؑ قحط کے باعث کنعان (فلسطین) سے مصر چلے آئے۔ مفسرین توریت نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ جناب ہاجرہ بادشاہِ مصر کی دختر تھیں۔ چنانچہ ایک مفسر ربی شلومو اسحٰق نامی نے توریت (کتاب مقدس) کے سولہویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ (ہاجرہ) فرعون کی بیٹی تھی جب اس نے ان کرامات کو جو بوجہ سارہ واقع ہوئیں تب کہا بہتر ہے کہ میری بیٹی سے خادمہ بن کر ان کے گھر میں رہے بہ نسبت دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر[1]۔

عام طور پر لوگ جناب ہاجرہ کو جناب سارہ کی لونڈی سمجھتے ہیں حالانکہ مؤرخین و مفسرین کے متعدد بیانات کی روشنی میں یہ صحیح معلومات ہوتی ہے اور ... ۔

[1] عربی ترجمہ سفر التثنیا بحوالہ اسوۃ الرسولؐ۔ ج ا، صفحہ ۹۹۔

کہ جناب ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ اسکے علاوہ اس زمانہ کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں لونڈی و غلام دو طرح پر ہوتے تھے۔ ایک تو خرید کرنے پر جسے عبرانی زبان میں "سقنف کسف" کہتے تھے۔ دوسرے غنیمتِ جنگ سے ہے اور وہ "شبوث حرب" کہلاتے تھے۔ تیسری صورت جو در حقیقت ان دونوں قسموں ہی کا جز تھی یہ کہ لونڈی ماں کی اولاد لونڈی غلام کہلاتی، جس کو "یلید بایث" کا نام دیا جاتا تھا اور جس کو اردو میں خانہ زاد کہتے ہیں۔ لیکن جناب ہاجرہ ان تمام باتوں سے پاک تھیں اور ان پر مندرجہ بالا اقسام میں سے کسی بھی قسم کا اطلاق ثابت نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں انکو لونڈی کہنا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔

اب رہا سوال یہ کہ سارہ نے ان کو لونڈی کیوں کہا؟ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب دو عورتیں خصوصاً دو سوکنوں میں تکرار ہوتی ہے۔ تو جسکی زبان زیادہ چلتی ہے وہ دوسری کو حقارت سے کیا کچھ نہیں کہتی لیکن اسکے کہنے سے حقیقتاً وہ وہی نہیں ہو جاتی جو دوسری کہتی ہے اور اگر درحقیقت ہاجرہ لونڈی ہوتیں اور اسمٰعیل لونڈی زاد ہوتے تو جناب سارہ ان دونوں کے نکال دینے یعنی طلاق دینے کی درخواست نہ کرتیں کیونکہ انکی شریعت میں لونڈی اور لونڈی زاد کو بیوی اور بیوی کے بیٹے ہوتے ہوئے میراث یہ نہیں ملتی تھی۔ پس اگرچہ ہاجرہ لونڈی ہوتیں اور اسمٰعیل لونڈی زاد ہوتے تو اسحٰق کی ولادت کے بعد جناب سارہ جناب ہاجرہ سے اس قدر برہم نہ ہوتیں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جناب سارہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ املاکِ ابراہیم کے مالک اسحاق کے ساتھ اسمٰعیل بھی ہونگے اور اسی وجہ سے ان کے نکال دینے کی درخواست کی تھی پھر جب ابراہیم کو اس سے کچھ پس و پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ سارہ نے ہاجرہ کو لونڈی کہا تھا حکایتاً فرمایا اور تسلی دی کہ "اس لونڈی اور بچے کی طرف سے رنج مت کر تو ان کو نکال دے میں اس لونڈی بچے سے ایک قوم پیدا کروں گا۔" [1]

[1] توریت ۔ تکوین باب ۲۱ آیت ۱۳-۱۲، اسوۃ الرسول صفحہ ۵۵ ج ۔ ۱

ترکِ وطن: حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے بعد جناب سارہ پر فطرتِ نسوانی غالب آئی اور حسد دامن گیر ہوا تو انھوں نے جناب ہاجرہ کی مخالفت شروع کردی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ جناب ہاجرہ اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل کی صورت بھی دیکھنے کی روادار نہ رہیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کیا کہ وہ ان دونوں ماں بیٹے کو کہیں دُور چھوڑ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جناب سارہ کے مسلسل اصرار سے سخت تردد ہوا لیکن جب اللہ جلّ شانہٗ نے تسلی دی اور ارشاد فرمایا کہ "سارہ کی اس بارے میں اطاعت کرو" تو حضرت ابراہیمؑ تاکیدِ الٰہی اور تائیدِ خداوندی کے مطابق جناب ہاجرہ و اسمٰعیل کو حجاز کے بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ آئے۔

یہاں یہ امر تحقیق طلب ہے کہ اس واقعہ کے وقت جناب اسمٰعیل کی کیا عمر تھی۔ اس بارے میں مورخین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی نے آپکی عمر دو برس بتائی تو کسی نے پندرہ برس اور کسی نے سترہ برس تحریر کی ہے چونکہ اس واقعہ کو تقریباً سب ہی نے توریت سے لیا ہے اور توریت کے متضاد بیانات کی وجہ سے یہ اختلاف رونما ہوا۔ توریت میں ایک جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہاجرہ و اسمٰعیل کو سارہ نے علیحدہ کرنے کا اس وقت حکم دیا جب اسحٰق کا دودھ چھٹ چکا تھا۔[1] پھر اسی توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسمٰعیل سے بارہ تیرہ برس بعد اسحٰق پیدا ہوئے۔[2] پھر اسی توریت میں مرقوم ہے کہ اسمٰعیل کا ختنہ تیرہ برس کی عمر میں کیا گیا ہے اس وقت تک اسحٰق پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔[3] توریت کے ان تمام مرقومات کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ترکِ وطن کے وقت حضرت اسمٰعیلؑ کا سن کم سے کم پندرہ برس اور زیادہ سے زیادہ سترہ برس کا تھا کیونکہ اول تو حضرت اسحٰقؑ

[1] توریت تکوین باب ۲۱ آیت : ۷-۱۰، [2] تکوین پیدائش اسحٰقؑ۔ [3] تکوین باب سترہ آیت ۲۵،

کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ سے تیرہ برس کے بعد ہوئی دوئم یہ کہ ترکِ وطن کا واقعہ جناب اسحٰقؑ کے ایام رضاعت کے بعد بتلایا جاتا ہے جو کم سے کم دو برس کا ہوسکتا ہے۔ اس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر کم سے کم پندرہ سال سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن توریت کے ایک بیان کے مطابق یہودی اور عیسائی مورخین جناب اسمٰعیلؑ کی صغرسنی اور نہایت صغرسنی یعنی شیرخوارگی ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں حالانکہ اس سے نبی اللہ کی عظمت و تقدس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ضمن میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

> "ابوجہم بن حذیفہ بن غانم سے روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل کر کے حکم دیا کہ بلد اللہ الحرام (مکہ مبارک) چلے جائیں۔ امتثال امر میں ابراہیمؑ براق پر سوار ہوئے اسمٰعیل کو کہ دو برس کے تھے اپنے آگے بٹھالیا اور حضرت ہاجرہ کو پیچھے، ساتھ میں جبرئیلؑ تھے جو بیت اللہ کا راستہ بتاتے چل رہے تھے اسی کیفیت سے مکہ پہنچے تو وہاں اسمٰعیلؑ اور اُن کی ماں کو بیت اللہ کے ایک گوشے میں اتارا اور خود شام واپس چلے گئے۔"

(طبقات ابن سعدؒ، ص ۴۹، ج:۱)

جب حضرت ابراہیمؑ ان دونوں ماں بیٹے کو اس غیر آباد اور بے آب و گیاہ صحرا میں صرف ایک تھیلی خرما اور ایک مشک پانی کے سہارے چھوڑ کر آنے لگے تو جناب ہاجرہ نے گھبرا کر جناب ابراہیمؑ سے کہا کہ "کس نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم ہمکو ایسی زمین پر چھوڑ جاؤ جہاں نہ کوئی درخت ہے اور نہ پانی ہے"۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا "میرے خدا نے یہ حکم دیا ہے"۔ یہ سُن کر جناب ہاجرہ نے کہا "وہ بیشک ہم کو ضائع نہ کرے گا" اور خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔

دعائے خلیلؑ: جب حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ جناب ہاجرہ کو اور فرزند اسمٰعیل کو حکمِ خداوندی کے مطابق سرزمین حجاز کے لق و دق صحرا میں تنہا چھوڑ کر واپس آنے لگے تو تقاضائے بشریت اور الفت پدری سے مضطرب ہو گئے۔ اسی کیفیتِ اضطراب میں دونوں ہاتھوں کو بلند کرکے یہ دعا کی۔

> **ترجمہ:** اے رب میں نے اپنی ایک اولاد بسائی ہے ایسے میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہے تیرے محترم گھر کے پاس اے رب ہمارے تاکہ قائم رکھیں نماز کو پس لوگوں کے دلوں کو انکی طرف مائل رکھ اور ان کو روزی دے میووں سے شاید کہ وہ شکر کریں۔" (ترجمہ سورۃ ابراہیمؑ، آیت ۳۷)

اللہ رب العزت نے اپنے خلیل کی دعا قبول فرمائی اور حجاز کے بے آب و گیاہ صحرائے ویراں کو اپنی بندگی و عبادت کا مرکز قرار دیا اور اس ویران و بے آب علاقہ کو آبِ زمزم جاری فرما کر آباد و شاداب علاقہ بنادیا۔

چشمۂ زمزم: حضرت ابراہیمؑ کے چلے جانے کے بعد جب خرما اور پانی ختم ہو گیا بھوک اور پیاس نے پریشان کیا تو جناب اسمٰعیل بیتاب ہو کر تڑپنے لگے ماں سے بیٹے کا تڑپنا دیکھا نہ گیا۔ بچے کو ایک محفوظ جگہ میں لٹایا اور خود پانی کی تلاش میں چلیں کوہ صفا کی طرف گئیں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن دور تک کوئی فریاد رس نظر نہ آیا۔ واپس آئیں بچے کو سنبھالا پھر گئیں اور اس طرح انھوں نے سات مرتبہ سعی کی۔ حج کے موقع پر آج بھی حاجی ان کی یاد میں سعی کرتے ہیں۔ ادھر جناب اسمٰعیل بے تابی کے عالم میں ایڑیاں رگڑ رہے تھے جس سے زمین میں گڑھا پڑ گیا اور اس گڑھے میں حکم خداوندی سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ جناب ہاجرہ نے جب چشمے کو دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پہلے بچے کو سیراب کیا پھر خود پانی پیا اس کے بعد پانی کو جمع کرنے کی غرض سے چشمے کے اطراف میں مٹی کی باڑھ لگا دی یہی وہ چشمہ ہے جسے زمزم کہا جاتا ہے۔

ایک لق و دق صحرا میں پانی کی کیا اہمیت ہوتی ہے اس کا کچھ اندازہ صحرا نوردوں کو ہی بہتر طور پر ہوتا ہے۔ بہر حال پانی کی تری کے سبب اس مقام پر پرند منڈلانے لگے کچھ فاصلہ سے قبیلہ بنی جرہم کے کچھ لوگوں کا گذر ہوا۔ انھوں نے پرندوں کو اڑتا دیکھ کر اندازہ لگایا کہ قریب میں کہیں پانی موجود ہے۔ کھوج لگانے پر جب اندازہ صحیح ثابت ہوا تو یہ لوگ یہاں پہنچے اور جناب ہاجرہ سے وہاں آباد ہونے کی اجازت چاہی انھوں نے بلا عذر اجازت دیدی۔

تعمیرِ کعبہ: حضرت ابراہیمؑ جناب ہاجرہ و اسمٰعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر مصر چلے گئے اور سرزمین سبع جو بیت المقدس اور فلسطین کے درمیان واقع تھی، قیام کیا۔ وہاں مسجد تعمیر کی جب اہلِ شہر نے آپکو اذیتیں دیں تو آپ نے یہاں سے بھی کوچ کیا اور ایلا و رملہ کے مابین ایک مقام پر آباد ہوگئے۔ اُن کے مال و متاعِ خداداد خیشم میں انکو وسعت و فراغی حاصل ہوئی۔ یہاں سے آپ اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ کے پاس گئے جہاں تعمیرِ کعبہ اور قربانی کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ توریت میں منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیل کا ختنہ کیا حضرت اسمٰعیل کی عمر تیرہ برس اور حضرت ابراہیم کی عمر ننانوے ۹۹ سال تھی[1]۔ اور جیسا کہ ابوجہم کی روایت سے ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ چھوڑنے کیلئے لائے اُس وقت حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر صرف دو برس کی تھی اس حساب سے حضرت ابراہیمؑ پہلی مرتبہ گیارہ سال کے بعد مکہ تشریف لائے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ خانۂ کعبہ کے مؤسس یعنی بانیٔ اوّل حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں لیکن قرآن حکیم میں ایسی آیات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مقام بیت اللہ حضرت ابراہیمؑ سے قبل موجود تھا۔ ان میں واضح ترین آیت یہ ہے کہ: ترجمہ

[1] توریت، پیدائش، باب ۱۷

"(وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ خانۂ کعبہ کی دیواریں بلند کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے) پروردگارا ہماری یہ خدمت قبول کرلے۔ بے شک تو سننے اور علم رکھنے والا ہے۔" (سورۃ بقرہ، آیت ۱۲۷)

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ عمادالدین ابن کثیر تحریر کرتے ہیں:

"جس سیاق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے۔ وہ اس طرف صاف دلالت کرتا ہے کہ بیت اللہ کی بنیادیں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کی بنی ہوئی موجود تھیں اور حضرت ابراہیمؑ کو محض انکی طرف رہنمائی کی گئی۔"

(تفسیر ابن کثیر، صفحہ ۱۷۹ ج ۱)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ سے قبل خانۂ کعبہ موجود تھا تو اسکی ابتدائی تعمیر کس نے کی۔ اس ضمن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے مختلف اقوال کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے قبل شروع میں کعبہ کو فرشتوں نے بنایا۔ یہ قول امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوجعفر محمد الباقر ابن علی ابن الحسین علیہم السلام سے نقل کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ابتدا میں خانۂ کعبہ کو حضرت آدمؑ نے بنایا اور اس میں پانچ پہاڑوں یعنی حرا، طور سینا، طور زیتا، جبل لبنان اور جبل جودی کے پتھر استعمال کئے۔ اس قول کو عبدالرزاق نے بواسطہ ابن جریج اور اس نے عطا و سعد ابن المسیب کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کے معمارِ اول حضرت آدمؑ کے فرزند حضرت شیث علیہ السّلام تھے۔ یہ قول ابن عباس، کعب الاحبار، قتادہ اور وہب بن منبہ سے روایت ہے۔

مذکورہ بالا اقوال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیمؑ سے قبل تعمیر ہو چکا تھا مگر امتدادِ زمانہ کے باعث اس کے آثار تک معدوم ہو چکے تھے اس کا کسی کو پتہ نشان تھا۔ صرف اتنا معلوم تھا کہ بیت اللہ مکہ کی سرزمین پر تھا۔ اس سلسلہ میں علامہ حلبی تحریر کرتے ہیں:

ترجمہ: "جب طوفانِ نوح آیا تو خانۂ کعبہ منہدم ہوگیا اور جس جگہ پر وہ بنا ہوا تھا بنیاد باقی رہ گئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اسی شکستہ حالت میں رہا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے تک کسی نے اس کی از سر نو تعمیر نہیں کی۔"

(سیرۃ الحلبیہ ج ۱)

اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیمؑ پر وہ مقام ظاہر کیا جہاں حضرت آدم علیہ السّلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ:

ترجمہ: "(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے (انکے ذریعے سے) ابراہیمؑ کے واسطے خانۂ کعبہ کی جگہ ظاہر کردی (اور ان سے کہا کہ) میرا کسی چیز کو شریک بنانا اور میرے گھر کو طواف اور قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے صاف ستھرا رکھنا۔ (سورۃ: حج آیت: ۲۶)

مفسرین نے اس آیت کے تحت تین اقوال نقل کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اوّل یہ کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو محلِ خانۂ کعبہ کے معلوم کرنے میں پریشانی ہوئی تو اللہ رب العزت نے انکی طرف وحی کی کہ سکینہ کے پیچھے پیچھے چلو، جہاں یہ رکے وہاں کعبہ بناؤ۔ یہ سکینہ ایک تیز ہوا تھی جسکے انسان جیسا منہ اور دو پر تھے اور اس میں قوتِ گویائی بھی تھی۔ اس نے خانۂ کعبہ کے مقام کو اپنے پروں سے جھاڑ دیا اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ یہ صاف شدہ مقام محلِ کعبہ ہے۔ یہاں بیت اللہ تعمیر کرو۔

دوئم یہ کہ ایک ابر پارہ جسکے سر تھا حضرت ابراہیمؑ کی رہنمائی کیلئے متعین کیا گیا اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ جس جگہ میں ٹھہر جاؤں وہاں میرے سائے کے مطابق نشان لگا لینا وہی موضع خانۂ کعبہ کا ہوگا۔

سوئم یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے اس جگہ کو صاف کیا جہاں خانۂ کعبہ تعمیر ہونا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کو پرانی بنیادیں دکھلا دیں جن پر اب کعبہ بنایا جانا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیلؑ نے انہی بنیادوں پر خانۂ کعبہ تعمیر کیا

کتبِ تواریخ میں اور احادیث میں مرقوم ہے کہ جب بیت اللہ تعمیر ہو چکا تو جبرئیلؑ نے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کو مناسک حج تعلیم کئے۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے حج ادا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تولیتِ کعبہ اور ریاستِ مکہ اپنے فرزند جناب اسمٰعیل کے سپرد کئے اور خود شام چلے گئے جہاں سے وہ ہر سال حج کی غرض سے مکہ آتے رہے۔

ذبحِ عظیم: جب خانۂ کعبہ تعمیر ہو چکا اور حضرت ابراہیمؑ نے حجرِ اسود کو مقامِ رکن پر رکھ دیا تو اللہ کے رسولؑ نے مکہ کی پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز میں کہا:

(ترجمہ) "اے لوگو بے شک اللہ نے تمہارے لئے گھر بنا دیا ہے اور تم کو اس کے حج زیارت کو بلایا ہے پس تم لوگ آجاؤ۔" اسکے کچھ عرصہ بعد ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ حکم خداوندی ہے چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ سے کہا کہ: "اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔" سعادت مند بیٹے نے جواب دیا: "ابا جان آپکو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔" دونوں باپ بیٹے منیٰ میں اس مقام پر پہنچے جہاں اب بھی قربانی کی جاتی ہے۔ بوڑھے باپ نے جوان بیٹے کے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھے اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی۔ بیٹے کو

زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری رکھ دی۔ اسی وقت بحکم خدا جبرئیل نے چھری کو پلٹ دیا اور اسمٰعیل کی جگہ دُنبہ کو چھری کی زد میں کر دیا۔ دُنبہ ذبح ہوا اور اسمٰعیل بچ گئے اس موقع پر اللہ رب العزت نے اُن کو آواز دی: "اے ابراہیمؑ بیشک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا اور ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے اور ہم نے بڑی عظیم قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا۔"[2]

وفاتِ ابراہیمؑ:

تعمیر کعبہ کچھ عرصہ بعد ایک سو ستائیس برس کی عمر میں جنابِ سارہ کا انتقال علاقہ کنعان کے قریہ جبرون بلاد بنی حبیب میں ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عفرون بن صخر سے ایک قطعہ زمین باوجودیکہ وہ بلاقیمت دینے پر راضی تھا، چار سو مثقال چاندی دیکر خرید فرمایا اور اس میں جناب سارہ کو دفن کیا اور جب حضرت ابراہیمؑ نے ۱۷۵ (ایک سو پچھتر برس) یا بروایت دیگر دو سو برس کی عمر میں وفات پائی، تو آپ کو بھی اسی قطعۂ زمین میں جناب سارہ کے نزدیک دفن کیا گیا۔ اب اس جگہ کو مقامِ خلیل کہتے ہیں۔[3] حضرت ابراہیمؑ بے انتہا مہمان نواز تھے۔ اسی مناسبت سے آپ کی کُنیت ابوالاضیاف یعنی مہمانوں کا باپ مشہور ہوتی۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے کہ:

> (ترجمہ) "اس میں شک ہی نہیں کہ ابراہیمؑ (لوگوں کے) پیشوا، خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کے چلنے والے تھے اور مشرکین سے (ہرگز) نہ تھے۔ اسکی نعمتوں کے شکرگزار، ان کو خدا نے منتخب کر لیا تھا اور سیدھی راہ کی انھیں ہدایت کی تھی۔
>
> (سورۂ النحل $\frac{16}{120-121}$)

[1] تاریخ ابن خلدون ص: ۹۸، جلد ۱۔ [2] سورۃ الصّٰفّٰت میں یہ تمام واقعہ بیان کیا گیا ہے
[3] تاریخ ابن خلدون، ص: ۹۸، ج: ۱

حضرت ابراہیم کے متعلق توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ "نوح کے انتقال کے وقت ابراہیمؑ ترپن برس کے تھے کیونکہ ارفخشد صلب سام سے طوفان کے دو برس بعد پیدا ہوتے۔ اور جب ارفخشد کی عمر پینتیس برس ہوئی تو شالخ پیدا ہوا۔ شالخ کی عمر ۳۰ برس کی تھی کہ عابر پیدا ہوا۔ اور چونتالیس برس کی عمر میں عابر کے فالغ اور فالغ کی عمر تیس برس کی تھی کہ راغو اور راغو کے ۳۲ برس کی عمر میں شاروع اور شاروغ کے تیس برس کی عمر میں ناحور اور ناحور کے ۲۹ برس کی عمر میں تارح پیدا ہوا اور جب تارح کی عمر ستر برس کی ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوتے اس حساب سے زمانہ طوفانِ نوح سے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت تک دو سو ستانوے برس بنتے ہیں۔ اور نوحؑ، طوفان کے بعد تین سو پچاس برس زندہ رہے نوحؑ کے انتقال کے وقت ابراہیمؑ ترپن برس کے تھے اور آپ نے اپنے جد کا زمانہ پایا ہے۔"[1]

اولادِ ابراہیمؑ:

حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت کے پانچ سال بعد قدرت خداوندی سے جناب سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے جناب سارہ کی حیات میں بجز جناب ہاجرہ کسی اور عورت سے عقد نہیں کیا لیکن جب انکا انتقال ہو گیا تو آپ نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کا نام قطورہ یا قنطورہ بنت یقطن تھا اسکے بطن سے چار لڑکے ماذی، زمران، سرج اور سبق پیدا ہوتے اسکے علاوہ ایک دوسری زوجہ حجین یا حجون کے بطن سے سات لڑکے نافس، مدین، کیشان، شرخ، امیم، لوطان اور یقشان تھے لیکن توریت کی روایت کے مطابق قنطورہ کے بطن سے زمران، یقشان، مدان، مدین، اشبق اور شوخ پیدا ہوتے جبکہ علامہ سہیلی کے بیان کے مطابق حجین کے بطن سے کیشان، فروخ، امیم، لوطان اور نافس تھے بہرحال یہ امر متفقہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی کل تعداد تیرہ تھی۔ یقشان کی اولاد مکہ میں آباد ہوئی جبکہ مدین نے ایک نئی بستی بسائی جو اس کے نام پر مدین کہلائی بقیہ دیگر اولادیں متفرق مقامات پر آباد ہوئیں۔

[1] تاریخ ابن خلدون، ص ۹۶، ج: ۱

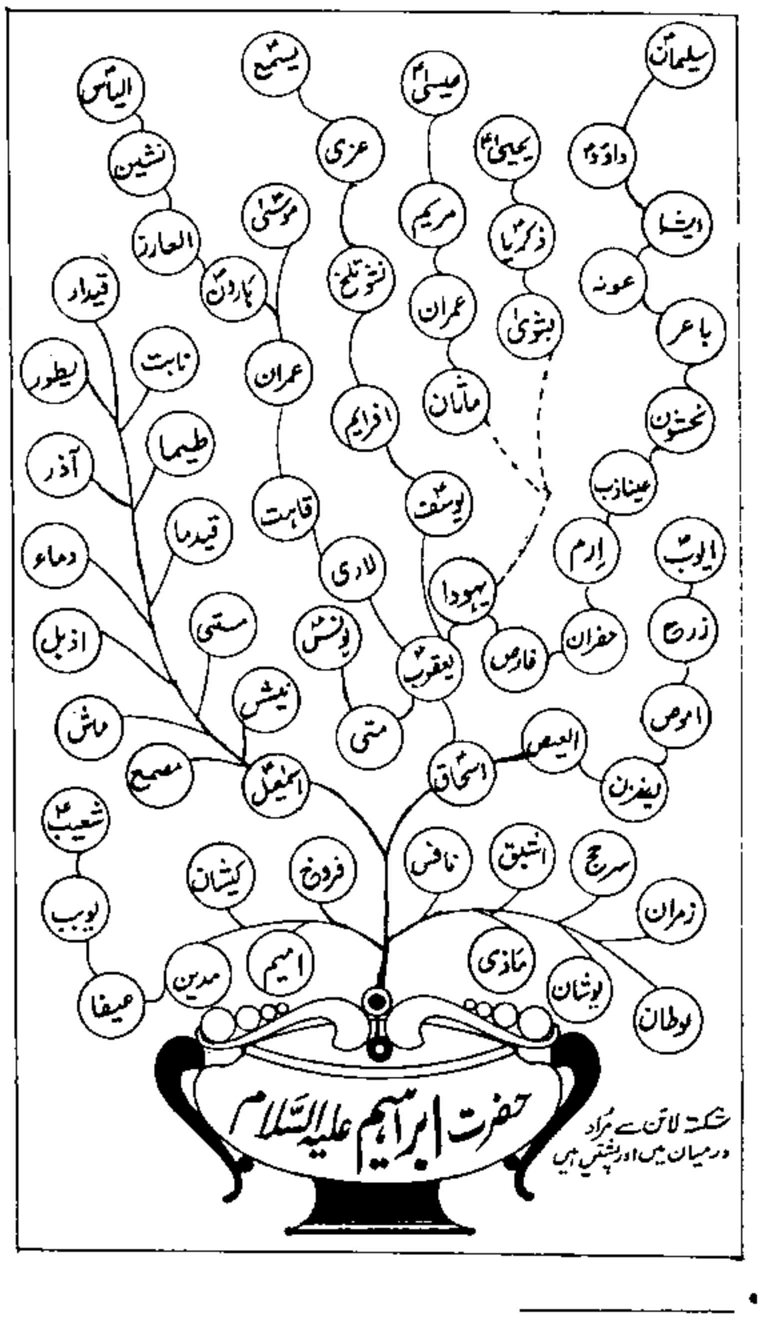

ذبیح اللہ
حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام

حضرت ابراہیمؑ عطائے اولاد اور بقائے نسل کے لئے ہمیشہ دُعا کرتے اور عنایت الٰہی کے متمنی رہتے تھے۔ مگر مشیّتِ الٰہی کو یہ منظور نہ تھا کہ جناب سارہ خلیل خدا کی اولادِ اوّل کا ذریعہ بنیں۔ لہٰذا اللہ نے سارہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کریں کہ وہ جناب ہاجرہ کو شرفِ زوجیت بخشیں۔ جب سارہ کی استدعا کو خلیلِ خدا نے قبول فرمایا تو گویا مشیّتِ ایزدی کے عین مُطابق اسباب فراہم ہو گئے۔ پھر خداوند کے فرشتے نے (ہاجرہ سے) کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ کہ خداوند نے تیرا دُکھ سُن لیا۔[1] جب حضرت ابراہیمؑ کو اس کا علم ہوا تو آپ شکرِ خدا بجالاتے اور صاحبِ حمل کی سلامتی اور طول عمری کیلئے دُعا کرنے لگے۔ جسکے جواب میں ارشادِ باری ہُوا۔ "میں نے تیری دُعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی۔ ہاں۔ میں نے اسے برکت دی اور اسے بار آور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی اسکے بارہ خلیفہ (امام) پیدا ہوں گے اور میں اسکو بڑی قوم کروں گا۔"[2]

توریت میں مذکورہ بالا بشارتہائے خداوندی سے جہاں حضرت اسمٰعیل کی عظمت، آپکی اولاد کی منزلت اور جناب ہاجرہ کی حرمت واضح ہوتی ہے وہاں آئمۂ اثنا عشر کی نوید بھی ملتی ہے بہرحال انوارِ رحمتِ الٰہیہ سے خانۂ خلیل کا پہلا چراغ روشن ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ رونق افروزِ چمنستانِ عالم ہوئے۔ جنکے سلسلۂ مقدسہ سے پروردگارِ عالم کو سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ سلام اللہ علیہ وآلہ المعصومین کا وجود عالم موجود میں لانا مقصود تھا جسکا مقابل و مماثل جناب سارہ کے کثیر التعداد سلسلۂ انبیاء میں ایک بھی نہ تھا۔

[1] تکوین۔ باب ۱۶۔ آیت ۱۱۔ [2] ترجمہ: توریت عربی، باب ۱۷۔ آیت ۲۰

عربی زبان: عام طور پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ سب سے پہلے عربی زبان میں کلام کس نے کیا؟ اسکے جواب میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "قحطان سے پہلے زمانۂ نوح تک اس گروہ کے آبا و اجداد لغاتِ عربیہ سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ خود قحطان نے جو عرب کے دوسرے طبقہ کا مورثِ اعلیٰ ہے، گروہِ سابق سے عربی سیکھی اور رفتہ رفتہ وہی عربی لغت اسکی آئندہ نسلوں کی مادری زبان کے قائم مقام مانی گئی۔ اسی طرح اس کا بھائی فالغ بن عابر اور اس کی اولاد ابراہیمؑ تک عجمی زبان بولتے تھے یہاں تک کہ اسمٰعیلؑ کا زمانہ آیا جو عرب کے تیسرے طبقے کے جدِ اکبر قرار دیئے جاتے ہیں اور انھوں نے جرہم سے زبانِ عربی کی تعلیم پائی اور وہی بنی اسمٰعیل کی مادری زبان سمجھی گئی"۔[1]

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قحطان سے قبل جو گروہ سرزمین عرب میں آباد تھے، ان کی زبان ارفکشد بن سام کی اولاد سے بالکل جدا تھی۔ جب قحطان بن عابر نقل مکانی کر کے عرب کی زمین پر آباد ہوا تو اس نے وہاں کی زبان سیکھی جو اس کے بعد اس کی نسلوں کی مادری زبان قرار پائی۔ اسی وجہ سے بعض مورخین نے یعرب بن قحطان بن عابر کو سب سے پہلا عربی زبان بولنے والا قرار دیا ہے۔ قحطان کے بھائی فالغ اور اس کی اولاد عربی زبان سے بالکل ناواقف تھی۔ ان کی اپنی زبان عبرانی تھی لیکن فالغ کی نسل میں حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزندِ اکبر حضرت اسمٰعیلؑ کو سرزمینِ عرب میں چھوڑ گئے تو انھوں نے بنو جرہم سے جو قحطان ہی کی نسل سے تھے، عربی زبان سیکھی جو اُن کے بعد انکی نسل کی مادری زبان قرار پائی۔

[1] تاریخ ابنِ خلدون۔ ص: ۶۸، جلد: ۱۔

اس سلسلے میں ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ عقبہ بن بشیر نے امام محمد الباقر علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے پہل عربی میں اسمٰعیل بن ابراہیم علیہم السلام نے کلام کیا جبکہ وہ تیرہ برس کے تھے۔ عقبہ نے دوسرا سوال کیا کہ اے ابو جعفر (علیہ السلام)! اس سے پہلے لوگوں کی زبان کیا تھی؟ آپ نے جواب دیا عبرانی۔ عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے مکرر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں اپنے پیغمبروں اور بندوں پر کس زبان میں اپنا کلام نازل فرماتا تھا؟ آپ نے جواب دیا: عبرانی میں"۔

ابن سعد ہی نے دوسری روایت محمد بن عمر الاسلمی کے حوالے سے بیان کی ہے کہ جب حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اسی زمانے میں عربی زبان ان کو الہام ہوئی بخلاف انکے تمام دوسرے فرزندانِ ابراہیمؑ کی وہی زبان تھی جو اُن کے باپ کی تھی یعنی عبرانی یا سریانی۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہی واحد فرزند تھے جن کی زبان عربی تھی۔

تولیتِ کعبہ: احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہو چکی تو حضرت جبرئیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کو مناسکِ حج تعلیم کیے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حج کیا اور ریاست مکہ و تولیتِ کعبہ کے فرائض اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کے سپرد کیے اور خود شام تشریف لے گئے جہاں سے آپ ہر سال حج کرنے تشریف لاتے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات ہوئی تو بیت اللہ پر آپکے فرزند نابت بن اسمٰعیلؑ فائز ہوئے اور اس وقت تک متعلق رہے جب تک اللہ تعالےٰ نے چاہا۔ ان کے بعد بیت اللہ کا متولی مضاض بن عمرو جرہمی ہوا۔ اس طرح کعبہ کی تولیت کا منصب خاندانِ اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں چلا گیا۔ بنی جرہم کا قبیلہ

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۹ ج: ۱ [2] سیرت ابن ہشام ص ۳۲ جلد: ۱

جو قحطانی تھا اور جس کا اصل مسکن یمن تھا، جناب ہاجرہ سے اجازت لے کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ انھیں میں پلے بڑھے ــــ جب جوان ہوئے تو انکی پہلی شادی آپکی والدہ نے کی لیکن اپنے والد کی ہدایت پر آپ نے اُسے طلاق دیکر دوسری شادی اسی قبیلے کے ایک فرد مضاض بن عمرو جرہمی کی لڑکی سے کی جن کے بطن سے آپکے فرزند اکبر نابت پیدا ہوئے جو آپکے جانشین قرار پائے۔ جب نابت کی وفات ہوئی تو انکے بچے کم سن تھے لہٰذا اُن کے نانا مضاض جرہمی نے ان کی کفالت اور کعبہ کی تولیت کے فرائض اپنے ذمے لیے۔ اولادِ نابت کے جوان ہو جانے پر بھی ریاست مکہ اور تولیت کعبہ پر بنو جرہم ہی قابض رہے! اور اولادِ اسمٰعیل ننھیالی رشتہ کی وجہ سے خاموش رہی۔ اس سلسلے میں ابن ہشام کا بیان ہے کہ:

> "اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو خوب پھیلا دیا لیکن بیت اللہ کے متولی اور حکام مکہ بنی جرہم ہی رہے جو اولادِ اسمٰعیلؑ کے ماموں ہوتے تھے۔ اولادِ اسمٰعیلؑ نے بنی جرہم سے حکومت کے متعلق کبھی نزاع نہ کیا کیونکہ ایک تو وہ قرابت میں انکے ماموں ہوتے تھے اور دوسرے مکہ معظمہ کی عظمت و حرمت اس بات سے مانع تھی کہ اس میں جنگ و جدال ہو"۔
>
> (سیرت ابن ہشام، ص: ۱۱۱ جلد ۱)

قصیٰ بن کلاب کے عہد سے پانچسو برس پہلے تک ریاستِ مکہ و تولیت کعبہ بنو جرہم کے ہی قبضہ میں رہی تھی حالانکہ ان کی حکومت کے آخری دور میں ظلم و ستم اور دھوکہ فریب کا بازار گرم تھا لیکن ان کے آخری عہدِ حکومت تک کعبہ میں کوئی بت نصب نہیں کیا گیا تھا۔ ان کے بعد مکہ کی حکومت اور کعبہ کی تولیت پر بنو خزاعہ نے قبضہ جما لیا۔ بنو خزاعہ بھی قحطانی تھے اور ان کا اصل مقام بھی

یمن تھا۔ بنو جرہم کی حالت اور بنو خزاعہ کے اقتدار حاصل کرنے کی بابت ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ:

> "اُنھوں (بنو جرہم) نے سرکشی اختیار کر لی اور اس مقدس مقام کی عظمت و حُرمت کا لحاظ نہ رکھا۔ مقامی باشندوں کے سوا جو لوگ وہاں جاتے اُن پر ظلم کرنے لگے اور کعبۃ اللہ کیلئے جو نذرانے گزرانے جاتے انھیں کھانے لگے۔ ان میں پھوٹ پڑ گئی جب بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ اور غبشان نے جو بنی خزاعہ میں سے تھے یہ حالات دیکھے تو بنی جرہم سے جنگ کرنے اور انھیں مکہ سے نکال دینے پر متفق ہو گئے چنانچہ جنگ ہوئی جس میں بنی بکر اور غبشان نے غلبہ پالیا اور بنو جرہم کو جلا وطن کر دیا۔ عمرو بن حارث جرہمی نے کعبہ کے دونوں ہرن اور حجرِ اسود کو نکال کر زم زم میں دفن کر دیا اور بنو جرہم کو ساتھ لیکر یمن کی طرف چلا گیا"۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۲ ج: ۱)

الغرض حکومتِ مکہ اور تولیت کعبہ بنی جرہم کے قبضہ سے نکل کر بنو خزاعہ کے قبضے میں آگئی اور بنو جرہم نے جاتے جاتے چشمۂ زم زم کو پاٹ کر اُس کے نشانات تک مٹا دیئے۔ جسٹس امیر علی کے بیان کے مطابق بنو خزاعہ کے غلبہ پانے کا زمانہ تیسری صدی قبل مسیح کا ابتدائی حصہ تھا۔

کعبہ میں بتوں کا داخلہ: بنو جرہم کے بعد بنو غبشان نے بنی بکر کو محروم کر کے تولیتِ کعبہ پر قبضہ جما لیا۔ غبشان کی نسل میں ایک شخص عمرو بن الحارث گذرا ہے جسے عمرو بن لحیّ بھی کہتے تھے۔ علامہ شبلی نے اسی کو ربیعۃ بن حارثہ لکھا ہے۔ بہر حال یہی وہ شخص تھا جس نے خانۂ کعبہ میں بت نصب کرنے کی ابتداء کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا فیاض شخص تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس سے پہلے اور اس کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض بعض سال ایامِ حج میں اُس نے دس دس ہزار

اُونٹ اور اتنے ہی حُلّے حاجیوں میں تقسیم کرواتے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اسے اپنا رب سمجھنے لگے یہ جو بھی بدعت جاری کرتا اسے لوگ بخوشی قبول کر لیتے بلکہ اس کے احکام کو دین کا رتبہ دیتے۔

ایک مرتبہ اس کو ملک شام میں مقام بلقاء جانے کا اتفاق ہوا وہاں اس نے قوم عمالقہ کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا۔ معلوم کرنے پر اسے بتایا گیا کہ یہ اُنکے بُت ہیں جو ان کی حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ لہٰذا اُس نے ان سے ایک بت طلب کیا جو اُنھوں نے بخوشی دے دیا اُس بُت کا نام ہُبَلْ تھا۔ عمرو بن لحیؓ نے اس بت کو لاکر کعبہ میں نصب کر دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی پرستش کریں۔ لہٰذا اس کی پرستش شروع ہوگئی۔ عمرو نے اُس بت کے قریب چند تیر رکھ دیئے جن سے فال لینے کا طریقہ ایجاد کیا اور جن کو ازلام کہا جانے لگا۔ دوسری بار وہ دو بت "اِساف' اور نائلہ' لیکر آیا یہ مرد و عورت کی شکل کے تھے اس نے انھیں چاہِ زم زم کے قریب نصب کر دیا۔ عرب انکے قریب قربانی کیا کرتے تھے۔ اسی عمرو بن لحیّی نے قدید کے قریب دریا کے کنارے 'منات' نامی بت نصب کیا۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عمرو بن لُحیّ کے تابع ایک جن تھا۔ عمرو نے اسی جن کو حکم دیا کہ قوم نوح کے بت 'وَدّ' سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو تلاش کرکے لاتے لہٰذا یہ جن ساحلِ جدّہ سے جہاں وہ بت دفن تھے نکال لایا اور مختلف قبائل کے سرداران بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں لے گئے اور ان کی پُوجا کرنے لگے۔ یہی عمرو بن لُحیّ 'لات' اور 'عزیٰ' دو بتوں کو لایا اور انکے بارے میں لوگوں سے کہا: "اللہ موسم سرما لات کے پاس گذارتا ہے اور موسم گرما عزیٰ کے پاس"۔ قبیلۂ ثقیف 'لات' کو طائف اور قبیلۂ سلیم 'عزیٰ' کو مقامِ نخلہ لے گئے جہاں انکی پرستش ہونے لگی۔

عمرو بن لُحیّ نے نہ صرف خانہ کعبہ میں بُت نصب کئے بلکہ پورے عرب میں بُت پرستی کو رَواج دیا اسکے علاوہ اس نے اور بھی بہت سی مشرکانہ حرکات کو رائج کیا۔ مثلاً بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کا طریقہ بھی ایجاد کیا چنانچہ بحیرہ 'سائبہ' وصیلہ اور حام ایسے ہی جانور کہلاتے۔ بحیرہ اُس اونٹنی کو کہتے تھے جس کا کان چیر کر بُتوں کی نذر کیا جاتا تھا۔ سائبہ وہ اُونٹنی کہلاتی تھی جس کے متعلق کوئی شخص نذر کرتا تھا کہ اس نے بیماری سے صحت پائی، یا اپنے مقصد کو پالیا تو وہ اسے بُتوں کے نام پر چھوڑ دے گا۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کی ماں ہر حمل میں دو بچے دیتی تھی اُنکا مالک ان میں سے مادائوں کو بتوں کے لئے چھوڑ دیتا اور نروں کو اپنے لئے رکھ لیتا تھا۔ حام اس اُونٹ کو کہتے تھے جسکے نطفے سے متواتر دس مادائیں پیدا ہوتیں اسے گلّہ میں جفت کے لئے چھوڑ دیا جاتا اسکے علاوہ اس سے کوئی اور کام نہیں لیا جاتا تھا۔ اسی عمرو کی بابت اللہ کے رسُولؐ کی ایک حدیث یُوں بیان کی جاتی ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثمؓ سے فرمایا " میں نے عمرو بن لُحیّ بن قمعہ بن خندف کو اس حال میں دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے پھرتا ہے۔ اے اکثم میں نے اس کو سب سے زیادہ تم سے مشابہ پایا"۔ اکثم نے یہ سُن کر عرض کیا" یا رسول اللہؐ کیا یہ مشابہت میرے لئے ضرر رساں ثابت ہوگی"۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں۔ کیونکہ تم مومن ہو اور وہ کافر تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کو نصب کیا اور بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کا مشرکانہ طریقہ ایجاد کیا"۔ (سیرت حلبیہ ص: ۱۱، ج:۱)

اسی کافر و مشرک عمرو بن لُحیّ کو اللہ تعالیٰ نے عمر بھی لمبی عطا کی۔ یہ تین سو چالیس برس زندہ رہا اور اس کی حیات میں اس کے بیٹے، پوتے اور پڑپوتے جوان ہوئے ان میں سے ایک ہزار میدان میں لڑنے والے مقاتل تھے۔ اس طرح اُس نے ان کے ذریعہ پورے عرب

میں شرک و بت پرستی کو خاطر خواہ رواج دیا اور اس کی اولاد پانچ سو سال تک ریاستِ مکّہ اور تولیت کعبہ پر قابض رہی۔ اس کی نسل کا آخری رئیس یا شیخ حلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی تھا جس کے بعد تولیتِ کعبہ قریش کو منتقل ہوئی۔

مذکورہ بالا تمام واقعات ملل والنحل' سیرت حلبیہ' سیرت ابن ہشام اور سیرت النبیؐ وغیرہ میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

ازواج اسمٰعیلؑ: توریت، صحیح بخاری اور دیگر کتب تواریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے دو ازواج تھیں لیکن یہ امر باعث اختلاف ہے کہ آپ کی پہلی زوجہ جعفرہ یا عمارہ کا کس قبیلے سے تعلق تھا۔ توریت کے باب تکوین میں مرقوم ہے کہ" اور اس (اسمٰعیلؑ) کی ماں نے ایک مصری لڑکی سے اس کی شادی کر دی"۔ جبکہ بخاری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی دو بیبیاں قبیلۂ بنی جرہم سے تھیں لیکن اسلام کے امام الانساب علامہ کلبی کا قول ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی پہلی زوجہ قوم امالیق سے تھیں اور ان کے باپ کا نام صیدی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہدایت پر حضرت اسمٰعیلؑ نے ان کو طلاق دیدی۔ اس کے بطن سے جناب اسمٰعیلؑ کے کوئی اولاد نہ تھی جبکہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ہاجرہ کے انتقال کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دل مکہ سے اچاٹ ہوگیا اور انھوں نے شام کی طرف جانے کا قصد کیا لیکن بنی جرہم نے انھیں روک لیا اور امارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل عمالقہ سے ان کا نکاح کر دیا۔

مورخین نے دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ علامہ کلبی کا بیان درست ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی پہلی شادی انکی مادر گرامی جناب ہاجرہ نے بنی عملیق میں کی تھی۔ یہ قبیلہ بنی جرہم کے بعد یمن سے آکر مکہ میں آباد ہوا۔

جناب ہاجرہ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ مکہ آئے اُس وقت جناب اسمٰعیل مکہ میں موجود نہیں تھے۔ بقول ابن خلدُون شکار کھیلنے گئے تھے۔ ابراہیمؑ نے انکی زوجہ عمارہ سے چند ایک سوالات کئے جیسے تم کون ہو؟ اسمٰعیل کہاں گیا ہے؟ ہاجرہ کا کب انتقال ہوا۔ وغیرہ وغیرہ۔ عمارہ نے ایسی ترش رُوئی سے جوابات دیئے جو حضرت ابراہیمؑ کو ناگوار خاطر ہوئے۔ آپ نے واپس ہوتے وقت عمارہ سے کہا کہ اسمٰعیل آئیں تو اُن سے کہنا کہ "اپنے گھر کا دروازہ تبدیل کردو"۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے تو اُن کی زوجہ نے تمام واقعہ بیان کیا اور حضرت ابراہیمؑ کا پیغام بھی دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس سے کہا کہ وہ میرے پدر بزرگوار تھے اور مجھے ہدایت کر گئے ہیں کہ میں تمھیں طلاق دے دوں لہٰذا اب میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں۔

عمارہ کے طلاق کے بعد جناب اسمٰعیلؑ نے قبیلۂ بنی جرہم کے رئیس مضاض بن عمرو جرہمی کی لڑکی رملہ یا رعلہ یا بقول ابن خلدون سیّدہ سے عقد کیا۔ اس عقد کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ مکہ تشریف لائے تو اُس روز بھی اتفاق سے حضرت اسمٰعیل گھر پر موجود نہیں تھے۔ زوجہ اسمٰعیل نے آپ کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا پانی گرم کر کے وضو کرایا اور دودھ و گوشت وغیرہ جو کچھ گھر میں موجود تھا پیش کیا حضرت ابراہیم ان سے بہت خوش ہوئے اور دعائے برکت دی۔ زوجہ اسمٰعیلؑ نے آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن آپ نے قیام نہ کیا اور روانگی کے وقت سیّدہ سے فرمایا کہ: "جب تیرا شوہر آئے تو میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ اب تمھارے مکان کا دروازہ اچھا ہے میں نے پسند کیا۔ اب اس کو کبھی تبدیل نہ کرنا"۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر واپس آئے تو ان کی زوجہ نے تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ جناب اسمٰعیل نے کہا کہ "وہ میرے باپ تھے اور مجھے ہدایت کر گئے ہیں کہ میں تمھیں اپنے سے کبھی جدا نہ کروں"۔

وفاتِ اسمٰعیلؑ:

حضرت اسمٰعیل تمام عمر تبلیغِ رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے آپ کی تبلیغ کا دائرہ علاقہ حجاز سے لے کر ممالک یمن و حضر موت تک پھیلا ہوا تھا اور آپ انہی علاقوں میں تبلیغ کے لیے منجانب اللہ مقرر تھے۔ زید بن اسلم سے روایت منقول ہے کہ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر بیس[20] برس تھی تو آپ کی والدہ ہاجرہ نے نوّے[90] سال کی عمر میں انتقال کیا آپ نے انھیں کعبہ کے متصل مقام حجر (جو میزاب کے نیچے رکن اور خانہ کعبہ کے درمیان واقع ہے) میں دفن کیا اور جب حضرت اسمٰعیلؑ کا انتقال ہوا تو آپ کو بھی مقام حجر میں آپ کی مادرِ گرامی کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ابنِ اسحٰق کی روایت کے مطابق آپ نے ایک سو تیس[130] برس کی عمر میں وفات پائی جبکہ توریت نے آپ کی عمر ایک سو سینتیس[137] سال بتائی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے نابت آپ کے جانشین ہوئے۔ قرآن کریم میں آپ کی بابت ارشادِ باری ہے کہ:

> "(اے رسول) قرآن میں اسمٰعیلؑ کا بھی تذکرہ کرو اس میں شک نہیں کہ وہ وعدے کے سچے تھے اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے اور اپنے گھر کے لوگوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ تھے۔"
>
> (سورۂ مریم، آیت: ۵۴-۵۵)

اولادِ اسمٰعیلؑ:

مؤرخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ فرزند تھے۔ البتہ ان کے ناموں کی بابت اختلاف ہے جو غالباً عبرانی، سریانی اور عربی زبانوں کے تلفظ و ترجمہ کے باعث ہوا۔ آپ کے بارہ بیٹوں کی قبائل ان کے سردار ہونے اور ان کے ذریعہ ذریتِ ابراہیمؑ میں کثرت ہونے کی بابت توریت میں مذکور ہے کہ خدا نے ابراہیمؑ سے کہا:

> "اور اسمٰعیلؑ کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی: دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اسی سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش باب ۱۷، آیت: ۲۰)

ابنِ سعد نے محمد بن اسحاق اور محمد بن السائب کلبی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ اسمٰعیل بن ابراہیم علیہم السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ تھے: نباوز کہ نبت اور نابت بھی انہی کو کہتے ہیں، یہ خلفِ اکبر تھے، قیدر، ازبل، مستی کہ ان کا نام منشی بھی ہے، مسمع کہ مستماع بھی انہی کو کہتے ہیں، دماء کہ دوما بھی انہی کو کہتے ہیں اور دومۃ الجندل انہی سے منسوب ہے۔ ماشی، آزر، طیما، یطور، نیش، قیذما۔[1] توریت کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹوں کے نام اس طرح ہیں۔ نبایوت، قیدار، ادبئیل، بیسام، مشماع، دوماہ، مسا، تیماہ، یطور، مافیش، قیدماہ اور حدر۔ انمیں سب سے بڑے بیٹے نبایوت اور ان سے چھوٹے قیدار تھے اور یہی دونوں آئندہ تاریخ عرب میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ بروایت محمد بن اسحٰق اور ابن لیسار ان سب کی ماں رعلہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی تھیں جبکہ محمد بن سائب کلبی نے رعلہ کو یشجب بن یعرب کی بیٹی بتایا ہے۔

نبایوت جسے اہل عرب نابت کہتے ہیں، فرزندِ اکبر ہونے کے باعث باپ کی وفات کے بعد کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کی اولاد نباطی اور نبطی کہلائی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات کے ایک عرصہ بعد تک نبایوت اپنے تمام بھائیوں کے ہمراہ حجاز ہی میں آباد رہے۔ اور اپنے چچا کے بیٹوں یعنی فرزندانِ مدائن کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے۔ تجارتی قافلوں کے ساتھ یمن و حجاز اور مصر و شام کا سفر کیا کرتے تھے۔ چونکہ بنی اسرائیل اولادِ اسمٰعیل کو باپ کی نسبت سے اسمٰعیلی اور ماں کی

[1] طبقات ابنِ سعد، ص ۸۰، ج: ۱

نسبت ہاجری کہتے تھے۔ اسی لئے توریت میں ان کو کبھی اسمٰعیلی اور کبھی ہاجری لکھا ہے توریت میں بنو اسمٰعیل کا سب سے پہلے تذکرہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ کے زمانہ (تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م) میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کے عہد (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) تک بنی اسمٰعیل حجاز سے نکل کر یمن اور شام تک پھیل گئے پھر تقریباً سنہ ۱۳۰۰ ق م تک وہ نہ صرف اعمالیق و مدین کے پہلو بہ پہلو سپاہیانہ جوہر دکھاتے ہیں بلکہ بنی اسرائیل پر چھاپے مارتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنو اسمٰعیل عرب کی دولت مند قوموں میں شمار کئے جاتے تھے۔ دولتمندی کا یہ عالم تھا کہ مرد اپنے کانوں میں سونے کے زیور پہنتے تھے اور اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے ڈالتے تھے۔ حضرت لوطؑ کے عہد (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) تک انکی تعداد بہت بڑھ گئی لہٰذا یہ حجاز سے نکل کر شام و عراق میں پھیل گئے اسی زمانے میں بنی اسرائیل کا ایک گروہ نہر فرات کے قریب آباد ہوا جس کی بنو اسمٰعیلؑ سے جھڑپ ہوگئی۔ انھوں نے بنو اسمٰعیلؑ کو وہاں سے نکال دیا اور خود ان کے خیموں میں آباد ہو گئے۔ اس واقعہ کے چالیس سال بعد بنو اسمٰعیلؑ نے شمالی عرب کے قبائل سے اتحاد کیا اور حضرت داؤد کے عہد (تقریباً سنہ ۱۰۰۰ ق م) میں بنی اسرائیل سے اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے لیا لیکن تقریباً تین سو سال بعد ایک بار پھر اسرائیلیوں نے انھیں شکست دی۔ اس مرتبہ کثیر مالِ غنیمت ان کے ہاتھ لگا۔ جس کی تفصیل توریت میں اس طرح بیان کی ہے "مالِ غنیمت میں ان کو پچاس ہزار اونٹ، ڈھائی لاکھ بھیڑ، دو ہزار گدھے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے۔"

اس کے بعد سنہ ۶۰۰ ق م میں بخت نصر آندھی کی طرح آسمریا سے اٹھا اور اس نے تمام شام و عرب کی خاک اڑا دی۔ یہ مختصر خاکہ ہے جس سے اولادِ اسمٰعیلؑ کی اجتماعی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔

قیدار بن اسمٰعیلؑ:

قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کے دوسرے بیٹے تھے۔ یہ شہرت و عزت میں اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھے عبرانی زبان میں قیدار کے معنی سیاہی اور غم کے ہیں۔ قیدار اور اس کی اولاد بھی دیگر اولادِ اسمٰعیل کے ساتھ حجاز میں آباد تھی۔ قیدار کا تذکرہ توریت کے صفحات، اسیریا کے کتبات اور یونان کے جغرافیات میں شامل ہے جس سے ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن قیدار کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ وہ نورِ الٰہی جو حضرت آدمؑ و ابراہیمؑ کو ودیعت ہوا تھا وہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے قیدار ہی کی پشت سے جلوہ افروزِ عالم ہوا یعنی حبیبِ خدا، رسولِ خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے بحیثیت قوم بنی قیدار کا ذکر سنہ ۱۱۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کے تذکرے میں اسطرح آیا ہے "حضرت داؤد شاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنی قیدار کے خیموں میں رہتے تھے۔" اس کے بعد سنہ ۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ اپنے اشعار میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ "وہ خیمے کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کی طرح سیاہ ہوں"۔ یہ سیاہ خیمے کالے کمبلوں کے ہوتے تھے اور قدیم بدوی عرب کی ثقافت کا مظہر تھے۔ آنحضرت صلعم سے چند پشت پیشتر تک مکہ بھی خیموں کا شہر تھا۔ یہاں پتھر مٹی کی کوئی عمارت موجود نہ تھی۔ اشعیاء نبی جو آٹھویں صدی میں گذرے ہیں بیان کرتے ہیں کہ "قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے۔ گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ بھیڑ بکریاں ان کی دولت ہیں۔ اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔"

قیدار کی بابت اشعیاء (سنہ ۷۵۰ ق م)، حزقیال (سنہ ۵۹۷ ق م) اور یرمیاہ (سنہ ۵۸۶ ق م) ان تینوں نبیوں کے چند ایک کلمات کتبِ قدیم میں مرقوم ہیں مثلاً اشعیاء نبی کہتے ہیں۔ "قیدار کا نام جاہ و جلال مٹ جائے گا تیر انداز بہادر فرزندانِ قیدار کی تعداد

گھٹ جائے گی"۔ دوسرے موقع پر کہتے ہیں کہ "ان میں بہاتیوں کو آواز دو جن میں قیدار رہتے ہیں"۔ یا مثلاً ارمیاہ نبی نے کہا: "قیدار اور حصور کی حکومتوں پر افسوس ہے جنکو بابل کا بادشاہ بنوخذنذر (بخت نصر) تباہ کریگا۔ خدا کہتا ہے اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برباد کرو۔"

بخت نصر کا زمانہ ۶۱۵ء ق م تا ۵۶۱ء ق م تھا۔ یہ اسریا کا حکمران بنا تو اپنی ملک گیر ہوس کے باعث اس نے عراق، شام، مصر و عرب کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اہل عرب کے مطابق اُس وقت معد بن عدنان رئیس قبائل تھا۔ جب بخت نصر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہنچا تو معد نے مقابلہ کیا۔ بعض روایات کے مطابق ارمیاہ نبی نے معد کو بچا لیا۔

ان معاصر انبیا کی شہادتوں سے بنو قیدار کی معاشی و معاشرتی زندگی کا جو خاکہ اجاگر ہوتا ہے اُس کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ خیموں اور گاؤں میں رہتے تھے۔ بہادر اور شجاع تھے، قبائل کے سردار تھے۔ بدویانہ جاہ جلال انھیں حاصل تھا، شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے اور مویشی پالنا اور تجارت کرنا ان کا پیشہ تھا۔ اگر غور کریں تو تقریباً یہی معاشی و معاشرتی صورتحال زمانہ اسلام تک عربوں میں موجود تھی[1]۔

اولاد اسمٰعیلؑ کے تفصیلی واقعات مع حوالہ جات ارض القرآن جلد دوئم تذکرہ انباط قیدار اور اسوۃ الرسول ص ۲۲۷ تا ۲۳۷، ج: ۱، میں مرقوم ہیں۔

نسل اسمٰعیلؑ: حضرت اسمٰعیلؑ کے فرزندان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور خوب پھلی پھولی۔ انہی کی اولاد میں عدنان ہیں اور عدنان ہی کی نسل میں قریش کے جملہ قبائل ہیں۔ ماہرین انساب نے حضرت اسمٰعیلؑ سے عدنان

[1] طبقات ابن سعد، ج: ۱، ص: ۸۵۔

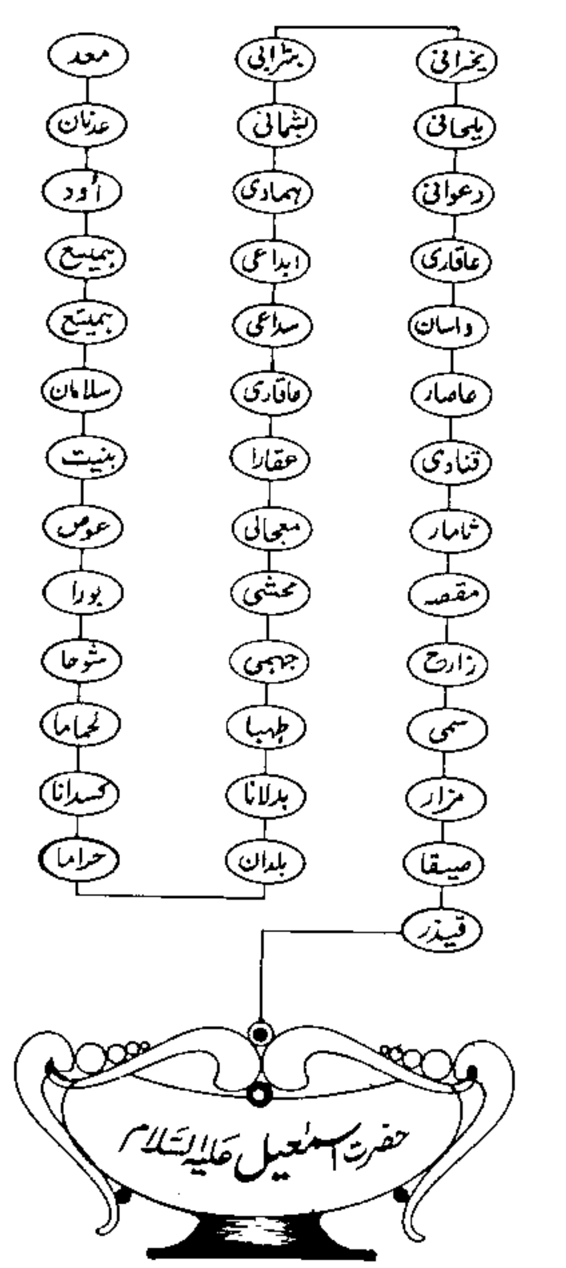

تک کے نسب نامہ میں شدید اختلاف کیا ہے۔ بعض نے یہ سلسلہ قیدار سے چلایا ہے اور بعض نے نابت سے۔ بعض نسب دانوں نے نابت کو قیدار کا بیٹا بتایا ہے جبکہ بعض نے نابت ہی کا نام قیدار لکھا ہے۔ بیشتر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں اگر اس کو درست تسلیم کر لیا جائے تو انکا زمانہ تین سو برس سے زائد نہیں ہو سکتا جو تاریخی شواہد کے قطعی منافی ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنے نسب کا ذکر فرماتے تو اس سلسلے کو معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھاتے اور ارشاد فرماتے: "سلسلۂ نسب ملانے والے جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے قُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا۔ یعنی اس بیچ (عدنان تا اسمٰعیلؑ) بہت سی نسلیں گذریں"۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عرب کے نساب عام طور سے مشہور شخصیتوں کے ناموں ہی پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کی پیڑھیوں کے ناموں کو نظر انداز کر جاتے تھے۔ تاہم کچھ ایسے محقق بھی تھے جو مکمل نسب نامہ کی جستجو میں لگے رہتے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک کی پشتوں کو بیان کرنے والے مورخین پانچ ہیں۔ ان میں سے ایک بیہقی جس نے عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک کل ۹ پشتیں شمار کی ہیں اور عدنان کو نابت بن اسمٰعیلؑ کی نسل سے بتایا ہے۔ دوسرے ابن ہشام ہیں جن کی کتاب مغازی کے ایک نسخہ میں آٹھ پشتیں لکھی ہیں اور عدنان کو نابت کی اولاد بتایا ہے جبکہ دوسرے نسخہ میں دس پشتیں تحریر ہیں اور عدنان کو قیدار کی اولاد ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسرے مورخ ابن الاعرابی ہیں جنھوں نے آٹھ پشتیں بیان کی ہیں اور عدنان کو قیدار کی نسل سے بتایا ہے۔ ان تینوں کے بیان کردہ نسب نامہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ عدنان تا حضرت اسمٰعیلؑ تقریباً سوا تیرہ ۱۳۲۵ سو سال کا عرصہ ہے۔ اس طویل عرصہ میں صرف دس پشتیں نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ پشتیں ہونی چاہئیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ ان مورخین کو جن مشہور و معروف اشخاص کے نام یاد تھے انھیں پر اکتفا کیا۔ چوتھے الجرا ہیں، ان کا بیان کردہ نسب نامہ بھی حضرت اسمٰعیلؑ تک نہیں ہے اور ادھر حمل بن معد بن عدنان تک ہے۔ انھوں نے بھی جہاں تک نام یاد تھے لکھ کر حسب دستور عرب تمام قیدار ابن اسمٰعیل سے سلسلہ ملا دیا ہے۔ پانچویں برخیا ہیں انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کا سلسلۂ نسب عدنان تک لکھا ہے۔ برخیا کاتب ارمیا جو بنی اسرائیل کے نبی تھے، انہی کے زمانے میں عدنان اور معد تھے اور بخت نصر کے حملے میں حضرت ارمیا نے معد بن عدنان کو تحفظ دیا تھا۔ اُس وقت معد کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ ارمیا نبی اور بخت نصر کے حملوں کا زمانہ ۵۷۷ء قبل مسیح کا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے اللہ رب العزت کے حکم سے ارمیا نبی نے معد اور عدنان دونوں باپ بیٹوں کو بخت نصر کے حملے سے بچایا اور برخیا سے انکا نسب نامہ لکھوایا۔ یہ نسب نامہ جملہ مورخین کے بیان کردہ نسب ناموں سے زیادہ مستند اور قابل قبول تصور کیا جاتا ہے۔ اسی نسب نامہ کو طبری، ابن خلدون وغیرہ نے اپنایا ہے البتہ ناموں اور ترتیب میں کہیں کہیں فرق نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ طبری نے لکھا ہے کہ: "مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا کہ انھوں نے عرب میں ایسے علماء دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتوں کے نام لیتے تھے اور شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے۔ اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلے کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی، البتہ ناموں میں فرق تھا۔" اس کے علاوہ ابن سعد اور طبری نے یہ لکھا ہے کہ: "شہر تدمر میں ایک یہودی تھا جس کی کنیت ابو یعقوب تھی۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ ارمیا پیغمبر کے منشی بروخ بن ناریا نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے۔ اس شجرہ میں بھی عدنان سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک چالیس نام ہیں"۔ طبری اور ابن سعد نے مختلف راویوں کے بیان کردہ نسب ناموں کو لکھا ہے جن کے درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہم صرف اُس سلسلۂ نسب کو تحریر کرتے ہیں جسے طبری نے تسلسل سے بیان کیا ہے۔

معد[1] بن عدنان[2] اود[3] بن ہمیسع[4] یہی سلمان ہے جسکے معنی امین کے ہیں، بن ہمیتع[5] یہی ہمیدع جسکے معنی غمگین کے ہیں، بن سلامان[6] یہی منجر نبیت ہے، اسے منجر اس لئے کہتے تھے کہ یہ عربوں کو بخیرہ کہلاتا تھا! دراس کے عہد میں لگ قحط کے زمانہ میں موت سے بچ گئے بن بنیت[7] بن عوص[8] یہی ثعلبہ ہے یعلبیہ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ بن بورا[9] یہی بور ہے یہ خاندان کی اصل ہے ابن شوحا[10] یہی سعد جب ہے۔ اسی نے سب سے پہلے عرب میں رجبیہ کی بُنیاد ڈالی۔ بن سماما[11]، یہی قوال ہے اور اسی کا نام مرح الناصب ہے یہ حضرت سلیمان کے عہد میں تھا۔ بن کسدانا[12] یہی محلم ذوالعین ہے بن حراما[13] یہی عوام ہے۔ بن بلدان[14] یہی محل ہے بن بدلانا[15] یہی بدلاف ہے اور اسی کا نام رائمہ ہے بن طہیا[16] یہی طاہب ہے اور اسی کا نام عیقان ہے بن جہمی[17] یہی جاہم ہے اور اسی کا نام علا ہے بن محشی[18] یہی ناحش ہے اور اسی کا نام شحدود ہے۔ بن معالی[19] یہی ماحی ہے اور اسی کا نام ظریب ہے جس کے معنی ہیں آگ بجھانے والا، بن عقارا[20] یہی عانی عبقر ابوالجن ہے حیقۃ عبقر اسی سے منسوب ہے بن عاقارہی[21] یہی عاقر ابراہیم جامع الشمل ہے یہ نام اس لیئے ہوا کہ اس نے اپنے ملک میں ہر خوف زدہ کو پناہ دی، مسافر کو اسکے گھر پہنچا دیا اور لوگوں کی حالت درست کر دی۔ بن سداعی[22] یہی دعا اسمٰعیل ذوالمطابخ ہے۔ یہ نام اس لئے ہوا کہ بادشاہ ہونے کے بعد اس نے عرب کے ہر شہر میں سرکاری مہمان خانے قائم کیے۔ بن ابداعی[23]۔ یہی عبید یزن للطعان ہے چونکہ سب سے پہلے نیزہ سے یہی لڑا تھا۔ اس لئے نیزوں کو اس سے منسوب کیا گیا بن ہماوی[24] یہی ہمدان اسمٰعیل ذوالاعوج ہے۔ اعوج اسکے گھوڑے کا نام تھا اسی سے اعوجی گھوڑے منسوب ہیں۔ بن بشمانی[25] یہی لشن ہے جسکے معنی ہیں قحط میں کھلانے والا، بن بزانی[26] یہی برزم ہے۔ جس کے معنی ہیں مدارج اعلیٰ پر نظر رکھنے والا اور ان کے لیئے کوشش کرنیوالا بن یحزانی[27] جس کے معنی ہیں جابر۔ بن بلحانی[28]

یہی یلحن اور عبود ہے۔ بن دعوانی[29] یہی عوی ہے جس کے معنی کمزوری ہے آہستہ آہستہ چلنے والا، بن عاقاری[30] یہ عاقر ہے، بن واسان[31] یہ زائد ہے بن عاصار[32] یہی عاصر ہے اسی کا نام نیدوان صاحب مجالس ہے اس کے عہد مملکت میں بنوالقاذور یہی قاذور ہے، پراگندہ ہوگئے۔ اور حکومت نبیت بن القاذور کی اولاد سے نکل کر بنو جاوان بن القاذور میں چلی گئی مگر پھر دوبارہ ان میں عود کر آئی، بن تنادی[33]، یہی قیاد ہے۔ اور یہی ماتہ ہے بن ناماتر[34] یہی بہامی دوس العتق ہے۔ یہ اپنے زمانہ کا حسین ترین شخص مانا گیا ہے اس کے عہد مملکت میں جرہم بن فالج اور قطورا ہلاک ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے حرم میں فسق و فجور اور فتنہ و فساد برپا کر دیا۔ دوس نے ان کو قتل کر دیا جو ان میں سے بچے ان کے آثار کو دیمک نے کھا کر فنا کر دیا بن مقصہ[35] یہی متاصری ہے جس کے معنی ہیں قلعہ، اسے ناحث بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہیں اترنا بن زارح[36] یہی قمیر ہے بن سمی[37] یہی سما اور محشر ہے یہ ایک نہایت ہی عادل، منتظم اور مدبر بادشاہ تھا بن مزرا[38] اسے مرر بھی کہتے ہیں، بن صیقا[39] یہی سمر ہے۔ جو صیفی ہے یہ سب سے بہتر بادشاہ تھا جو روئے زمین پر پیدا ہوا، بن جعثم[40] یہی عرام ہے۔ نبیت اور قیذر ہے۔ قیذر کے معنی صاحب ملک کے ہیں۔ اسمٰعیل کی اولاد میں سب سے پہلا فرمانروا یہی ہوا ہے۔ بن اسمٰعیل[41] سچے وعدے والے بن ابراہیم خلیل الرحمٰن۔[1] ابن سعد کا بیان ہے کہ :

"معد کے قیذر بن اسمٰعیل ؑ کی اولاد میں ہونے کی نسبت مجھے علمائے انساب میں کوئی اختلاف نظر نہیں آیا، یہ جو نسبی اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راویوں کو انکا سلسلۂ نسب یاد نہ تھا بلکہ یہ اہل کتاب سے ماخوذ ہے کہ انھیں سے عربی میں نام نقل ہوئے اور اسی بنا پر اختلاف بھی پیدا ہوا۔ یہ طریقہ اگر درست و صحیح ہوتا اور اس سلسلہ میں کوئی غلطی نہ ہوتی تو سب سے بڑھ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا

[1] تاریخ طبری ص ۵۷ . ۵۸ ج - ۱ ،

ہمارے نزدیک تو امر حق یہ ہے کہ معد بن عدنان تک ہم اس سلسلے کا تسلسل متیقن مانتے ہیں پھر اسکے اوپر عدنان سے لیکر اسمٰعیل ؑ بن ابراہیم ؑ تک خاموش رہتے ہیں۔"[1]

طبقات ابن سعد ص ۸ ج - ۱

ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت اسمٰعیل ؑ کے ان بارہ بیٹوں نے کوئی بڑی شہرت حاصل نہیں کی سوائے اس کے کہ یہ عرب کی بارہ مختلف قوموں کے مورث اعلیٰ ہوئے ہاں ایک مدتِ دراز کے بعد عدنان کی اولاد (جو قیذار بن اسمٰعیل ؑ کی نسل سے تھی) مختلف شاخوں میں متفرق ہوگئی۔ سب سے بڑی ناموری اس کی اس میں ہوئی کہ آنحضرت ؐ اسکی اولاد میں ہوتے جن کی ذاتِ بابرکات سے تمام سرزمینِ عرب پر رحمت الٰہی پھیل گئی۔[1]

عدنان بن اود : عدنان کی جبینِ مبارک سے رشد و شہامت کے آثار نمایاں تھے۔ اس زمانے کے کاہنوں اور نجومیوں کا کہنا تھا کہ ان کی نسل میں ایسا شخص پیدا ہوگا جس کے جن و انس مطیع و فرماں بردار ہونگے۔ گویا یہ پیشنگوئی تھی ولادتِ پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ عدنان کا منجانب اللہ محترم ہونا اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب بخت نصر نے عربوں پر پہلا حملہ کیا تو برمیا علیہ السلام نے بخت نصر کو ہدایت کی کہ وہ عدنان کو کسی طرح نقصان نہ پہنچائے چنانچہ بخت نصر نے عدنان کو چھوڑ کر دیگر قبائل پر حملہ کیا جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا۔ عدنان کی ماں کا نام بلہا تھا عدنان کی اولاد کثیر تھی مورخین کا بیان ہے کہ عدنان کے دس فرزند تھے۔ جن میں سے چار کو شہرت ملی۔ جن کے نام معد[1]، عک[2]، عدن[3] اور ادوغنی[4] تھے۔ عک یمن کے علاقہ سمران میں آباد ہوا۔ اور وہیں شادی کی۔ عدن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ جس علاقہ میں آباد ہوا وہ اسی کے نام پر عدن کہلایا۔ اور ادوغنی جس کو ابین

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۲۶۶ ج ۲۔۱

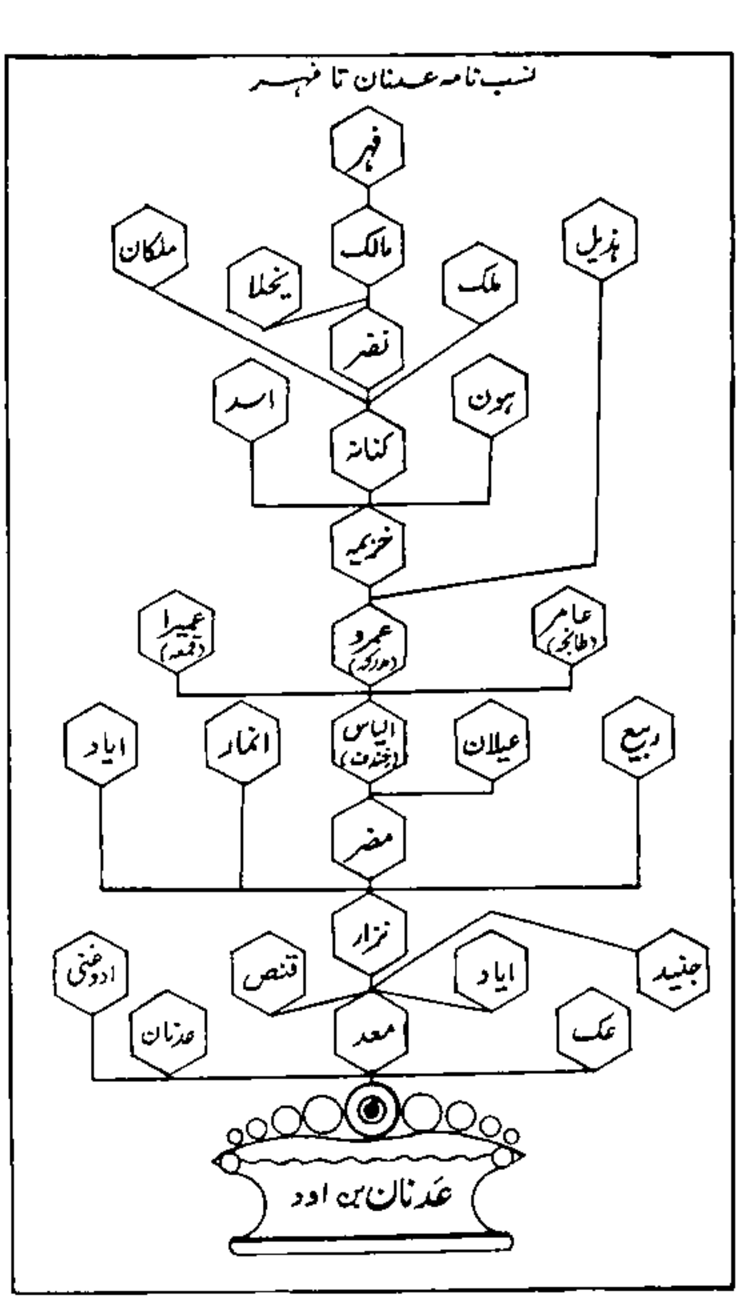

بھی کہتے تھے وہ بعض اہلِ انساب کے مطابق مقام امین کا مالک تھا بقول جسٹس امیر علی تقریباً پہلی صدی قبل مسیح میں عدنان کا ستارۂ اقبال بلند ہوا اور انھوں نے مکہ میں اپنی قوت کو مستحکم کیا۔

بعض مورخین نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام تک بیان کیا اور بعض ماہرینِ انساب اس سلسلے کو حضرت نوحؑ تک لے گئے اور بعض نے حضرت آدم علیہ السلام تک آپکا سلسلۂ نسب بیان کیا ہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عدنان تک اپنے سلسلۂ نسب کو درست قرار دیا اور ارشاد فرمایا "اذا بلغ نسبی الی عدنان فامسکوا" یعنی میرا سلسلۂ نسب عدنان تک بیان کیا کرو۔ جملہ مورخین و ماہرینِ انساب عدنان کے بعد کی پشتوں پر متفق ہیں اور اس سلسلۂ نسب کو بلا اختلاف یوں بیان کرتے ہیں: محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنعان بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

معد بن عدنان: ان کی ماں کا نام مہدد بنتِ اللہم بن جلہب بن جدیس بن جاثر بن ارم جرہمی تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ ان کے تینوں بھائی عک، عدن اور ادعنی ان کو چھوڑ کر دیگر مقامات پر آباد ہو گئے تھے۔ عک جو یمن چلا گیا تھا اُس کے ساتھ یمنیوں نے جو بنی جرہم سے تھے، پرانی قرابت داری کے پیشِ نظر اچھا سلوک کیا۔ بخت نصر نے جب عربوں پر دوسرا حملہ کیا تو بنو عدنان یمن چلے گئے۔ مگر معد کو حضرت برمیا علیہ السلام اپنے ہمراہ لے گئے جب عرب سے بخت نصر کا دباؤ کم ہوا تو معد واپس آ گئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بخت نصر نے یمن پر حملہ کیا تو معد بن عدنان اس مہم میں

بخت نصر کے ساتھ تھے۔ عیسائیوں کی تحقیق کے مطابق حضرت برمیا علیہ السلام (جنھیں آرمیا برخیا بھی لکھا ہے) کا زمانہ ۵۸۸ق م ہے چونکہ معد بن عدنان حضرت برمیا کے ہم عصر تھے اس لئے ثابت ہوتا ہے عدنان سے حضورؐ تک تقریباً ۱۱۵۸ سال کا زمانہ ہے۔[1] معد نے جوشم بن جہلمہ کی لڑکی معانہ سے شادی کی ابن سعد نے محمد بن السائب الکلبی کی سند سے معد بن عدنان کی اولاد کے جو نام بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں: نزار[1] کہ نبوت و ثروت و خلافت انہی کی اولاد میں ہے۔ قنص[2] قناصہ[3]، اسفام[4]، العرف[5]، عوف[6]، شک[7]، حیدان[8]، عیدہ[9]، عبید الرنا[10]، جنید[11]، جنادہ[12]، القحم[13] اور ایاد[14]۔

نزار بن معد: انکی والدہ معانہ بنتِ جوشم بن جلہمہ بن عمرو بن برہ بن جرہم تھیں۔ نزار حسن و جمال اور عقل و دانش میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابو ایاد تھی۔ نزار کی ولادت کے وقت انکے باپ معد نے اونٹ قربان کئے اور لوگوں کی دعوت کی۔ اس موقع پر انھوں نے کہا: ان ھذا کلہ نذر فی حق ھذا المولود۔

نزار کے چار فرزند ربیعہ[1]، مضر[2]، انمار[3] اور ایاد[4] تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ مضر اور ایاد کی ماں سودہ بنتِ عک بن عدنان تھیں اور ربیعہ و انمار کی ماں کا نام خدالہ بنتِ دعلان بن جوشم بن جلہمہ بن عمرو جرہمی تھا۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ سودہ کی سگی بہن شقیقہ بنتِ عک نزار کی زوجۂ ثانی تھیں ربیعہ انمار انھیں کے بطن سے تھے۔ مضر کو مضر الحمراء، ایاد کو ایاد الشمطا و ایاد البلقا، ربیعہ کو ربیعۃ الفرس اور انمار کو انمار الحمار کہتے تھے۔ جس کی وجہ تسمیہ انکے باپ کے اموال میں سے تقسیم ہونے والی اشیا، جو انکے حصّے میں آئیں، بتائی جاتی ہے۔

[1] رحمت اللعالمین ص۴۵، ج:۲، تاریخ ابن خلدون، ص: ۲۵۷، ج۲ پر تفصیلی بحث تحریر ہے

مضر بن نزار: مضر کی ماں کا نام سودہ بنتِ عک بن الریث بن عدنان تھا۔ ابن سعد نے عبداللہ بن خالد سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مضر کو برا نہ کہو (گالیاں نہ دو) وہ تو اسلام لا چکے تھے (مسلمان ہو گئے تھے)"[1] مضر اور انکے بھائی بڑے عقلمند اور قیافے کے ماہر تھے مضر اپنے باپ کے بعد سردار ہوتے۔ انھوں نے اونٹوں کے لئے حُدی ایجاد کی جو آج بھی عرب میں رائج ہے اور عرب بڑی خوش الحانی سے حُدی گاتے ہیں۔ مضر خود بڑے خوش الحان تھے۔ بنو عدنان میں مضر بڑے صاحب دولت و ثروت تھے۔ انھوں نے دینِ ابراہیم کی ترویج کے لئے کوشش کی۔ ان کے دو فرزند الیاس اور عیلان تھے ان دونوں کی ماں بنی جرہم میں سے تھیں۔

الیاس بن مضر: الیاس کی والدہ رباب (جنھیں جنفاء بھی کہتے تھے) بنتِ جیدہ بن عبدہ بن معد بن عدنان تھیں۔ ان کی کنیت ابو عمرو اور لقب سید العشیرہ تھا۔ انکے حقیقی بھائی کا اصل نام ناس تھا لیکن اسکی کنجوسی کے باعث لوگ اسے عیلان کہتے تھے اپنے باپ کے بعد الیاس سردار ہوتے اور قبائل کے امور و مہمات انہی کی صلاح و صوابدید پر ہوتی تھیں۔ ان کی زوجہ لیلیٰ کے بطن سے تین فرزندان عمرو، عامر اور عمیر تھے۔ ایک واقعہ کے باعث یہ تینوں بالترتیب مدرکہ، طابخہ اور قمعہ کہلاتے اور ان کی ماں لیلےٰ کا نام خندف پڑ گیا جس کی مناسبت سے الیاس کی نسل بنی خندف کہلاتی۔

مدرکہ بن الیاس: ان کا اصل نام عمرو تھا اور کنیت ابو ہذیل تھی۔ ان کی ماں لیلیٰ بنتِ حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھیں اور لیلیٰ کی ماں کا نام ضریہ بنتِ ربیعہ بن نزار تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ اور

[1] طبقات ابن سعد ص: ۸۷۔ ج:۱

بناخ کے درمیان مار ضریہ (چراگاہ ضریہ) کے نام سے جو تالاب تھا وہ انہی کے نام سے منسوب تھا۔ اپنے نسب کے اظہار میں قصیٰ بن کلاب یہ جملہ فخریہ کہا کرتے تھے "اُمّھتی خندف والیاس ابی" یعنی میری ماں خندف اور میرا باپ الیاس ہے۔ الیاس کے بعد عمرو یعنی مدرکہ اپنے باپ کے جانشین ہوتے۔ ان کے دو فرزند خزیمہ اور ہذیل سلمیٰ بنتِ اسد کے بطن سے تھے۔

خزیمہ بن مدرکہ: ان کی ماں سلمیٰ بنتِ اسد بن ربیعہ بن نزار تھیں بعض مورخین کا کہنا ہے کہ خزیمہ کی ماں سلمیٰ بنتِ اسلم بن الحاف بن قزاعہ تھیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ خزیمہ بن مدرکہ قبیلہ بنی مضر کا وہ پہلا شخص تھا جو مکہ میں فوت ہوا۔ اور اسی نے پہلے پہل ہبل نامی بت کو مکہ میں نصب کیا جس کی مناسبت سے اس بت کو صنم خزیمہ کہا جاتا تھا۔ خزیمہ کے حقیقی بھائی ہذیل تھے جنکی اولاد ہذلی کہلاتی۔ خزیمہ کے تین فرزند کنانہ، ہون، اور اسد تھے، ان کی کنیت ابو الاسد تھی۔

کنانہ بن خزیمہ: انکی ماں عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مضر تھا بعض مورخین کے خیال میں ان کی ماں ہند بنت عمرو بن قیس تھیں اور بعض کا خیال ہے کہ عوانہ ہی کا دوسرا نام ہند تھا اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ کنانہ کے بھائی ہون کی ماں برہ بنت مُر بن اُد بن طابخہ تھیں جبکہ بعض مورخین نے برہ بنت مُر کو کنانہ کی زوجہ لکھا ہے جس کے بطن سے کنانہ کے تین فرزند نضر، ملک اور ملکان پیدا ہوتے۔ کنانہ کی کنیت ابو النضر تھی، ان کی اولاد بنو کنانہ کہلائی۔

نظر بن کنانہ: ان کا اصل نام قیس تھا مگر اپنے حسن و جمال کے باعث نضر مشہور ہوئے۔ انکی کنیت ابو یخلد تھی۔ انکی ماں بُرہ بنتِ مُر تھیں۔ ان کے دو حقیقی بھائیوں کے علاوہ ایک علاتی بھائی عبد مناۃ تھے جنکی ماں قبیلہ ازد کی ایک خاتون ہالہ تھیں۔ نضر کی زوجہ عاتکہ کے بطن سے تین لڑکے مالک، یخلد اور صلت تھے۔ بعض مورخین نے نضر کا لقب قریش بتایا ہے۔

مالک بن نضر: انکی ماں کا نام عاتکہ بنتِ عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان بن مضر تھا۔ ابن سعد نے ان کا نام عاتکہ کے بجائے عکرشہ تحریر کیا ہے۔ مالک کے بھائی یخلد کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ قریش سے خارج ہو کر قبیلہ بنو عمر بن الحارث بن کنانہ میں داخل ہو گئے۔ مالک کے ایک فرزند ان کی زوجہ جندلہ کے بطن سے تھے۔

فہر بن مالک: انکی والدہ کا نام جندلہ بنتِ عامر بن الحارث بن مضاض بن زید بن مالک جرہمی تھا۔ بعض نے سلمہ بنت اُدّ بن طابخہ کو انکی ماں بتایا ہے۔ فہر کے زمانے میں یمن کے حاکم حسّان بن عبد کلال بن مثوب حمیری نے یمنی قبائل کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ مکہ پر اس غرض سے حملہ کیا کہ کعبہ کے پتھروں (بتوں) کو یمن لیجا کر نصب کر دے تاکہ تمام عرب حج کے لئے یمن آئیں حسان مقام نخلہ میں فروکش ہوا۔ اس نے اہل مکہ کے مویشیوں پر غارتگری کی اور راستے کو مسدود کر دیا۔ فہر بن مالک نے مکہ کے قبائل قریش، کنانہ، خزیمہ، اسد، جذام اور مضر وغیرہ کو ساتھ لیا اور حسان کے مقابلہ پر نکلے۔ فریقین میں نہایت شدید جنگ ہوئی۔ بنو حمیر کو شکست ہوئی اور ان کا سردار حسان گرفتار ہوا جو تین سال قید رہا پھر فدیہ دیکر اس نے رہائی حاصل کی اور اپنے وطن جاتے ہوئے راستے ہی میں

مر گیا۔ اس فتح نے فہر کی عظمت و شوکت کو دوبالا کر دیا اور فہر کا لقب قریش مشہور ہوا۔ بعد میں انکی نسل کے تمام قبائل قریشی کہلاتے۔

قریش کا ماخذ "تقرش" ہے جسکے بہت سے معنی ہیں مثلاً تحصیل و اکتساب، جمع کرنا یا جمع ہونا۔ اور ایک دریائی مچھلی کا نام بھی قریش ہے جو جانوروں کو دانتوں سے کاٹ ڈالتی ہے جس کے باعث تمام دریائی جانور اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ محققین و مورخین عرب عام طور پر قریش سے جمع کرنا یا جمع ہونا مراد لیتے ہیں لیکن ایک گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ قریش ایک دریائی مچھلی کا نام ہے جس سے حیوانات خوفزدہ رہتے ہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ فہر نے اپنے استبداد قوت کے اظہار کے لئے قریش کا لقب اختیار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے اسی تاویل کو اختیار کیا۔ فہر کے لقب قریش کی بابت علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ اباً عن جدٍ معزز اور ممتاز چلا آتا تھا لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور انھی کی اولاد قریشی ہے' حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں
>
> اما قریش فالاصح فهر　　جماعها والاکثرون النضر
>
> ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ فہر ہی قریش تھے اگرچہ اکثر افراد نضر کو بھی بتلاتے ہیں۔
> (سیرت النبی ص: ۱۲۳ ج: ۱)

اس ضمن میں شاہ معین الدین ندوی تحریر کرتے ہیں:

> "آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ظہور ہوا اس کا لقب قریش تھا اس نسبت سے اسکی نسل قریشی کہلاتی ہے۔ قریش کے کل خاندانے اسی کی نسل سے تھے۔"
> (تاریخ اسلام ص: ۴ ج: ۱)

فہر کے چار بیٹے غالب، محارب، حارث اور اسد تھے جن کی ماں لیلیٰ بنتِ حارث تھیں۔ جسٹس امیر علی کے بیان کے مطابق فہر کا زمانہ تیسری صدی عیسوی کا تھا

غالب بن فہر: انکی ماں لیلیٰ بنتِ حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ تھیں غالب کی کنیت ابو تمیم تھی انکے دو فرزند لوی اور تیم سلمیٰ خزاعیہ کے بطن سے تھے۔

لوی بن غالب: ان کی ماں کا نام سلمیٰ بنتِ کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعیہ تھا مگر ابن ہشام نے انکی ماں کا نام عاتکہ بنت یخلد بن نضر بن کنانہ بتایا ہے۔ لوی کی زوجہ ماریہ کے بطن سے ان کے چار بیٹے کعب، عامر، سامہ اور عوف پیدا ہوئے۔

کعب بن لوی انکی ماں کا نام ماریہ بنت کعب بن القین (انھیں نعمان بھی کہتے تھے) بن جسر بن شیع اللہ بن اسد بن وبرہ بن تغلب قضاعیہ تھا کہا جاتا ہے کہ عامر اور سامہ انکے حقیقی بھائی تھے اور عوف علاتی بھائی تھے جنکی ماں بارنہ بنتِ عوف بن غنم بن عبداللہ بن غطفان تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوی کی وفات کے بعد بارہ اپنے بیٹے عوف کو لے کر اپنی قوم میں چلی گئی اور وہاں ذبیان سے نکاح کر لیا جس نے عوف کو اپنا بیٹا بنا لیا اس طرح عوف نے اپنا نسب بنی غطفان سے منسلک کر لیا۔

کعب بن لوی صنادید عرب میں سے تھے۔ انکی وفات ۴۴۵۶ سال بعد از ہبوطِ آدم بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں ان کا سن پیدائش جاری ہو گیا تھا جو واقعہ فیل تک یعنی تقریباً چار صدی تک جاری رہا۔ عرب جمعہ کے دن آپکے پاس جمع ہوتے تھے آپ انھیں پند و نصائح کرتے تھے۔ ان کی کنیت ابو ہصیص تھی۔ ان کی زوجہ مخشیہ کے بطن سے تین لڑکے مرّہ، عدی اور ہصیص پیدا ہوئے۔

مرّہ بن کعب: انکی ماں مخشیہ (یا مخشیہ) بنتِ شیبان بن محارب بن فہر بن مالک تھیں۔ ان کے بھائیوں کی بابت کہا جاتا ہے کہ مرہ اور ہصیص کی ماں مخشیہ تھیں جبکہ عدی کی ماں رقاش بنت رکبہ بن نائلہ بن کعب بن حرب تھیں مرّہ کی ایک زوجہ ہند تھیں جن کے بطن سے کلاب پیدا ہوئے اور دوسری زوجہ بارقیہ کے بطن سے تیم اور یقظہ تھے۔ یہی تیم قبیلہ بنی تیم کے مورث اعلیٰ تھے حضرت ابوبکر اور طلحہ انہی کی نسل میں تھے یقظہ کے ایک بیٹے کا نام مخزوم تھا جنکی اولاد بنو مخزوم کہلائی حضرت ام سلمہؓ خالد بن ولید اور ابوجہل وغیرہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

کلاب بن مرّہ: انکی ماں ہند بنت سریر بن ثعلبہ بن الحارث بن فہر تھیں ہشام کا بیان ہے کہ کلاب کا اصلی نام حکیم تھا اور ان کے بھائی تیم اور یقظہ کی ماں اسماء بنتِ عدی بن حارث بن عمرو بن عامر بن بارق تھیں۔ کلاب کی زوجہ فاطمہ بنتِ سعد ازدیہ تھیں جن کے بطن سے دو فرزند زہرہ اور قصی پیدا ہوئے زہرہ کی نسل بنو زہرہ کہلائی، مادر پیغمبر حضرت آمنہ، سعد بن وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف اسی قبیلے سے تھے۔ فاطمہ بنت سعد نے کلاب کی موت کے بعد ربیعہ قضاعی سے عقد کر لیا۔

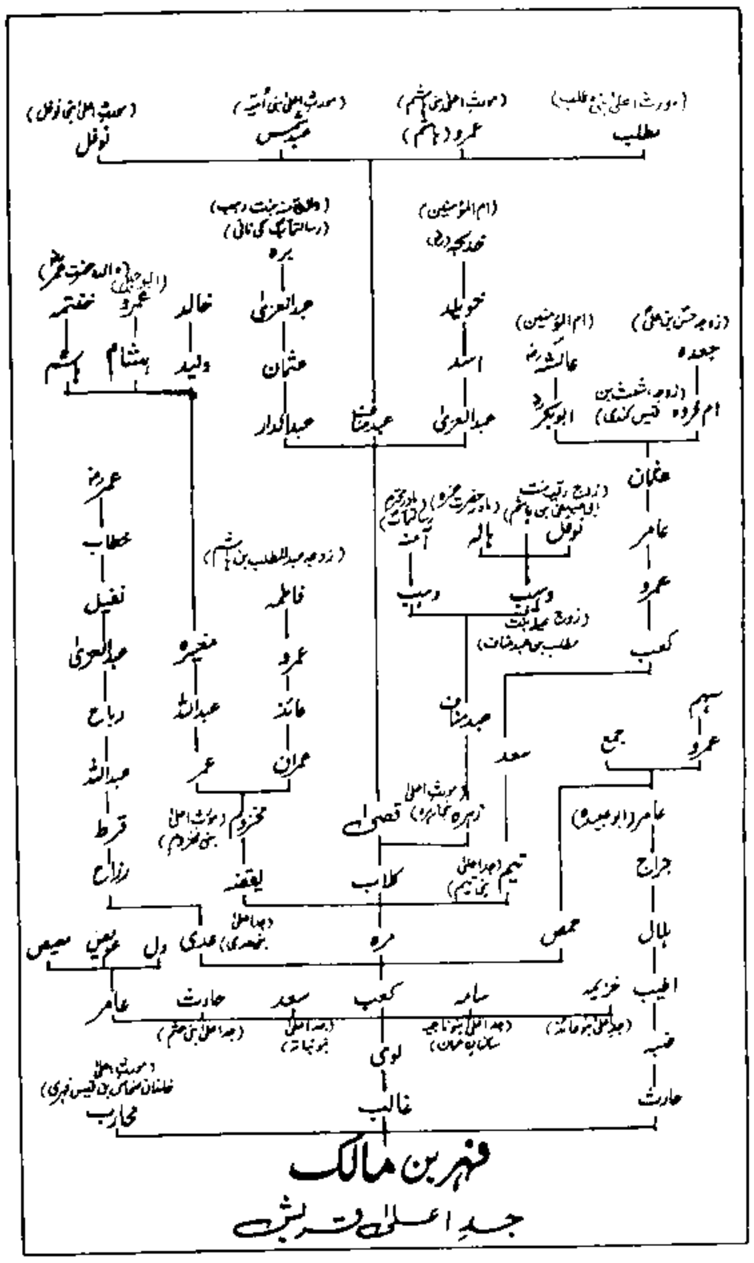

قصیٰ بن کلاب

نام، لقب وابتدائی حالات:

ان کا اصل نام زید تھا۔ آنکی والدہ فاطمہ بنتِ سعد بن خیر بن حمالۃ بن عوف بن عامر[1] تھیں۔ جنہوں نے قصیٰ کے والد کلاب کی وفات کے بعد ربیعہ بن حرام بن ضنہ بن عبد کبیر بن عذرہ بن سعد بن زید قضاعی سے عقد ثانی کر لیا۔ چونکہ ربیعہ شام کا رہنے والا تھا اسلئے فاطمہ اسکے ہمراہ شام چلی گئیں اور زید کو کم سنی کے باعث اپنے ساتھ لے گئیں اسطرح وہ مکہ سے دُور ہو گئے۔ اسی دُوری کی وجہ سے انکو قصیٰ کا لقب ملا قصیٰ کے لفظی معنیٰ دُور رہنے کے ہیں۔ زید شام میں پلتے بڑھتے رہے اور ربیعہ ہی کو اپنا باپ سمجھتے رہے۔ جب جوان ہوتے تو ایک روز ایک عذری سے، جس کا نام رقیع تھا کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ اس نے زید کو باپ کا طعنہ دیا جس پر زید نے گھر آکر ماں سے اپنے خاندان کی بابت دریافت کیا حقیقتِ حال معلوم ہونے پر یہ اپنے خاندان میں واپس جانے کے لئے اصرار کرنے لگے۔ پہلے تو ماں نے انھیں روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ کسی طرح نہ مانے تو ان کی ماں نے حج کے موقع پر بنو عذرا کے لوگوں کے ہمراہ مکہ بھیج دیا یہاں زید اپنے بھائی زہرہ سے ملے جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے حج کے بعد زید مکہ ہی میں ٹھہر گئے اور قصیٰ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اُس وقت تولیتِ کعبہ کا منصب بنی خزاعہ کے سردار حُلیل بن حبشیہ خزاعی

[1] چونکہ عامر نے پہلے پہل دیوارِ کعبہ تعمیر کی تھی اس لئے انکو جادر بھی کہتے ہیں جادر کے معنی دیوار کے ہیں۔

کے پاس تھا۔ اس نے اپنی بیٹی حُبّیٰ کا بیاہ قصیٰ سے کر دیا۔ حُبّیٰ کے بطن سے قصیٰ کے چار بیٹے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبدالقصیٰ[1] نیز دو بیٹیاں تخمر و برّہ پیدا ہوئے قصیٰ کے حُلیل خزاعی سے منصب تولیتِ کعبہ حاصل کرنے کی بابت ایک روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ حُلیل خزاعی نے رحلت کے وقت یہ وصیت کی کہ اسکے بعد مکہ کی کلید اس کی بیٹی حبّیٰ کو دی جائیں اور ابو غبشان منصب حجابت کو حبّیٰ کی مشارکت سے ادا کرے۔ حسبِ وصیت عمل کیا گیا۔ بعدہٗ قصیٰ نے اپنی زوجہ حبّیٰ سے کہا کہ تولیتِ کعبہ اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو منتقل کر دے لہٰذا حبی نے اپنا حق بیٹے کو منتقل کر دیا۔ چند روز بعد قصیٰ طائف گیا۔ اور وہاں ابو غبشان کے پاس قیام کیا۔ ابو غبشان نے محفلِ نشاط کا اہتمام کیا اور شراب و کباب میں مشغول ہو گیا جب ابو غبشان نشے میں بدمست ہوا تو قصیٰ نے ایک مقدار خیک (شراب) کے عوض منصب حجابت خرید لیا۔ اس بیع کو مضبوط کرنے کے لیے چند گواہ بناتے اور کلید خانۂ کعبہ حاصل کر کے مکہ لوٹ آیا۔ مکہ پہنچ کر قصیٰ نے قریش کو جمع کیا۔ ایک انجمن تشکیل دی اور کلید اپنے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دی۔ ادھر جب ابو غبشان کا نشہ اترا تو اپنے کیئے پر بہت پشیمان ہوا۔

اسی روایت کو شبلی نعمانی نے اس طرح بیان کیا ہے:

"قصیٰ نے حُلیل کی صاحبزادی سے جسکا نام حبّیٰ تھا شادی کی تھی۔ اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصیٰ کے سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا۔"

(سیرۃ النبیؐ ص ۱۶۳، ج ۱)

[1] ابن ہشام نے عبدالدار کے بجائے عبداللہ اور عبدالقصیٰ کے بجائے عبد نام تحریر کئے ہیں جبکہ بقیہ نام یہی ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام، ص: ۱۳۵، ج ۱)۔

لقب قریش سب سے پہلے کس کو ملا اور اس کی وجہ تسمیہ کیا تھی؟ اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک گروہ کے خیال کے مطابق قریش کا لقب سب سے پہلے نظر بن کنانہ کو ملا جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ لقب سب سے پہلے فہر بن مالک کو دیا گیا۔ ایک تیسرا گروہ قصیٰ بن کلاب کے حق میں دلائل دیتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ صحیح اور حق بات یہ ہے کہ قریش سب سے پہلے قصیٰ ہی کو کہا گیا جس کی تصدیق میں ابن سعد نے طبقات میں تفصیل سے شہادتیں پیش کی ہیں[1]

ابن عباس سے روایت منقول ہے کہ کعب بن لوی کی اولاد میں قصیٰ پہلے شخص تھے جنھیں مکہ کی حکومت ملی اور جملہ قبائل نے انکی اطاعت کی قصیٰ نے مکہ سے بنو خزاعہ اور بنو بکر کو نکال کر مکہ میں ایک منظم شہری ریاست کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے بیت اللہ کے متصل دارالندوہ کی عمارت تعمیر کی جس میں مختلف قبائل کے سردار قومی امور کا فیصلہ باہمی صلاح و مشورہ سے کرتے تھے۔ کوئی جلسہ ہو یا جنگ کی تیاری، قافلہ کی روانگی ہو یا نکاح کی تقریب غرض کہ جملہ مراسم اسی عمارت میں ادا ہوتے تھے۔ قصیٰ نے مکہ میں قریش کی مستقل آبادکاری کے لئے قبائل کے جُداگانہ محلے آباد کئے۔ قریش پر سالانہ دو محصول عائد کئے جن کی آمدنی سے حجاج کے خورد و نوش کا انتظام اور مالی امداد کی جاتی تھی قصیٰ نے اپنی قائم کردہ ریاست کے چودہ عہدے قائم کر دہ مختلف قبائل کے سرداروں کی تحویل میں دے دیتے۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان عہدوں کی تفصیل درج ذیل تھی[2]:

نمبر شمار	قبائل	عہدہ	نوعیت
۱	بنو ہاشم	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام

[1] طبقات ابن سعد صفحہ: ۱۱۱ جلد: ۱؛ [2] تاریخ طبری صفحہ: ۲۵۹ جلد: ۲۔ الطبقات الکبریٰ صفحہ: ۳، ج: ۱

نمبر شمار	قبائل	عہدہ	نوعیت
۲	بنو ہاشم	عمارہ	خانۂ کعبہ کا عام انتظام
۳	بنو نوفل	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام
۴	بنو عبدالدار	ندوہ	دارالندوہ کا انتظام
۵	؍؍	سدانہ	خانۂ کعبہ کی دربانی و کلید برداری
۶	بنو اسد	شوریٰ	امورِ مہمہ میں صلاح و مشورہ لینا
۷	بنو امیہ	عقاب	جنگ کے وقت قومی نشان برداری
۸	بنو سہم	حکومت	مقدمات کے فیصلے
۹	؍؍	اموال محجرہ	بتوں کے نذرانے اور جائیداد کا انتظام
۱۰	بنو جمح	الیسار	بتوں سے فال لینے کی خدمت
۱۱	بنو تیم	اشناق	خون بہا، جرمانے اور مالی تاوان کی وصولی
۱۲	بنو مخزوم	قبہ	فوجی اور عسکری انتظام
۱۳	؍؍	اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری
۱۴	بنو عدی	سفارت	سفارتی امور

قصیٰ کے کارناموں کی بابت شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"قصیٰ نے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایا اور رفادہ، جو خدامِ حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا۔ تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے"

چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا ———

اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے۔ مشعر حرم بھی انہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے۔ چنانچہ عقد الفرید میں تصریح ہے، قصیٰ نے اس قدر شہرت یابی اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصیٰ نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے انکو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے تھے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے

قصی ابوکم من یسمی مجمعاً
بہ جمع اللہ القبائل من فہر

ترجمہ: "وہ تمہارا باپ قصیٰ ہی تھا جس نے جتھہ بندی گروہ بندی کا دعویٰ کیا اور اسی کے ذریعہ سے خداوند عالم نے فہر کے منتشر قبیلوں کو جمع کیا۔ (سیرت النبیؐ، ص ۱۶۴ ج:۱)

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

"اس (فہر) کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص، قصیٰ پیدا ہوا قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت ابتر تھی۔ ان کا کوئی نظام نہ تھا۔ وہ حجاز کے مختلف گوشوں میں منتشر تھے۔ حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض تھے اور قصیٰ

کے ورودِ مکہ کے وقت حرم کی تولیت حلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی، قصیٰ بچپن سے نہایت حوصلہ مند، عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھے۔ انھوں نے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکال دیا اور قریش کے قبیلوں کو جو منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا، انکی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا۔"

(تاریخ اسلام، ص ۵، ج:۱)

علامہ دیار بکری تحریر کرتے تھے:

"قصیٰ اپنے بلند و بالا کردار و عظیم الشان کارناموں سے اس حد تک ان کے ذہنوں پر چھائے تھے کہ مرنے کے بعد بھی ان کی شان و عظمت مقبول و پسندیدہ اور بہترین مثالیہ کی سی تھی۔ کوئی بھی انکی مخالفت نہ کرتا تھا۔"

(تاریخ خمیس ص ۱۵۹، ج:۱)

قصیٰ کے آخری ایام:

چونکہ قصیٰ اپنے بڑے بیٹے عبدالدار سے محبت کرتا تھا اس لئے اس نے اپنے آخری ایام میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ عبدالدار کو اپنا ولی بنائے گا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عبدالدار ان فرائض کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے برعکس عبدمناف میں یہ صلاحیتیں موجود تھیں۔ بقول ابن اسحٰق عبدمناف نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں عزت و رفعت اور ہر طرح کے تجربات حاصل کر لئے تھے۔ لیکن پھر بھی قصیٰ کو قوم پر جتنے اختیارات تھے وہ سب عبدالدار کے حوالہ کر دیئے — اور قصیٰ کا یہ حال تھا کہ وہ عبدالدار کی کسی بات سے نہ اختلاف کرتا تھا اور نہ کوئی بات ٹھکراتا تھا۔

ابن اسحاق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب قصیٰ بن کلاب کا انتقال ہو گیا تو مکہ و اہل مکہ کے تمام انتظامات فرزندان قصیٰ نے سنبھال لئے انھوں نے مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ عرصہ تک ان میں کوئی جھگڑا یا اختلاف نہیں ہوا لیکن پھر بنی عبدمناف یعنی عبدشمس، ہاشم، مطلب اور نوفل نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بنی عبدالدار کے ہاتھوں میں حجابہ، لواء سقایہ اور رفادہ کے جو عہدے ہیں اور جو قصیٰ نے حوالے کئے وہ لے لئے جائیں۔ یقیناً انھیں بنی عبدالدار پر برتری حاصل تھی اور قوم میں بھی انھیں افضل مانا جاتا تھا۔ قریش اس وقت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ بنی عبدمناف کا طرفدار تھا اور بنی عبدالدار سے زیادہ مستحق مانتا تھا۔ دوسرا گروہ بنی عبدالدار کا ہم نوا تھا اور کہتا تھا کہ قصیٰ جو اختیارات بنی عبدالدار کے حوالے کر چکا ہے وہ چھینے نہ جائیں۔"[1]

عبدمناف کی بابت ابن خلدون نے تحریر کیا ہے کہ "عبدمناف بن قصیٰ قبیلۂ قریش کے ایک نامور شخص تھے۔ لوگ انکی عزت کرتے تھے۔ ان کے چار لڑکے عبدشمس، ہاشم، مطلب اور نوفل تھے۔ بنو عبدشمس و بنو ہاشم حکومت عبدمناف کو تقسیم کئے ہوئے تھے۔ بنو مطلب اور بنو نوفل انکے شریک تھے چنانچہ بنو مطلب بنو ہاشم کے اور بنو نوفل بنو عبدشمس کے دوست تھے۔"[2]

مورخین کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ قصیٰ نے طویل عمر پائی۔ مثلاً جسٹس امیر علی تحریر کرتے ہیں کہ "یہ خاصے معمر ہو کر سنہ ۴۸۰ء میں فوت ہوئے۔[3] انھیں جحون کے قبرستان میں جو مکہ کے بالائی حصے میں واقع ہے دفن

[1] سیرۃ ابن ہشام، ص: ۱۵۸، ج: ۱ [2] تاریخ ابن خلدون۔ ص ۲۹۳، ج: ۲
[3] اسپرٹ آف اسلام (انگریزی)۔

کیا گیا۔ قصیٰ کی وفات پر ان کی بیٹی تخمیرؔ نے ایک مرثیہ کہا جس کے چند اشعار ابن سعدؔ نے نقل کئے ہیں اور جنھیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱۔ طرق النعی بعید لوم المحد — فنعی قصیاً ذا الندیٰ والسؤدد

۲۔ فنعی المهذب من لوی کلها — فانهل دمعی کالجمان المفرد

۳۔ فارقت من حزن وهم داخل — اوق السلیم لوحده المتفقد!

ترجمہ: (۱) سونے والے سو رہے تھے کہ کچھ ہی دیر کے بعد موت کی خبر دینے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور قصیٰ کی خبرِ مرگ سنائی جو کریم تھے، سخی تھے اور سردار و رہبرِ قوم تھے۔

۲۔ اس نے ایسے شخص کی خبرِ مرگ سنائی جو تمام خاندان لوی میں سب سے زیادہ مہذب تھے یہ سن کر میرے آنسو بہنے لگے۔ جیسے موتی یا موتی کی ایک لڑی بکھر جاتے۔

۳۔ اس اندرونی رنج و غم سے میری نیند اُچٹ گئی، جاتی رہی جیسے بے قراری کے باعث سانپ ڈسے ہوئے کی ہوتی ہے۔[1]

عبد مناف بن قصیٰ: انکا اصل نام مغیرہ تھا۔ اپنے حسن و جمال کے سبب قمرِ بطحیٰ کہلاتے تھے — یہ حق گو اور حق شناس تھے۔ انکی کنیت ابو عبد شمس تھی۔ طبری کا بیان ہے کہ انکی ماں حبی نے انھیں مناف نامی بت کے آگے ڈال دیا تھا اس لئے انھیں عبد مناف کہا جانے لگا۔ مگر ابن سعد کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے قصیٰ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے اپنے دو بیٹوں کے نام اپنے معبودوں عزیٰ اور مناف کے نام پر، ایک کا نام اپنے گھر اور ایک کا نام اپنے نام پر رکھا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبد مناف لقب نہیں بلکہ نام تھا۔ عبد مناف اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ

[1] طبقات ابن سعد، ص: ۱۱۰، ج: ۱۔

با صلاحیت تھے۔ ان کا دور پانچویں صدی عیسوی کا قریبی زمانہ تھا۔ قصیٰ کی وفات کے بعد انکے بڑے لڑکے عبدالدار ان کے جانشین ہوئے مگر انمیں قریش کی سرداری کی صلاحیت نہیں تھی لہذا عبد مناف کو قریش کا سردار مقرر کیا گیا جھوں نے اپنے باپ کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنایا۔

عبد مناف کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں جنہیں مطلب سب سے بڑے بیٹے تھے ہاشم، عبد شمس اور تماخرہ، ختہ، برہ، قلابہ، ہالہ یعنی تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں عاتکہ کبریٰ بنت مرہ بن ہلال سلمیہ کے بطن سے تھے جبکہ نوفل، ابو عمرو، ابو عبید یہ تینوں بیٹے واقدہ بنت عامر بن عبد لہم بن زید بن مازن کے بطن سے تھے۔ چھٹی بیٹی رلیطہ کی ماں کا تعلق بنی ثقیف سے تھا۔ عبد مناف کے بیٹوں نے قریش کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ قریش کی تجارت کو ان کے باعث فروغ حاصل ہوا۔ انھوں نے دیگر ممالک سے تجارتی پروانے حاصل کئے۔ انہی وجوہات کی بنا پر انھیں مجبّرون کہا جانے لگا کیونکہ انہی کے ذریعہ اللہ رب العزت نے قریش کو فقر کے بعد غنا عطا کی۔

عبد مناف کے جود و سخا سے متاثر ہو کر قبائل قریش انھیں "فیاض" کے لقب سے پکارتے تھے۔ عبد مناف کے دل میں خوفِ خدا تھا۔ وہ خود بھی اللہ سے ڈرتے تھے اور قوم کو بھی خدا سے ڈرنے کی تلقین کرتے تھے۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے: "ذکر الزبیر عن موسیٰ بن عقبہ انہ وجد کتابا فی حجر فیہ عن المغیرہ بن قصی انہ بتقوی اللہ۔"[1]

ترجمہ: زبیر نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے عبد مناف کا ایک نوشتہ پایا جس میں لکھا تھا کہ میں مغیرہ بن قصیٰ لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہا کریں۔

[1] تاریخ خمیس، ص: ۱۷۶، ج: ۱

عبد مناف کی اولا میں چار بیٹے مطلب، عمرو (ہاشم)، عبد شمس اور نوفل مشہور تھے۔ ان میں سے مطلب اور ہاشم کے حالات آئندہ صفحات میں تحریر کرینگے۔ یہاں پر عبد شمس اور نوفل کا تذکرہ پیش ہے۔

عبد شمس: ہاشم اور عبد شمس جڑواں پیدا ہوئے۔ بقول مولوی نذیر احمد صاحب ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی پر چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلانِ دم الگ ہونا ممکن نہ تھا لہذا انھیں تلوار سے کاٹ کر جدا کیا گیا۔ اس قطع کے باعث جو خون بہا اس کے پیشِ نظر لوگوں نے یہ پیشین گوئی کی کہ ان کے درمیان خوں ریزی ہوگی۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے ہاشم اور عبد شمس کے درمیان کبھی کوئی تنازعہ یا اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اس کے برعکس ہاشم کی فلاحی خدمات میں عبد شمس نے بھرپور ساتھ دیا۔ جب ہاشم نے اپنے بھائیوں کے ذریعہ خط و کتابت اور پیغام رسانی کرکے دیگر اقوام سے تجارتی روابط قائم کئے تو عبد شمس کو حبشہ بھیجا جہاں انھوں نے نجاشی الاکبر سے تجارت کرنے کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ ان چاروں بھائیوں کی کوشش و کاوش سے قریش کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ اللہ نے انھیں خوشحالی و فارغ البالی عطا فرمائی۔ انہی کارناموں کی بنا پر قوم نے ان چاروں بھائیوں کو "مجبرون" کے لقب سے ملقب کیا۔ تاریخ میں یہ واقعہ بھی مرقوم ہے کہ بنی عبدالدار کے سپرد رفادہ کی خدمات تھیں چونکہ وہ فیاضی اور کشادہ دلی سے حجاج کی ضیافت و سقایت کا اہتمام کرنے سے قاصر تھے لہذا ہاشم نے ان سے یہ منصب واپس لے لیا اس موقع پر عبد شمس ہاشم کے دوش بدوش تھے۔ بہر حال عبد شمس نے پوری زندگی اپنے بھائی ہاشم سے اختلاف نہیں کیا البتہ عبد شمس کے ایک بیٹے امیہ نے یہ کارِ بد انجام دیا۔ وہ اپنے چچا کے مقابل

کھڑا ہوا لیکن ذلیل ہو کر دس سال کے لئے جلا وطن کیا گیا۔ عبد شمس کا مکہ میں انتقال ہوا اور وہ اجیاد میں دفن کئے گئے۔

اولادِ عبد شمس: عبد شمس کے بیٹے امیہ، عبد العزیٰ، حبیب اور ربیعہ تھے ان میں امیہ کے حالات جناب ہاشم کے باب میں تحریر ہیں۔ یہ بنی امیہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ ان کے پانچ بیٹے ابی العاص، ابو العیص، صفوان، حرب اور ابی عمرو تھے۔ ابی العاص کے بیٹے سعید، عفان یہ خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کے والد تھے۔ مغیرہ، الحکم تھے اور ایک بیٹی صفیہ تھی جو زوجہ تھی ابوسفیان کی۔ امیہ کے دوسرے بیٹے ابو العیص کے ایک بیٹا اسید تھا اور بیٹی اروی تھی جو زوجہ تھی ابوجہل کی۔ امیہ کے تیسرے بیٹے صفوان کے ایک بیٹا علقمہ اور ایک بیٹی آمنہ اور دوسری حسنہ تھی۔ آمنہ حکم بن العاص کی اور حسنہ ابی وقاص کی زوجہ تھی۔ امیہ کا چوتھا بیٹا ابی عمرو تھا جس کا ایک بیٹا ابو معیط تھا اس کا ایک بیٹا عقبہ تھا جو دشمنِ خدا اور رسول تھا اسی نے بحالت نماز آنحضرت صلعم کے گلے میں پھندا ڈال کر گھسیٹا تھا۔ یہ جنگِ بدر میں اسیر ہوا۔ امیہ کا پانچواں بیٹا حرب تھا اس کے دو بیٹے عمرو اور صخر (ابو سفیان) تھے اور ایک بیٹی اروی (اُم جمیل) تھی جو زوجہ تھی عبد العزیٰ بن عبد المطلب بن ہاشم کی۔ صخر کی کنیت ابو سفیان تھی اس کے ایک بیٹے یزید کی ماں زینب بنتِ نوفل کنانیہ تھی جبکہ زینب، عقبہ اور معاویہ ان تینوں کی ماں ہند بنتِ عتبہ بن ربیعہ تھی۔ ان کے علاوہ رملہ (ام حبیبہ)، امیہ اور ہند، ان تینوں کی ماں صفیہ بنتِ ابی العاص تھی۔ ایک اور بیٹا حنظلہ تھا جو بدر میں قتل ہوا۔ اس طرح ابو سفیان کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ معاویہ بن ابو سفیان ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اموی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لئے سر توڑ کوشش کی

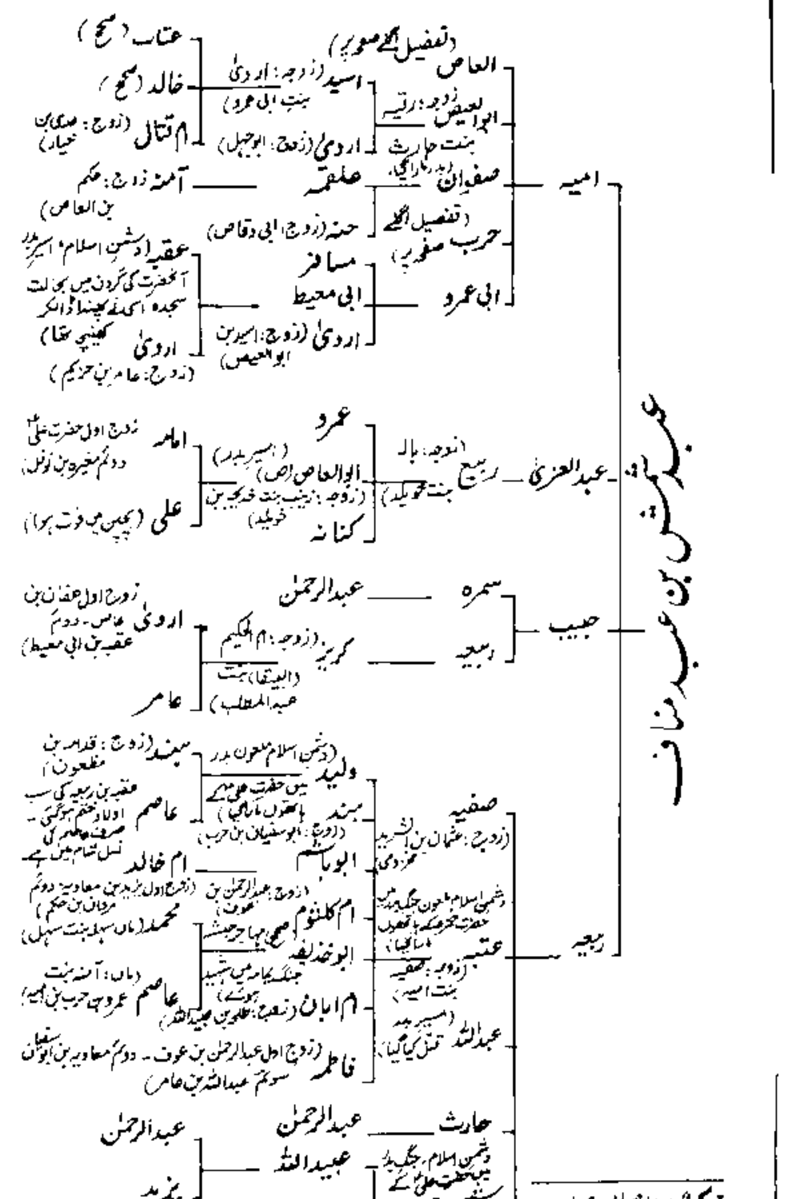

"(ص)" سے مراد صحابی و صحابیہ ہے۔
"(ت)" سے مراد تابعی ہے۔

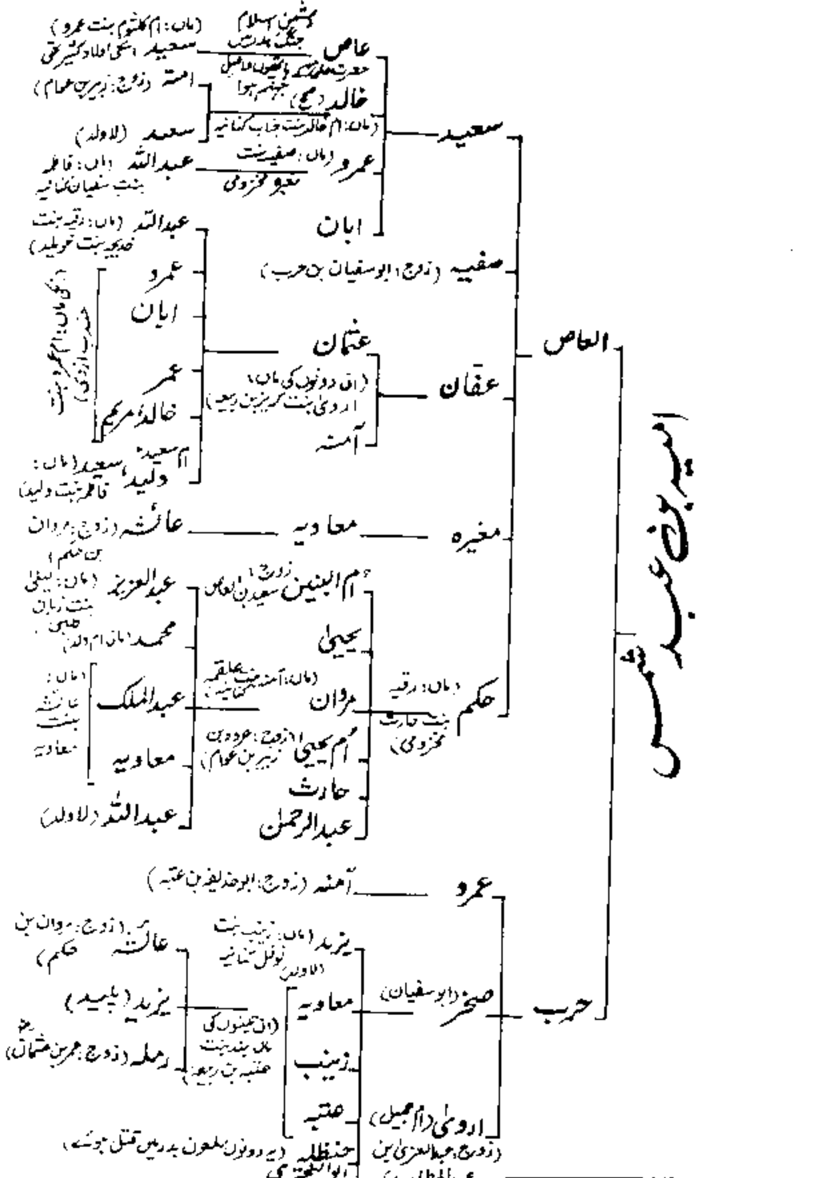

"(ص)" سے مراد صحابی و صحابیہ ہے۔
"(ت)" سے مراد تابعی ہے۔

عبدشمس کے دوسرے بیٹے عبدالعزیٰ کا ایک بیٹا ربیع تھا اس کا ایک بیٹا ابوالعاص تھا جسے جنگِ بدر میں مسلمانوں نے قید کرلیا۔

عبدشمس کے تیسرے بیٹے حبیب کے ایک بیٹا سمرہ اور دوسرا ربیعہ تھا، ربیعہ کا بیٹا کریز تھا جسکی زوجہ ام الحکیم (البیضا) بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھی۔ ان کے ایک بیٹی جو زوجہ تھی عثمان بن عفان کی اور ایک بیٹا عامر تھا جو عہدِ فاروقی میں بصرہ کا امیر تھا۔ عبدشمس کے چوتھے بیٹے ربیعہ کے ایک بیٹا عتبہ یہ دشمن اسلام جنگ بدر میں حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا، دوسرا شیبہ یہ بھی جنگِ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اسکی ایک بیٹی رملہ حضرت عثمان بن عفان کی زوجہ تھی۔ تیسرا بیٹا عبداللہ جنگِ بدر میں قید ہوا۔ عتبہ بن ربیعہ کا ایک بیٹا ولید، یہ دشمن اسلام بھی جنگِ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا۔ عتبہ کا دوسرا بیٹا ابوہاشم تھا۔ اسکی ایک بیٹی اُم خالد جو یزید بن معاویہ کی زوجہ تھی۔ عتبہ کا تیسرا بیٹا ابوحذیفہ مہاجرین حبشہ میں شامل تھا۔ عتبہ کی ایک بیٹی ہند ابوسفیان بن حرب کی زوجہ، دوسری اُمّ کلثوم عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ، تیسری بیٹی فاطمہ معاویہ بن ابوسفیان کی زوجہ اور چوتھی بیٹی اُمّ ابان طلحہ بن عبیداللہ کی زوجہ تھی۔ ربیعہ کا چوتھا بیٹا حارث تھا۔ اس کا ایک بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ جسکی زوجہ جویریہ بنت ابوسفیان تھی۔

نوفل بن عبد مناف: تاریخ میں نوفل کا کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں بیان کیا گیا۔ سوائے اس کے کہ ہاشم کا بھائی ہونے کی وجہ سے "مجبرون" میں شامل ہے۔ یا پھر ہاشم کے ایک کنوئیں پر متصرف تھا۔ جب

عبدالمطلب نے اسکی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے غصب کرنے کی کوشش کی لیکن عبدالمطلب کے ماموؤں نے وہ کنواں عبدالمطلب کو دلوا دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل عبدالمطلب کے باب میں تحریر ہے۔ بقول طبری "اس واقعہ کا خود نوفل پر یہ اثر ہوا کہ اس نے تمام بنی عبدشمس سے بنی ہاشم کے خلاف ایک سمجھوتہ کرلیا۔"[1]

اولادِ نوفل: نوفل کے چار بیٹے عدی، عامر، عبدعمرو اور ضریب تھے اور ایک بیٹی امتہ تھی۔ عدی کے تین بیٹے طعیمہ، مطعم اور الخیار تھے عامر کا ایک بیٹا حارث تھا جو بحالتِ کفر بدر میں مارا گیا۔ عبدعمرو کے ابوعمرو اور قرظہ تھے جبکہ ضریب کے ایک بیٹا نافع تھا ——— جو باپ تھا ام قتال کا۔ نوفل کی اولاد میں عدی اور عامر کی نسل خوب پھیلی جو بنی نوفل کہلائی۔

[1] تاریخ طبری۔ ص: ۳۵۔ ج: ۱

مطلب بن عبد مناف

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب مطلب، عبد مناف کے فرزندِ اوّل اور جناب ہاشم کے برادرِ بزرگ تھے۔ انکی ماں عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج ثعلبہ تھیں کتبِ تواریخ میں انکے حالات و واقعات اختصار سے بیان کئے گئے ہیں اور جو کچھ تحریر ہیں وہ یا تو جناب ہاشم کے ضمن میں آئے ہیں یا جناب عبد المطلب کے باب میں مرقوم ہیں۔ اس اعتبار سے ہم جناب مطلب کے حالاتِ زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلا حصہ سنہ ۵۱۰ء یعنی وفاتِ ہاشم سے قبل کا ہے اور دوسرا حصہ سنہ ۵۱۰ء تا سنہ ۵۲۰ء کا ہے لہٰذا جناب مطلب کے حالات کو جناب ہاشم اور جناب عبد المطلب کے باب میں بیان کیا جاتا رہے گا۔ فی الحال مورخین کے چند ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے جناب مطلب کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

ابنِ سعد نے محمد بن السائب کلبی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

"ہاشم بن عبد مناف نے اپنے بھائی مطلب بن عبد مناف کو اپنا وصی بنایا تھا۔ یہی باعث ہے کہ بنی ہاشم و بنی مطلب آج تک ایک ہیں اور بنی عبد شمس و بنی نوفل فرزندانِ عبد مناف اب تک ایک دست ہیں" (طبقات ابن سعد ص ۱۲۱ ج ۱)

آگے چل کر ابنِ سعد نے محمد بن عمر بن واقد اسلمی کی یہ روایت بیان کی ہے:

"مطلب بن عبد مناف ــــ بن قصیٰ بن کلاب، ہاشم اور عبد شمس دونوں سے بڑے تھے۔ قریش کے لئے نجاشی سے انہی نے تجارتی عہد نامہ حاصل کیا تھا۔

اپنی قوم میں شریف و سردار تھے اور ان کی اطاعت کی جاتی تھی جود و کرم کے باعث قریش انھیں الفیض (یعنی فیاض) کہتے تھے۔ ہاشم کے بعد سقایہ و رفادہ کے یہی متولی ہوئے"۔ (طبقات ابن سعد، ص: ۱۲۵۔ ج: ۱)

اسی بات کو ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے اس طرح تحریر کیا ہے:

"جناب ہاشم کے انتقال کے بعد سقایہ و رفادہ کی نگرانی مطلب بن عبد مناف سے متعلق ہوگئی جو عبد شمس کا چھوٹا بھائی تھا۔ قوم میں اس کو عزت و شرف بھی حاصل تھا۔ قریش نے اس کی سخاوت کے سبب سے اس کا نام 'فیض' رکھ دیا تھا"۔

(سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۶۳ جلد: ۱)

جناب مطلب کی وفات کی بابت مرقوم ہے کہ آپ حسبِ معمول قریش کے کاروانِ تجارت کے ساتھ یمن جا رہے تھے بمقام قزوان میں پہنچ کر علیل ہوگئے اور وہیں انتقال کر گئے جناب مطلب کی وفات جناب ہاشم کے انتقال کے دس برس بعد تقریباً سنہ ۵۲۰ء میں ہوئی اس بارے میں جسٹس امیر علی اپنی کتاب دی اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۵ پر تحریر کرتے ہیں:۔

ترجمہ: "مطلب نے یمن کے علاقہ خزوان میں تقریباً سنہ ۵۲۰ء کے آخر میں انتقال کیا اور انکا بھتیجا عبد المطلب بحیثیت سردار مملکتِ مکہ ان کا جانشین مقرر ہوا"۔

مطلب کا انتقال ردمان نامی بستی میں ہوگیا جو سرزمین یمن میں واقع ہے کسی عرب نے انکے مرثیہ میں کہا کہ:

ترجمہ: "حجاج چھلکتے اور لبریز پیالوں کے پینے کے بعد المطلب کے مر جانے سے پیاسے ہوگئے۔ کاش قریش اس کے بعد کسی ایک جھنڈے پر متفق ہوتے۔"

اسکے علاوہ مطرود خزاعی جو عرب کا بہت مشہور شاعر تھا۔ اُس نے مطلب بن عبد مناف اور دیگر۔ اولادِ عبد مناف کا مرثیہ کہا ہے۔ یہ مرثیہ بہت طویل ہے۔ اس کے

چند اشعار جو مطلب بن عبد مناف سے متعلق ہیں ابن ہشام سے نقل ہیں:۔

يَا عَيْنُ جُودِي وَأَذْرِي الدَّمْعَ وَانْهَمِرِي ... وَابْكِي عَلَى السِّرِّ مِنْ كَعْبِ الْمُغِيرَاتِ

اے آنکھ! سخاوت کر، آنسو بہا اور بنی مغیرہ کے بیے چھپ چھپ کر رو جو کعب اشرف کی اولاد تھے۔

يَا عَيْنُ وَاسْحَنْفِرِي بِالدَّمْعِ وَاحْتَفِلِي ... وَابْكِي خَبِيئَةَ نَفْسِي فِي الْمُلِمَّاتِ

اے آنکھ! خوب تیزی سے آنسوؤں کا تار باندھ دے اور آفات میں جو لوگ میرے دل کے اندر رہتے ہیں ان پر رو۔

وَابْكِي عَلَى كُلِّ فَيَّاضٍ أَخِي ثِقَةٍ ... ضَخْمِ الدَّسِيعَةِ وَهَّابِ الْجَزِيلَاتِ

رو ایسے شخص پر جو فیاض اور بھروسے کے قابل بڑی بڑی عطاؤں، اور بڑے بڑے انعامات دینے والا ہے۔

مَحْضِ الضَّرِيبَةِ عَالِي الْهَمِّ مُخْتَلِقٍ ... جَلْدِ النَّحِيزَةِ نَاءٍ بِالْعَظِيمَاتِ

پاک فطرت والا، عالی ہمت، قوی مزاج، بڑی بڑی آفتوں میں بھی ثابت قدم۔

صَعْبِ الْبَدِيهَةِ لَا نِكْسٍ وَلَا وَكِلٍ ... مَاضِي الْعَزِيمَةِ مِتْلَافِ الْكَرِيمَاتِ

پہلی نظر میں نہایت سخت معلوم ہونے والا نہ کمزور، نہ اپنے کام دوسروں کے حوالے کرنے والا۔ مضبوط ارادے والا، اچھی اچھی قیمتی چیزوں کو سیر چشمی سے لٹانے والا۔

صَقْرٍ تَوَسَّطَ مِنْ كَعْبٍ إِذَا نُسِبُوا ... بُحْبُوحَةَ الْمَجْدِ وَالشُّمَّ الرَّفِيعَاتِ

نسب پوچھا جائے تو بنی کعب کا شہباز، خاندان، شرافت اور بلند و اعلیٰ ہستیوں میں منتخب۔

ثُمَّ انْدُبِي الْفَيْضَ وَالْفَيَّاضَ مُطَّلِبًا ... وَاسْتَخْرِطِي بَعْدَ فَيْضَاتٍ بِجَمَّاتِ

پھر فیاض مطلب اور سراپا فیض پر ماتم کر اور فیوضِ کثیرہ کے جاتے رہنے کے بعد خوب رو۔

أَمْسَى بِرَدْمَانَ عَنَّا الْيَوْمَ مُغْتَرِبًا ... يَا لَهْفَ نَفْسِي عَلَيْهِ بَيْنَ أَمْوَاتِ

آج وہ ہم سے دور غریب الدیار ردمان میں پڑا ہے۔ مجھے دل افسوس ہے کہ وہ مُردوں کے درمیان پڑا ہے۔

اولادِ مطلب: جناب مطلب بن عبد مناف کے حارث[1]، عباد[2]، مخرمہ[3]، ہاشم[4]، ارثہ[5]، ابی رہم بیٹے اور عُثیلہ بیٹیاں تھیں۔ ابن ہشام نے جنگِ بدر میں شرکت کرنے والے مہاجرین کی فہرست مرتب کی ہے اس میں اولادِ مطلب کے مندرجہ ذیل نام شامل ہیں: ۱۔ العبیدہ بن الحارث بن مطلب۔ ۲۔ الطفیل بن الحارث بن مطلب۔ ۳۔ الحصین بن الحارث بن مطلب۔ ۴۔ مسطح جن کا نام عوف بن اثاثہ بن عباد بن المطلب[1]۔

حارث بن مطلب: حارث کی زوجہ بخلہ بنت خزاعی بن حویرث بن حبیب (بنی ثقیف) سے تھیں ان کے بطن سے عبیدہ، طفیل اور حصین تھے۔ یہ تینوں اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے یعنی آنحضرت صلعم کے دار الارقم میں دعوتِ اسلام دینے سے پیشتر یہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ تینوں اصحابِ رسول تھے انھوں نے مدینہ ہجرت کی اور بدر کی جنگ میں شرکت کی۔ عبیدہ جنگِ بدر میں شہید ہوئے ان کا مختصر تذکرہ ہم ذیل میں کر رہے ہیں جبکہ طفیل اور حصین جنگِ احد میں بھی شریک رہے۔ ان دونوں کی وفات سنہ ۳۲ھ میں بیان کی گئی ہے۔ طفیل کے ایک بیٹا محمد تھا جو بدری تھا۔

عُبیدہ بن حارث: جناب عبیدہ نے مدینہ ہجرت کی اور غزوات میں حصہ لیا۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ دنیائے اسلام میں اللہ کے رسول نے جسکو سب سے پہلے علم عطا فرمایا وہ یہی عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف تھے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بقول محمد بن اسحٰق ہجرت کے تیرھویں مہینے اور بقول واقدی ہجرت کے اٹھارھویں مہینے میں رسول اللہ صلعم نے عبیدہ بن الحارث کو سفید علم دے کر جہاد کے لئے بطن رابغ بھیجا اور ساٹھ ستر سوار مہاجرین ان کے ہمراہ تھے۔ ان میں کوئی

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۸۹، ج: ۱ ص

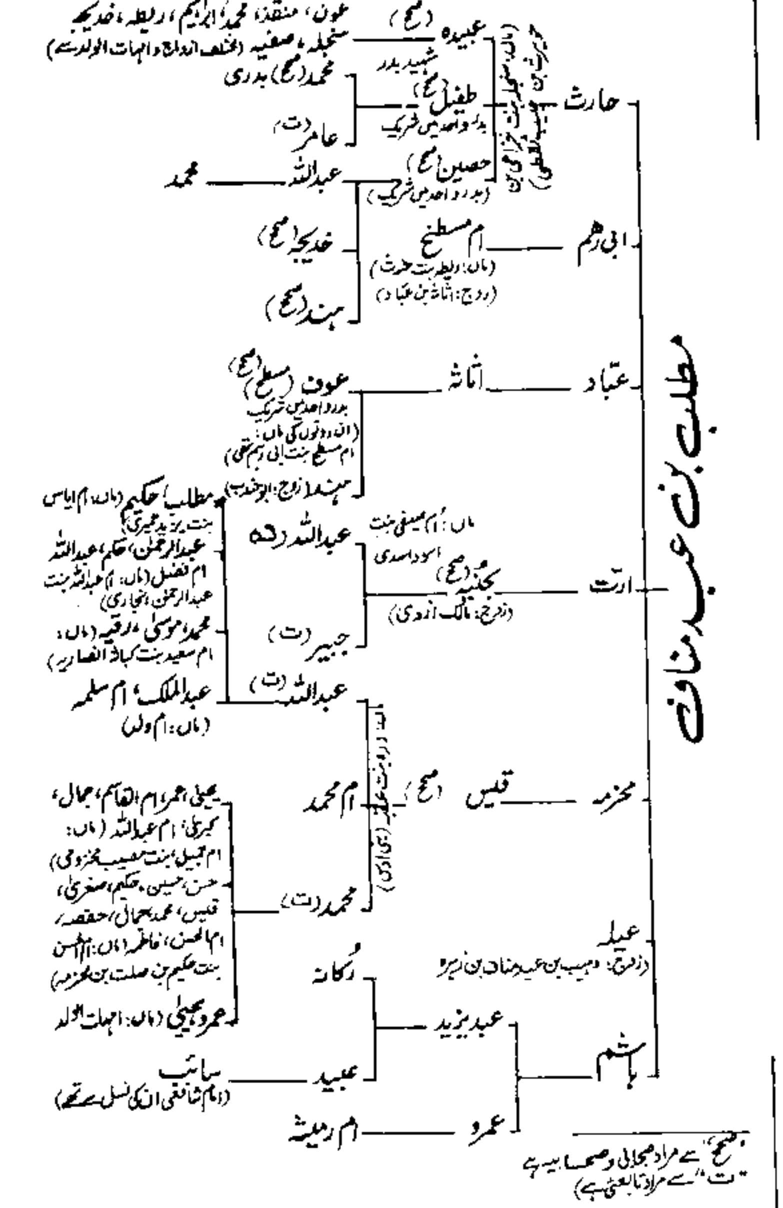

بھی انصار نہ تھا۔ یہ جماعت ثنیۃ المرہ زیریں حصے میں واقع ایک چشمہ آب جس کا نام "احیاء" تھا، پہنچی تو قریش کے لشکر سے مڈبھیر ہوگئی۔ واقدی کے بیان کے مطابق مشرکین کے لشکر کا امیر ابوسفیان بن حرب تھا اور اسکے لشکر کی تعداد دو سو تھی۔ طرفین میں صرف تیراندازی ہوئی تلوار کی نوبت نہیں آئی اور فریقین پسپا ہوگئے۔ اس مقابلہ میں مقداد بن عمرو جو بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ اور عتبہ بن عزوان جو بنی نوفل کے حلیف تھے مشرکین کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں سے آملے کیونکہ یہ دونوں پہلے ہی اسلام لا چکے تھے اور مشرکین کیساتھ لڑنے محض اس لئے آئے تھے کہ مسلمانوں سے آملیں[1]

واقعات غزوۂ بدر کے ذیل میں جملہ کتب سیرۃ و تواریخ میں مرقوم ہے کہ جب عتبہ سردار لشکر کفار اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ہمراہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے نکلا تو لشکر اسلام میں سے حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ مقابلے کے لئے نکلے اور دستور کے مطابق انھوں نے اپنے نام و نسب بتائے تو عتبہ نے آنحضرت سے پکار کر کہا "یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں" اس کا مطلب تھا مقابلے کے لئے انصار کے بجائے بنی ہاشم میں سے کسی کو بھیجو لہٰذا آنحضرتؐ نے انصار کو واپس بلایا اور بنی ہاشم میں سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب حضرت علی بن ابو طالب بن عبدالمطلب اور حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف کو مقابلے کیلئے بھیجا۔ جب انھوں نے اپنے نام و نسب بتایا تو عتبہ نے کہا "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے"۔ جنگ شروع ہوئی، عتبہ کو حضرت حمزہؓ نے اور ولید کو حضرت علیؑ نے واصل جہنم کیا لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا حضرت علیؑ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اُٹھا کر رسول اللہ[2]

[1] تاریخ طبری ص ۱۵۰، ج ۱

کی خدمت میں لے آئے۔ ان کا پاؤں قطع ہو چکا تھا اور نلی کا گودا بہہ رہا تھا۔ حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت سے پوچھا "کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں، تم نے شہادت پائی"۔ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ "آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ انکے اس شعر کا مستحق میں ہوں:

ونسلمہ حتیٰ نصرع حولہ   ونذھل عن ابنائنا والحلائل

ترجمہ: ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب انکے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا نہ دیئے جائیں[1]

باسناد زرقانی اور ابن ہشام اُس وقت ان تمام ہاشمیوں میں جو آنحضرتؐ پر جاں نثاری کے لئے حاضر تھے ان میں حضرت عبیدہؓ سب سے کبیر السن تھے، یعنی عمر میں سب سے بڑے تھے مؤرخین نے بدر کے موقع پر ان کی عمر ۶۳ سال بتائی ہے لیکن فوق بلگرامی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت حمزہؓ گو کہ انکے چچا تھے لیکن عمر میں اُن سے آٹھ برس چھوٹے تھے"۔ اور غزوۂ بدر میں حضرت حمزہ کی عمر اٹھاون برس تھی، اس حساب سے شہادت کے وقت حضرت عبیدہؓ کی عمر چھیاسٹھ برس ہونی چاہیئے۔

عبادؓ بن مطلب کا ایک بیٹا اثاثہ تھا جسکی زوجہ ام مسطح بنت ابی رھم بن مطلب کے بطن سے عوف اور ہند پیدا ہوئے۔ عوف ہی کو مسطح کہتے تھے جس کی نسبت اسکی ماں ام مسطح کہلائی۔ عوف صحابی تھے جنگِ بدر و احد میں شریک رہے۔ یہ ۳۴ھ میں چھپن سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ان کی بہن ہند بھی صحابیہ تھیں اور یہ زوجہ تھیں ابو حذیفہ کی ابی رھمؓ بن مطلب کی زوجہ سلمیٰ بنت حرث تمیمی کے بطن سے ام مسطح تھیں جو زوجہ تھیں اثاثہ بن عباد بن مطلب کی۔ مخرمہؓ بن مطلب کے بیٹے قیس صحابی رسولؐ تھے

[1] طبقات ابن سعد، ص: ۱۴۷، ج: ۱، سیرۃ النبیؐ، ص: ۳۲۳، ج۔ ۱

اور قیس کے دو بیٹے عبداللہ و محمد اور ایک بیٹی ام محمد۔ یہ تینوں تابعی تھے۔ ہاشمؓ بن مُطلب کے دو بیٹے عبدیزید اور عمرو تھے عبد یزید کے بیٹے عبید اور ان کے ایک بیٹے سائب تھے جنکی نسل سے امام شافعیؒ ہیں، آپ کا نسبی تسلسل اسطرح ہے سائب کے بیٹے شافع جو صحابی تھے۔ انکے بیٹے عثمان انکے بیٹے عباس ان کے بیٹے ادریس ان کے بیٹے محمد معروف بہ امام شافعی۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی آپکی ولادت سنہ ۱۵۰ھ اور وفات سنہ ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ ابنِ ہشام نے سائب کو عبدیزید کا بیٹا بتایا ہے۔ ارثؓ بن مطلب کے بیٹے بُجَینہ جو صحابی تھے اور ان کی ماں اُمِ صیفی بنتِ بَنُت بن اسود اسدی تھیں۔ مطلب کی بیٹی عیلہ زوجہ تھیں وہیب بن عبدمناف بن زہرہ کی۔ عیلہ کے بطن سے نوفل، مالک (ابی وقاص) اور ہالہ دختر تھیں۔ نوفل کی زوجہ رقیہ بنتِ ابی صیفی بن ہاشم تھی ان کی اولاد میں عتبہ، مخرمہ اور آمنہ تھے۔ ان کی نسل آگے چلی۔ دوسرے بیٹے مالک جن کی کنیت ابی وقاص تھی یہ حضرت سعدؓ کے والد تھے۔ عیلہ کی بیٹی ہالہ زوجہ تھیں جناب عبدالمطلب بن ہاشم کی اور چچی تھیں حضرت آمنہ بنتِ وہب یعنی مادرِ پیغمبر کی۔ اور والدہ تھیں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی۔ ابنِ سعد نے مسور بن مخرمہ اور ابوجعفر محمدؐ بن علیؑ بن حسینؑ سے روایت کی ہے کہ "آمنہ بنتِ وہب بن عبدمناف بن زہرہ اپنے چچا وہیب بن عبدمناف بن زہرہ کی تربیت میں تھیں[1]۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنابِ آمنہ مادرِ رسولِ مقبول صلعم اپنی چچی عیلہ بنتِ مُطلب کی زیرِ تربیت پروان چڑھیں۔

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۴۷، ج۔ ۱

دین اجداد النبیؐ

اس عنوان میں ہم ان حقائق و شواہد کا مختصر جائزہ لیں گے جن سے امام فخرالدین رازی کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اجداد موحد تھے" یعنی از آدم تا ہاشم سب کے سب اللہ کی وحدانیت کے قائل اور شرک و بت پرستی سے مبرا تھے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم علامہ جلال الدین سیوطی کے مرتب کردہ "رسائل التسع" میں سے رسالہ "الدرج المنیفہ فی الآباء الشریفہ" کی عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

"بہ تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء و اجداد حضرت آدمؑ تک سب کے سب مسلک توحید پر گامزن رہے۔ ان میں کوئی بھی مشرک نہیں ہوا اس حقیقت پر کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء مشرک نہیں تھے حضور صلعم کا یہ قول دلالت کرتا ہے: 'میں ہمیشہ پاک و پاکیزہ مردوں کے صلبوں سے طیب و طاہر عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا'۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مشرک نجس ہوتے ہیں۔ ان دونوں کو ملا کر پڑھنے سے لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا۔ امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ اسی ضمن میں یہ آیت بھی ہے "الّذی یراکَ حین تقوم وتقلبک فی الساجدین"۔ (خدا کی وہ ذات ہے جو تجھ کو اس وقت دیکھتی ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ گزاروں میں تیری لوٹ پلٹ دیکھتی رہتی ہے)" اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزار کی طرف منتقل

ہوتا رہا۔ اس صورت میں یہ آیۂ کریمہ دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء کرام مسلمان تھے۔ امام رازی کہتے ہیں: اس صورت میں قطعی طور پر یہ لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کافر نہیں تھے۔ بلکہ یہ کافر یعنی آذر انکا چچا تھا۔ یہ امام فخرالدین رازی کے قول کا خلاصہ تھا۔"

(بحوالہ: دین آباء النبیؐ، ص ۱۲۵)

مذکورہ بالا نظریہ کی تائید میں امام ماوردی نے اپنی کتاب "الحاوی الکبیر" میں دلائل پیش کئے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی مجمل اور مفصل دلیلیں پیش کی ہیں جن سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ حضرت آدمؑ سے لیکر جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک پیغمبر اسلام صلعم کے سلسلۂ نسب کی ہر شاخ اپنے اپنے زمانہ کی بہترین شاخ تھی دوئم یہ کہ حضرت نوحؑ سے لے کر آنحضرتؐ کی بعثت تک روئے زمین کبھی اللہ کی توحید کے قائل اور عبادت و بندگی کرنے والوں سے خالی نہیں رہی اور انہی نیک بندوں کی بدولت اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب کو ٹالتا رہا۔

اس سلسلے میں بزار نے اپنے مسند میں ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے اپنی اپنی تفاسیر میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اس قول "کان الناس امۃً واحدۃ" یعنی سب لوگ ایک ہی امت تھے کی تفسیر میں بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس پشتیں گذریں جن میں ہر پشت شریعت حقہ پر قائم تھی اسکے بعد لوگ اختلاف کا شکار ہوگئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو مبعوث کیا۔

ابن ابی حاتم نے اسی آیت کے ذیل میں قتادہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا ہمیں بتایا گیا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان دس پشتیں گذریں۔ یہ سب کے سب عالم تھے جن سے لوگ ہدایت پاتے تھے اور شریعت حقہ پر قائم تھے اس کے بعد

لوگوں نے اختلاف کیا چنانچہ اللہ نے حضرت نوحؑ کو مبعوث کیا اور وہ پہلے رسول تھے جنھیں اللہ نے اہل زمین کی طرف بھیجا اور قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کی یہ دعا موجود ہے کہ "اے پروردگار! تو میری، میرے ماں باپ کی اور ہر اس مومن کی جو میرے گھر میں داخل ہو، مغفرت فرما" پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدمؑ تا حضرت نوحؑ آنحضرتؐ کے تمام اجداد مومن تھے اور حضرت نوح کے فرزند سام نص قرآنی اور اجماع کی رو سے مومن تھے کیونکہ انھوں نے اپنے باپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر نجات پائی اور اس روز سوائے مومن کے کسی نے بھی نجات نہیں پائی۔ سام کے فرزند ارفخشد کے بارے میں ابن عبدالحکیم نے تاریخ مصر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت درج کی ہے کہ وہ مومن تھے اور انھیں اپنے دادا نوحؑ کا زمانہ ملا اور انھوں نے اس کے حق میں دعا کی کہ اللہ اس کی اولاد میں نبوت اور حکومت قرار دے اور ابن سعد نے طبقات میں کلبی کے طریق سے جو روایت کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارفخشد کے بیٹے شارخ یا تارخ پدر حضرت ابراہیمؑ تک سب کے سب دین اسلام پر تھے۔

جہاں تک حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد کے زمانے کا تعلق ہے تو احادیث صحیحہ اور اقوال علماء کا اتفاق ہے کہ جناب ابراہیمؑ کے بعد عمرو بن لحی خزاعی کے زمانے تک اہل عرب دین ابراہیمی پر قائم رہے۔ عمرو بن لحی وہ پہلا شخص تھا جس نے بدعت جاری کی بت پرستی کو رواج دیا اور ابراہیمؑ کے دین میں تبدیلی کی۔ اہل عرب نے اکثر حرکت میں اسکی پیروی کی حتیٰ کہ وہ اس معاملے میں قوم نوحؑ کے مشابہ ہوگئے۔ اس طرح انھوں نے اپنے اسلاف کے مومن ہونے کے بعد کفر اختیار کیا لیکن اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ تھے جو حضرت ابراہیمؑ کے دین پر قائم رہے چنانچہ حضرت ابن عباس کی ایک روایت ہے کہ (آنحضرت صلعم کے اجداد) عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خذیمہ اور اسد سب ملت ابراہیمی کے پیرو تھے۔ پس ان کو خیر سے یاد کیا کرو۔" اسی طرح

ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں عبداللہ بن خالد کی ایک مرسل حدیث درج کی جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "مضر کو برا نہ کہو کیونکہ وہ دین اسلام پر تھا۔" اسی طرح سہیلی کی کتاب "الروض الانف" میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا "الیاس کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مومن تھا۔" اور یہ بھی کہا گیا کہ حج کے موقع پر وہ اپنے صلب سے نبی اکرم کا تلبیہ سنا کرتا تھا۔ پھر اسی کتاب میں ہے کہ کعب بن لوی پہلا شخص تھا جو جمعہ کے روز لوگوں کو جمع کر کے انکے سامنے خطبہ پڑھا کرتا تھا۔ وہ آنحضرت صلعم کی بعثت کا ذکر کیا کرتا اور لوگوں کو آپ پر ایمان لانے اور آپکی اتباع کرنے کا حکم دیا کرتا تھا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے لیکر کعب بن لوی اور اسکے فرزند مرۃ تک اجداد پیغمبر مومن تھے اور ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اب ان کے بارے میں ہم وہ دلیلیں پیش کرتے ہیں جن کا تعلق حضرت ابراہیم کی نسل میں اُن لوگوں سے ہے جو آنحضرتؐ کے سلسلۂ نسب میں آتے ہیں مثلاً سورۃ الزخرف کی آیت ۲۸ میں ارشاد باری ہے "وجعلها کلمةً باقیه فی عقبه" یعنی اس چیز کو ہم نے ابراہیمؑ کی نسل میں ایک باقی رہنے والا کلمہ قرار دیا۔ اس آیت کی ذیل میں ابن عباس کی روایتؓ ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اور توحید کا اعتراف باقی رکھا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں انکے بعد ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہیں گے جو کلمۂ توحید کے قائل رہیں گے۔

دوسری دلیل اللہ کے اس قول پر مشتمل ہے: "ربّ اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی" یعنی حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا "اے پروردگار تو مجھ کو اور میری ذریت میں سے لوگوں کو نماز قائم کرنیوالا قرار دے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس امر پر دلالت

کرتی ہے کہ ذریتِ ابراہیم میں سے ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہیں گے جو دینِ فطرت پر قائم رہیں گے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام فخرالدین رازی کا یہ قول کہ آنحضرتؐ کے تمام آباؤ اجداد موحّد تھے بالکل صحیح اور حق ہے۔ حافظ شمس الدین دمشقی نے اس سلسلے میں کیا خوب شعر کہے ہیں:

تنقّل احمد نوراً عظیماً — تلالا فی جباہ السّاجدین

تقلب فیھم قرناً فقرناً — الیٰ ان جاء خیر المرسلینا

ترجمہ: جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ایک عظیم نور کی شکل میں منتقل ہوتے رہے اور ان کا نور سجدہ گذاروں کی پیشانیوں میں چمکتا رہا اور ہر عہد میں انھیں سجدہ گزاروں میں یہ نور لوٹتا پلٹتا رہا تا آنکہ وہ آخر میں خیر المرسلین بنکر ظہور پذیر ہوا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ

اے لوگو! ہم نے سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے قبیلے اور برادریاں بنائیں

لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾

تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہے۔ خدا بڑا واقف اور خبر دار ہے (القرآن ۴۹/۱۳)

بَاب دوئم

حضرت ہاشم رحمۃ اللہ علیہ

تا

حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہاشم بن عبدمناف

ہاشم کا اصل نام عمرو تھا اور کنیت ابوالاسد۔ انکے والد عبدمناف اور والدہ عاتکہ بنت مرۃ بن ہلال بن فالج ثعلبیہ تھیں۔ طبری کا کہنا ہے کہ ہاشم اور عبدشمس، عبدمناف کے بڑے بیٹے تھے اور مطلب سب سے چھوٹے جبکہ ابن سعد کا قول ہے کہ مطلب سب سے بڑے بیٹے تھے۔

ولادت جناب ہاشم کی ولادت سے متعلق یہ روایت بہت مشہور ہے کہ ہاشم اور عبدشمس توام یعنی جڑواں پیدا ہوئے، بیشتر مورخین نے اس واقعہ کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ چند ایک اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:۔

"ہاشم اور عبدشمس توام پیدا ہوئے تھے جو پہلے پیدا ہوا تھا اسکی ایک انگلی دوسرے کی پیشانی سے چپٹی ہوئی تھی اس لئے اسے کاٹ کر دونوں کو علیحدہ کیا گیا۔ اس قطع سے خون بہا۔ اس سے شگون لیا گیا۔ کہ ان کے درمیان خونریزی ہوگی۔" (تاریخ طبری ج ۱ ص ۳)

شیخ محمد عباس قمی تحریر فرماتے ہیں:

"واو (عبدمناف) عاتکہ دختر مرۃ بن ہلال سلیمہ را تزویج کرد از وی دو پسر توأمان متولد شدند چنانکہ پیشانی ایشان بہم پیوستگی داشت پس با شمشیر ایشان را از ہم جدا ساختند یکی را عمرو نام نہادند کہ ہاشم لقب یافت و دیگرے را عبدالشمس۔" (منتھی الامال ج ۱ ص ۹)

ترجمہ۔ اور اس (عبدمناف) نے عاتکہ بنت مرۃ بن ہلال سلیمہ سے نکاح کیا،

جس سے دو فرزند جڑواں پیدا ہوئے۔ جنکی پیشانیاں باہم جڑی ہوئی تھیں لہٰذا انہیں شمشیر سے جدا کیا گیا۔ ان میں سے ایک کا نام عمرو اور لقب ہاشم تھا۔ اور دوسرا عبدشمس تھا۔

مولوی نذیر احمد صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"عبدمناف کے کئی فرزند تھے مگر سب سے زیادہ پرحشم اور فیاض ہاشم تھے ان کا اصلی نام تو عمرو تھا مگر علوے شان کی وجہ سے لوگ ان کو عمرو العلا بھی کہتے تھے۔ یہ اور عبدشمس دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے اور اسطرح پیدا ہوئے تھے کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبدشمس کی پیشانی پر چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلان دم الگ ہونا ممکن نہ تھا چنانچہ ہاشم کا پنجہ عبدشمس کی پیشانی سے چھڑایا گیا تو اسقدر خون بہا کہ عبدشمس سر سے پاؤں تک لہو میں نہا گیا۔ اس پر اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں نے ان دونوں کے متعلق پیشین گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی سخت اور عام خونریزی ہوگی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ ہاشم اور عبدشمس دونوں کی اولاد میں خونریزی متوارث ہوگئی۔ یہاں تک کہ ۱۴۳ھ میں بنو العباس جو ہاشم کی اولاد میں تھے اور بنو اُمیہ جو عبدشمس کی اولاد میں تھے دونوں میں حد سے زیادہ خونریزی ہوئی جس نے بنو اُمیہ کی قوت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔" (امہات الامۃ ص ۳۷)

جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاشم اور عبدشمس نہ صرف یہ کہ جڑواں پیدا ہوئے بلکہ ان کو جدا کرنے کے لئے شمشیر استعمال کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں انکا خون بہا اور ان کی اولادوں میں کشت و خونریزی کا باعث ہوا۔

القاب عمرو بن عبدمناف کے بہت سے القاب تھے ان میں چند مشہور القاب یہ ہیں:۔ عمرو العلا، ابوالبطحا، سیدالبطحا، اور ہاشم ان میں لقب ہاشم کو اتنی مقبولیت

ملی کر نام کی جگہ پا گیا۔ اس لقب کی وجہ تسمیہ کی بابت مؤرخین نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ عمرو کے زمانہ میں ایک مرتبہ قریش پر چند ایسی خشکسالیاں گذریں کہ لوگ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور ان کا مال و متاع سب کچھ جاتا رہا۔ غریب نادار لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ اپنی قوم کو اس زبوں حالی سے نکالنے کے لیے عمرو نے شام کا سفر کیا اور وہاں سے اچھی خاصی مقدار میں روٹیاں پکوا کر اونٹوں پر لاد کر مکہ لایا یہاں اس نے اونٹوں کو ذبح کرایا ان کا گوشت پکوایا اور روٹیوں کو چور کر شوربے میں ڈلوایا اور تمام مکہ والوں کو دسترخوان پر شکم سیر کرایا۔ عمرو کے اس کارنامہ کو شعراء نے اشعار میں بیان کیا۔ اس زمانہ کے مشہور شاعر عبداللہ ابن الزبعری کے اشعار سے ایک شعر یہ ہے:

عَمْرُو الَّذِی هَشَمَ الثَّرِیْدَ لِقَوْمِهٖ وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُوْنَ عِجَافِ

ترجمہ: عمرو ہی وہ شخص ہے جس نے اپنی قوم کو شوربے میں روٹیاں چور کر ایسی حالت میں کھلائیں جبکہ وہ لوگ مکہ میں قحط سے نحیف و نزار ہو گئے تھے۔

ان ہی الفاظ "هَشَمَ الثَّرِیْدَ" کی مناسبت سے عمرو کا لقب ہاشم مشہور ہوا۔ عربی میں چورا کرنے کو "هشم" کہتے ہیں اور ہاشم اس کا اسم فاعل ہے۔ ابن سعد نے وہب بن عبد قصی کے اشعار نقل کئے ہیں جنہیں طبری نے بھی تحریر کیا ہے۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے:-

"ہاشم نے اس بھاری بوجھ کو اٹھا لیا جس کے برداشت کرنے سے بڑے حوصلہ والا ابن ابیض بھی تنگ آگیا اور نہایت عاجز ہو رہا تھا جناب ہاشم نے ان لوگوں کے لئے سرزمین شام سے صاف کئے ہوئے گیہوں کی بڑی بڑی گونیں بھر کر اپنے ساتھ لائے (کیونکہ مکہ میں خشک سالی کی وجہ سے لوگ نہایت درجہ پریشان اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے) پس انہوں نے بڑی وسعت و فراخی کے ساتھ روٹیاں چور کر تمام مکہ والوں کو پیش کیں اور عمدہ تازہ گوشت میں روٹی تر کر دیں جس کی وجہ سے مکہ کے

کل رہنے والے خوشحال ہو گئے۔ ہر شخص کو بڑے بڑے برتنوں میں بھر کر کھانا مل گیا اور پریشان و سرگشتہ لوگ بہت بہت پا گئے۔[1]

احتفاد زمانۂ جاہلیت میں احتفاد کا طریقہ رائج تھا۔ یعنی جب کسی خاندان کا مال و متاع ختم ہو جاتا تو وہ غربت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بستی سے دور بیابان میدان میں چلے جاتے تھے اور اپنے اوپر خیمہ ڈال کر اسمیں پڑ جاتے یہاں تک کہ اسی میں مرکھپ کر ختم ہو جاتے تھے، اس طرح دوسروں کو ان کی پریشانی اور تنگ دستی کی خبر بھی نہ ہو پاتی تھی۔

جب جناب ہاشم کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنی قوم کو جمع کر کے احتفاد کے مضر اثرات سے آگاہ کیا اور تجویز پیش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں میں سے جو فقیر و نادار ہیں ان کو مالدار اور خوشحال لوگوں سے ملا دوں۔ ایک مالدار کو راضی کر کے ایک فقیر کو اس کے ساتھ کر دوں جسکے عیال اسی قدر ہوں جس قدر مالدار کے ہوں اور یہ فقیر اس مالدار کی مدد ان تجارتی سفروں میں کرے جو وہ گرمی میں شام کی طرف اور جاڑوں میں یمن کی طرف کرتے ہیں اس طرح مالدار کے مال میں جو زیادتی ہوگی اس سے وہ فقیر اور اس کے عیال بھی اس مالدار کے سایہ میں بسر کر لیا کریں گے اور اس احتفاد کی مصیبت سے بھی نجات ملے گی۔ اہل قریش نے ہاشم کی اس تجویز کو پسند کیا اور اس طرح جناب ہاشم کے تدبر سے قریش ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی بن گئے۔ اور یہ سب عمل اسد بن ہاشم کی بدولت ہوا۔

مناصب پر تنازعہ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قصی کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے عبدالدار ان کے جانشین ہوئے مگر وہ اپنی نااہلی و غیر مدبرانہ حکمت عملی کے باعث قریش کی سیادت کے فرائض انجام نہ دے سکے

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۱۵ ج ۱۔

لہٰذا سرداری کا یہ منصب قصی کے دوسرے بیٹے عبد مناف کو منتقل ہو گیا جنہوں نے اپنے حسن تدبر سے باپ کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنایا۔ عبد مناف نے بھائی کے پاس خاطر سے حجابۃ، لواء، رفادہ، سقایا اور ندوہ کے مناصب عبدالدار ہی کی تفویض میں رہنے دیئے گو کہ وہ ان فرائض کو بھی بہتر طور پر انجام نہ دے سکے مگر پھر بھی ان کی حیات تک یہ منصب انہی سے منسوب رہے عبدالدار کی وفات کے بعد ان مناصب کو ان کی اولاد نے سنبھالا مگر وہ بھی فرائض منصبی کی ادائیگی میں بری طرح ناکام ہوئی۔ لہٰذا اولاد عبد مناف نے اولاد عبدالدار سے ان مناصب سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا جسے انہوں نے مسترد کر دیا جو باعث نزاع ہوا اور نوبت جنگ تک پہنچی اور اسوقت قبائل قریش واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ گئے۔

معاہدۂ مطیبین : فریقین میں جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ قبائل قریش میں سے بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، بنی زہرہ بن کلاب، بنی تیم بن مرہ اور بنی حارث بن فہر نے بنی عبد مناف کا ساتھ دیا اور بنی مخزوم، بنی سہم و جمح اور بنی عدی بن کعب نے عبدالدار کی حمایت کی جبکہ بنی عامر بن لوی اور بنی محارب بن فہر نے علیحدگی اختیار کی۔ اولاد عبد مناف نے ایک پیالہ خوشبو سے بھر کر کعبہ کے پاس رکھا جس میں انہوں نے اور ان کے حلیفوں نے ہاتھ ڈبو کر کعبہ کو مس کیا اور ہر حالت میں ساتھ دینے کا عہد کیا اس واقعہ کی مناسبت سے انہیں "مطیبین" کہا جانے لگا یعنی خوشبو میں ہاتھ بھرنے والے۔ اولاد عبد مناف بن قصی کی سربراہی ہاشم بن عبد مناف کر رہے تھے جبکہ اولاد عبدالدار کے رہنما و سربراہ عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی تھے۔

معاہدۂ احلاف : اولاد عبد مناف کے برعکس اولاد عبدالدار نے اور ان کے حلیفوں نے خون سے لبریز پیالے میں ہاتھ ڈبو کر باہم ساتھ دینے کی قسم کھائی اور کہا "مَابَلَّ بَحْرٌ

صُوْفَةً" یعنی عہد و پیمان اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کہ آب دریا بھیڑ اور دنبے کی اون کو تر کر سکے۔ اس زمانہ میں قول و قرار کو مؤکد کرنے کے لئے یہی محاورا رائج تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کبھی عہد کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے گی۔ اولاد عبدالدار کے اس عمل سے ان کے دو مختلف نام "احلاف" یعنی حلف اٹھانے والے اور "لَعَقَةُ الدَّم" یعنی خون چاٹنے والے مشہور ہوئے۔ ان سب تیاریوں کے باوجود فریقین میں جنگ کی نوبت نہ آئی اور اس شرط پر مصالحت ہو گئی کہ سقایا اور رفادہ کے مناصب اولاد عبد مناف کے سپرد ہوں گے جبکہ حجابۃ، لوا اور ندوہ کے مناصب اولاد عبدالدار کے پاس رہیں گے۔ اولاد عبد مناف کی جانب سے ہاشم بن عبد مناف نگراں مقرر کئے گئے۔ یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی جاہلیت کے معاہدہ کو استحکام بخشا[1] اولاد عبدالدار حاصل شدہ مناصب پر متصرف رہتے رہے یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی نے جسے منصب تولیت حاصل تھا دارالندوہ کو معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھ بیچ ڈالا جسے بعد میں معاویہ نے دارالامارۃ بنا لیا۔[2]

ایلافِ قریش : قصی کے پوتے اور پیغمبر اسلام کے پردادا جناب ہاشم نے اپنی ذہانت تدبر سے اپنی قوم کو احتفاد جیسی مصیبت سے نجات دلائی اور قوم کو مرفع الحال بنانے کے لئے تجارتی قافلوں کا مستقل نظام رائج کیا جسکے تحت قریش کا ایک تجارتی قافلہ موسم گرما میں شام و انقرہ جاتا اور ایک قافلہ موسم سرما میں یمن و حبشہ جایا کرتا تھا جناب ہاشم کے اسی کارنامہ کی جانب قرآن کریم کے سورۂ قریش میں اشارہ فرمایا گیا کہ:-

ترجمہ: چونکہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کر دینے کی وجہ سے اس کے گھر (کعبہ) کی عبادت کرنی چاہیے۔

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۵۱، ج ۱، طبقات ابن سعد ص ۱۱۶، ج ۱، [2] طبقات ابن سعد ص ۱۱۶، ج ۱

فروغِ تجارت: ہاشم نے اپنے حسنِ تدبر سے فرمانروایانِ رُوم و شام سے آزادانہ تجارت کے معاہدے کئے اور اپنے بھائیوں مطلب، نوفل و عبدالشمس کے ذریعہ یمن، عراق و ایران سے بھی تجارتی معاہدے کرائے جن کے باعث قریش کی تجارت کو بہت فائدہ ہُوا۔ ہاشم کے اِس کارنامے کو تمام مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ ابن سعد نے ابن عبّاس سے روایت بیان کی ہے کہ:

> ہاشم کا نام عمرو تھا) ایلافِ قریش یعنی قریش کا داب طریقہ انہیں سے منسوب ہے۔ وہ پہلے شخص ہیں کہ سال میں دو مرتبہ قریش کے لئے (بغرضِ تجارت) سفر کے طریقے نکالے، ایک سفر تو جاڑوں میں کرتے تھے (یعنی رِحْلَةَ الشِّتاءِ) جس میں یمن و حبشہ تک جاتے، حبشہ میں (وہاں کے فرمانروا) نجاشی کے پاس پہنچتے جو ان کی بزرگداشت کرتا اور انہیں عطیات دیتا۔ دُوسرا سفر گرمیوں کا تھا (یعنی رِحْلَةَ الصَّیف) جس میں شام تک جاتے، غزہ تک پہنچتے، کبھی کبھی انقرہ تک بلادِ اناضول، رُوم۔ جسے عوام آج تک انگورہ کہتے ہیں) پہنچ جاتے۔ قیصرِ رُوم کی پیش گاہ در آتے جو ان کی بزرگداشت کرتا اور انہیں عطیات دیتا۔ (طبقات ابن سعد ص ج ۱)

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ہاشم نے تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصرِ رُوم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لیکر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہلِ عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایۂ تخت تھا۔ تجارِ قریش

> انگوریہ میں جاتے تھے تو قیصر نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ (سیرۃ النبی ص ۱۲۵، ج-۱)

جسٹس امیر علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ،

> "Like a majority of the Meccan, Hashim was engaged in commerce. It was he who founded among the Koreishites the custom of sending out regularly, from Macca two Carvans, one in winter to Yeman, and the other in summer to Syria."
>
> (The Spirit of Islam P. 5)

> ترجمہ:- اہلِ مکہ کی اکثریت کے مانند ہاشم نے بھی تجارت کا پیشہ اختیار کیا یہ وہی ہاشم تھے جنہوں نے قریش میں اس رواج کی بنیاد ڈالی کہ وہ پابندی سے دو کاروان مکہ سے باہر بھیجیں ان میں سے ایک موسمِ سرما میں یمن کے لئے اور دُوسرا موسمِ گرما میں شام کے لئے۔

ہاشم نے نہ صرف یہ کہ قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے بیرونی ممالک سے مراعات حاصل کیں بلکہ مُلک کے اندرونی حصوں میں ان کے تحفظ کی ضمانت مہیا کی اور قبائلِ عرب سے معاہدے کئے جس کی بابت علامہ شبلی نعمانی نے امالی ابو علی قالی کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

> "عرب کے راستے محفوظ نہ تھے ہاشم نے مختلف قبائل میں دَورے کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ "قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے جس کے صلہ میں کاروانِ قریش ان قبائل میں اُن کی ضرورت کی چیزیں خود لیکر جائے گا، اور ان سے خرید و فروخت کریگا" یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔"
>
> (سیرۃ النبی ص ۱۲۶، ج-۱)

ہاشم ہی نے سب سے پہلے قریش کے لئے دُوسرے ملکوں میں سکونت کے اجازت نامے حاصل کئے جن کی وجہ سے قریش دُور دراز علاقوں میں آباد ہوئے اور تجارت کو فروغ پہنچایا۔ ہاشم نے شاہانِ رُوم و غسّان سے اجازت نامے حاصل کئے۔ عبدالشمس نے حاکمِ حبشہ سے، نوفل نے اکاسرۂ ایران سے اور مطلب نے ملوکِ حمیرہ سے نو آبادی کی اجازت حاصل کی ان اجازت ناموں کے باعث افرادِ قریش روم، شام، حبشہ، عراق، ایران اور یمن میں آباد ہوئے۔ چونکہ ہاشم اور ان کے بھائیوں کی بدولت اللہ ربّ العزت نے قریش کو عزت بخشی اور ان کی حالت دُرست کر دی اس لئے ان چاروں بھائیوں کو "مجیّرون" کہا جانے لگا۔

حجّاج کی ضیافت: ہاشم کا یہ دستور تھا کہ جس رات ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیتا اس کی صبح کو تمام قبائلِ قریش کو جمع کرتے اور خُود کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دروازے کی طرف مُنہ کر کے کھڑے ہوتے اور ایک نہایت مؤثر خطبہ دلکش انداز میں ارشاد فرماتے۔ خُطبہ میں عمائدینِ قریش کو مخاطب کر کے کہتے: معاشرِ قریش! تم لوگ عرب کے سردار ہو تمہاری وجاہت، شرافتِ نسب اور ہوشمندی کا شہرہ عرب کے کونے کونے میں گونج رہا ہے۔ اور تمہاری فضیلت و بزرگی سارے حجاز کو تسلیم ہے۔ تم خدا کے مقدس معبد کے ہمسائے ہو اور اسکے محافظ قرار دیئے گئے ہو۔ خدا نے اپنی ولایت اور اپنے حقِ جوار کی وجہ سے تمام بنی اسمٰعیل میں تمہیں ممتاز فرمایا اور اپنے معزز گھر کی محافظت و خبرگیری کی خدمت تمہارے ہاتھ میں دیکر تمہیں خصوصیت کا تمغہ عنایت کیا ہے جو لوگ خدا کے اس تقدس مآب گھر کی زیارت کو آتے اور اسکی تعظیم و تکریم کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خاطر و مدارات کرنے کے سب سے پہلے تم مستحق ہو۔ پس خُدا کے مہمانوں اور اسکے گھر کے زائروں کی خوش دلی سے تعظیم و توقیر کرو اور ان کو

پیٹ بھر کھانا، پانی دو۔ میں اس مقدس معبد کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ اگر میرے پاس اسقدر دولت ہوتی جس سے یہ سارے کام کاج چل جاتے تو میں تمہیں ایک درم کی بھی تکلیف نہیں دیتا۔ اور بے دریغ اپنی ساری دولت خدا کے مہمانوں پر خرچ کر ڈالتا میں اس موقع پر اپنی حلال کمائی اور طیّب مال میں سے وہ رقم نکال کر چندے میں دیتا ہوں جس میں نہ تو قطع رحمی کا شائبہ ہے اور نہ ظلماً جمع کی گئی ہے۔ تو تم میں سے بھی جو شخص چاہے تنگ دِلی سے نہیں بلکہ خوش دِلی کے ساتھ دے میں تمہیں بھی اس محترم معبد کی حرمت و عظمت کی قسم دلاتا ہوں کہ جو مال خانۂ خدا کے زائروں کی مہمانی اور انکی خاطر و مدارات کے لئے نکالو بالکل پاک اور بے لوث ہو" [1] ہاشم کی تقریر سے سامعین بحد متاثر ہوتے اور خدا کے مہمانوں کی ضیافت کے لئے دولت جمع کرنے کی غرض سے نکل کھڑے ہوتے اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سا مال اکٹھا کر کے دارالندوہ میں لا ڈالتے۔ جب تک حجاجِ کرام کا ہجوم رہتا اس جمع شدہ دولت سے ان میں کھانا پانی نہایت سیر چشمی سے برابر تقسیم ہوتا رہتا اور یوم الترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ سے حاجیوں کی ضیافت کا جو سلسلہ شروع ہوتا وہ حج سے فراغت کے بعد منا سے لوگوں کی واپسی پر ختم ہوتا۔ اِس طرح مکہ کی نام آوری ہاشم کی وجہ سے بخوبی قائم رہی۔

اُس زمانہ میں مکہ میں پانی کی بڑی قلت تھی ہاشم نے پانی کا ذخیرہ کرنے کی غرض سے چرمی حوض بنوائے اور مشکیزوں سے پانی بھر بھر کر ان حوضوں میں ذخیرہ کرایا تاکہ حاجیوں کو پانی کی دشواری نہ ہو۔ ہاشم دُور دراز سے آنے والے حاجیوں کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کی طرف خاص توجہ دیتے تھے اور قصی کے رائج کردہ محصولات وصول کرتے اور اپنی ذاتی آمدنی کا بڑا حصہ اس میں شامل کر کے حاجیوں کے

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۱۹ ج-۱، ایضاً ص ۲۵ ج-۱ (طبع مصر)

طعام وقیام پر صرف کرتے۔ ہاشم کی ان خدمات نے انہیں دُور و نزدیک شہرتِ عام بخشی۔ ہاشم کی ان خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے جسٹس امیر علی تحریر کرتے ہیں :۔

Hashim was the receiver of tax imposed on the Koreishites by Kossay for the support of the Pilgrims, and the income derived from their contributions joined to his own resources, was employed in providing food to the strangers who congregated at Macca during the season of the Pilgrimage.

(The Spirit of Islam P. 4)

ترجمہ :۔ حجاج کی مدد و معاونت کے لئے قصّی نے جو ٹیکس اہلِ قریش پر عائد کئے تھے وہ ہاشم وصول کرتے تھے اسطرح جو رقم جمع ہوتی اس میں اپنی ذاتی آمدنی ملاکر زمانۂ حج میں آنے والے حاجیوں کی خوراک کا انتظام کرتے۔

ہاشم کے انہی مکارم و مفاخر کی وجہ سے لوگوں نے ان کا لقب ابوالبطحاء اور سیّد البطحاء رکھ دیا تھا۔ انکی شان میں قصیدے بھی کہے گئے جن میں سے چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

عمرو العلاذ والندی من لا یسابقه　　　مو السحاب ولا ریح تجاریهم

جفانه کالجوابی للوفود اذا　　　لبو المکة ناداهم منادیهم

او المحلو نا خفیوا منها وقد ملئت　　　قوت الحاضره منهم و بادیه[1]

ترجمہ :۔ بلند مرتبہ ہاشم ایسی سخاوت و کرم کے بزرگ ہیں جنکا مقابلہ اُڑتا ہوا ابر اور چلتی ہوئی ہوا بھی نہیں کرسکتی۔ ان کے کٹورے مثل بڑے حوضوں کے ہیں کہ جب باہر کے لوگ مکّہ میں لبیک لبیک کہتے ہوئے پہنچتے ہیں تو ہاشم کی طرف سے ایک منادی انکو آواز دیکر ان کے ہاں لیجاتا ہے اور سیر و سیراب

[1] سیرۃ حلبیہ۔ صـ۔ جلد ۱۔

کرتا ہے۔ یا جب لوگوں میں قحط اور فقر و فاقہ کی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لوگ انہیں بڑے بڑے پیالوں سے بھر دیئے جاتے ہیں جن میں انکے لئے بھی کھانے پینے کا پورا سامان کیا جاتا ہے اور ان کے غائب اعزہ کیلئے بھی دے دیا جاتا ہے۔

ہاشم کے متعلق جو اشعار کہے گئے وہ اس طرح پھیلے اور ان سے آپ کے فضائل و مکارم کی شہرت بعد میں بھی اس درجہ ہوتی رہی کہ کافی زمانہ گزرنے پر بعض حاسدوں نے ان اشعار کو بدل کر اپنے ممدوحین کی شان میں کہنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو شیبہ کے دروازے کے پاس سے گذرے تو کسی شخص کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا :۔

یا ایها الرجل المحول رحلهم　　　الا نزلت بآل عبد الدار

هبلتك امك لو نزلت برحلهم　　　منعوك عن عدم ومن اقتار

ترجمہ :۔ اے وہ شخص جو اپنی پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدل رہا ہے تو آلِ عبدالدار میں کیوں نہیں اترا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو ان لوگوں میں اُترتا تو وہ لوگ تجھے ناداری اور فقیری سے بچا لیتے۔

یہ سنکر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے جو اس وقت آپؐ کے ہمراہ تھے اور فرمایا "کیوں جی! کیا شاعر نے اسی طرح کہا تھا؟" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ "نہیں۔ خدا کی قسم اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا تھا۔

یا ایها الرجل المحول رحلهم　　　الا نزلت بآل عبد مناف

هبلتك امك لو نزلت برحلهم　　　منعوك من عدم ومن اقواف

الخالطين غنيهم بفقيرهم　　　حتى يعود فقيرهم كالكاف"

ترجمہ : اے وہ شخص جو ناداری اور پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدلتا اور دوسری جگہ جانا چاہتا ہے تو آلِ عبدمناف (جناب ہاشم) کی منزل میں کیوں نہیں اتر پڑتا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو ان کی منزل میں اُتر جاتا تو وہ لوگ تجھے فقیری اور برائی سے بچا لیتے کیونکہ وہ ایسے کریم ہیں جو اپنے فقیروں کو اپنے مالداروں سے ملا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا فقیر بھی ان سے مل کر کافی خوشحال ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ جواب سنکر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ هكذا اسمعت الرواة ينشدونه یعنی میں نے بھی اشعار ذکر کرنیوالوں سے اسی طرح سُنا ہے۔[1]

امیّہ کا ہاشم سے برسرِ فساد ہونا :۔ ہاشم اور ان کے بھائی عبدالشمس جنکی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے اور انہیں شمشیر سے علیحدہ کرنے سے جو خون بہا اس کی بنیاد پر لوگوں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ان میں باہم مخالفت و خونریزی ہوگی مگر تاریخ سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ ان دونوں بھائیوں میں کبھی کوئی اختلاف ہوا ہو بلکہ اسکے برعکس ہاشم کی فلاحی کوششوں میں عبدالشمس برابر کے شریک نظر آتے ہیں اور ہاشم نے قریش کی علمبرداری کا منصب جو اُسوقت بنی مخزوم کے پاس تھا عبدالشمس کو دلوایا۔ البتہ عبدالشمس کے ایک فرزند جن کا نام امیّہ تھا بنائے مخالفت بنے۔ جب یہ حضرت اپنے باپ کے جانشین ہوئے تو انہیں اپنے چچا ہاشم کی شہرت و ناموری پر حسد دامن گیر ہوا۔ انہوں نے چاہا کہ قریش میں انکی بھی عزت و توقیر ہو لیکن ہاشم کی جود و سخا، حلم و مروت، وجاہت و شرافت، سیادت و شوکت، شجاعت و مدبرانہ صلاحیتوں کے باعث ان کو جو عزت و شہرت حاصل تھی وہ کوشش کے باوجود امیّہ کو حاصل نہ ہوسکی۔ امیّہ نے طے کیا کہ وہ بھی ہاشم کی طرح ضیافت و

[1] سیرت حلبیہ صـ، ج ۱

مدارات کرکے وہ مقام حاصل کریگا جو ہاشم کو حاصل ہے لیکن جب وہ ایسا نہ کرسکا تو لوگوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ جس کے باعث امیّہ کے جذبۂ انتقام میں مزید شدت آگئی۔ وہ اپنے چچا ہاشم سے فساد پر آمادہ ہوگیا مگر ہاشم اس کے ساتھ بزرگانہ شفقت سے پیش آئے اور بھتیجے کو زمانہ کے نشیب و فراز سمجھائے مگر امیّہ کسی طرح باز نہ آیا اور چچا سے مناظرہ کی ٹھان لی۔ ہاشم نے اس شرط پر مناظرہ کی تجویز منظور کی کہ کاہن خزاعی جس کے حق میں فیصلہ دے گا اس کو دُوسرا فریق سیاہ آنکھوں والی پچاس اونٹنیاں بھی دے گا اور دس برس کیلئے مکّہ سے جلاوطن ہو جائے گا۔ امیّہ نے شرط منظور کرلی۔ لہٰذا دونوں فریق کے حامی کاہن کے پاس گئے اور پُورا واقعہ بتایا۔ دونوں طرف کے لوگوں کے بیانات سننے کے بعد کاہن نے فیصلہ ہاشم کے حق میں دیدیا۔ شرائط کے مُطابق امیّہ نے ہاشم کو پچاس اونٹ دیئے جنہیں ہاشم نے ذبح کرکے اہلِ مکّہ کی دعوتِ عام کردی۔ اور امیّہ دس برس کیلئے مکّہ سے جلاوطن ہوئے۔ امیّہ نے جلاوطنی کا یہ زمانہ شام میں گذارا۔

امیّہ کا اخراج ہی وہ بنا تھی جس کے باعث بنی امیّہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اولادِ ہاشم کے دشمن ہوگئے اور عربوں کی قدیم روایت کے مُطابق ہر زمانہ اور ہر دور میں اپنے دادا امیّہ کے اخراج کا بدلہ لینے کی کوشش کرتے رہے۔

عقدِ نکاح :۔ ہاشم کی شادی کی بابت مورخین نے بیان کیا ہے کہ ایک بار حسبِ معمول ہاشم تجارت کی غرض سے شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے قافلے میں قریش کے چالیس افراد شامل تھے۔ قافلے نے مدینہ میں پڑاؤ کیا اور مقامِ سوق النبط (نبطی قبیلے کا بازار) میں فروکش ہوا یہ بازار سال میں ایک بار لگتا تھا۔ اسی قیام کے دوران ہاشم نے قبیلۂ بنو خزرج کی مشہور شاخ بنو نجار کی ایک شریف خاتون سلمیٰ بنتِ عمرو بن زید بن لبید بن خضراش بن عامر سے شادی کی۔ مدینہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ہاشم نے قافلے کے ہمراہ شام کے لئے کوچ کیا مگر راستے میں غزہ کے مقام پر انتقال کرگئے اور وہیں دفن

کئے گئے۔ ہاشم کے اس واقعہ کو مختلف مورخین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے مثلاً شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں :۔

> ایک بار (ہاشم) تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستہ میں مدینہ میں ٹھہرے یہاں سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کی حرکات سے شرافت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین وجمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کرلی، غرض نکاح ہوگیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے اور غزہ میں جاکر انتقال کر گئے، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اسکا نام شیبہ رکھا گیا۔
>
> (سیرۃ النبی ص ۱۲۶، ج۔۱)

شیخ محمد عباس قمی اس ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ :۔

> پس ہاشم بغرض شام حرکت فرمودہ و مدینہ بخانہ عمرو فرود شدہ و دختر او سلمیٰ را بحبالہ نکاح در آورد و عمرو با ہاشم پیمان بست کہ دختر خود را بتو دادم بدان شرط کہ اگر از او فرزندی بوجود آید بجز آنکہ در مدینہ زیست کند وکس او را بہ مکہ نبرد ہاشم بدین پیمان رضا داد و در مراجعت از شام سلمیٰ را بمکہ آورد و چون سلمیٰ بعبدالمطلب حاملہ شد بنابر آن عہدی کہ شدہ بود او را برداشتہ دیگر بارہ بہ مدینہ آورد تا در آنجا وضع حمل کند و خود عزیمت شام نمود و در غزہ (بفتح معجمتین) کہ مدینہ ایست در اقصی شام و ما بین او و عسقلان دو فرسخ است وفات فرمود اما از آنسوی سلمیٰ (عبدالمطلب) را بزاد و او را عامر نام کرد و چون بر سر موی سپید داشت او را شیبہ گفتند۔ (منتہی الامال ص ۱۱-۱۲، ج۔۱)

ابن سعد کا بیان ہے کہ :۔

> ہاشم کاروانِ قریش کے ساتھ بغرضِ تجارت نکلے اور مدینہ کے راستے پر بازار نبط میں

> پہنچے جہاں ہر سال بہت بڑا بازار لگا کرتا تھا اور قرب وجوار سے لوگ جمع ہو کر خرید وفروخت کیا کرتے تھے اور اس وقت بھی لوگ خرید وفروخت میں مصروف تھے اور ایک زن معظمہ کی طرف متوجہ تھے جو بازار کے ایک مقام بلند پر مقیم تھیں اور وہ خاتون اُن لوگوں کو اپنی اشیاء ضروری کی خرید وفروخت کے لئے حکم کرتی تھی اور سب لوگ اس کی طرف سے خرید وفروخت کر رہے تھے۔ وہ قبول صورت صاحب جمال خاتون تھی۔ ہاشم بھی انکی طرف متوجہ ہوئے اور انکی نسبت لوگوں سے پوچھا کہ یہ بیوہ ہے یا صاحب شوہر تو معلوم ہوا کہ زن بیوہ ہے یہ پہلے اُحَیحَہ بن الجلال کے حبالہ نکاح میں تھی اور ان سے اس کے دو بیٹے عمر اور معبد نامی پیدا ہوئے اسکے بعد احیحہ نے طلاق دیدی اور اب یہ اپنی شرافت ونجابت ذاتی کی وجہ سے کسی مَرد سے اُس وقت نکاح کرنا نہیں چاہتی تاوقتیکہ وہ مرد اس امر کا اقرار نہ کرلے کہ نکاح کے بعد ان کو اختیار رہے گا کہ اگر وہ اسکو ناپسند پائیں گی تو اس سے مفارقت اختیار کرلیں گی۔ ان کا نام سلمیٰ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی قبیلۂ نجار سے ہیں یہ سنکر ہاشم نے ان کے پاس نکاح کا پیغام پہنچایا۔ کیونکہ وہ صاحبِ حُسن وجمال تھیں سلمیٰ کو جب ہاشم کی شرافت حسبی ونسبی کا حال معلوم ہوگیا تو ہاشم سے عقد کرلیا۔ ہاشم نے عقد سلمیٰ کے ولیمہ کی بڑی تیاری کی کھانا پکوایا اور جتنے لوگ کاروانِ قریش میں اسوقت اس کے ساتھ تھے سب کی دعوت کی، سب کو بلایا اور کھلایا اور یہ مجموعی چالیس آدمی تھے اور انہیں بنی عبدمناف بنی مخزوم اور سہم کے قبیلے والے موجود تھے سلمیٰ کی طرف سے خزرج کے قبیلے والے بھی بلائے گئے شادی کے بعد ہاشم نے چندے وہاں قیام کیا انہی دنوں سلمیٰ کو عبدالمطلب کا حمل رہ گیا اس کے بعد ہاشم اپنے اصحاب کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوا۔ مقام غزہ پہنچکر بیمار پڑ گئے انکی علالت کی وجہ سے قافلہ والوں نے وہیں قیام کیا۔ ہاشم نے بالآخر وہیں وفات

> پائی۔ قافلہ والوں نے غزہ ہی میں ان کو دفن کر دیا[1] جب فلسطین شام میں شامل تھا تو غزہ شام کی مشہور بندرگاہ تھی فلسطین شام سے الگ ہوا تو غزہ فلسطین میں آگیا پھر اسرائیلیوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث فلسطین ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تو غزہ کا مختصر سا علاقہ مصر کے حوالے ہوا۔ یہ دنیا کے پُرانے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

اولادِ ہاشم :۔ ہاشم کی اولاد کی زیادہ سے زیادہ تعداد نو ۹ بتائی جاتی ہے۔ جنکے نام یہ ہیں۔ (بیٹے) شیبہ۱ (عبدالمطلب)، عمرو۲ (ابوصیفی)، اسد۳، نضلہ۴۔ (بیٹیاں) رقیہ۵، شفاء۶، خالدہ۷، ضعیفہ۸ اور حسنہ۹ (رحمۃ)۔ اولادِ ہاشم کی بابت ابنِ ہشام نے تحریر کیا ہے کہ عبدالمطلب اور رقیہ کی ماں سلمیٰ بنت عمرو بن زید بن لبید (بنی النجار) سے تھیں، اسد کی ماں قیلہ بنت عامر بن مالک خزاعی تھیں، ابوصیفی اور حیۃ کی ماں ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھیں، نضلہ اور شفاء کی ماں بنی قضاعہ کی ایک عورت تھیں۔ خالدہ اور ضیعفہ کی ماں واقدہ بنت ابی عدی المازنیہ تھیں۔[2] بعض مورخین کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلب جناب ہاشم کے واحد فرزند تھے، مثلاً جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ

> "Hasham died in the course of one of his expeditions into Syria, in the city of Ghazza, about the year 510 A.C living an only son, named Shayba, by an Yathribite lady of the name of Salma."
>
> (The Spirit of Islam P. 5)

ترجمہ :۔ ہاشم کا انتقال شام کے سفر کے دوران مقام غزہ میں ۵۱۰ء کے لگ

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۶، ج۔۱، طبع جرمن۔

[2] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳۵، ج۔۱، تاریخ خمیس و تاریخ آئمہ میں بھی یہی ترتیب ہے۔

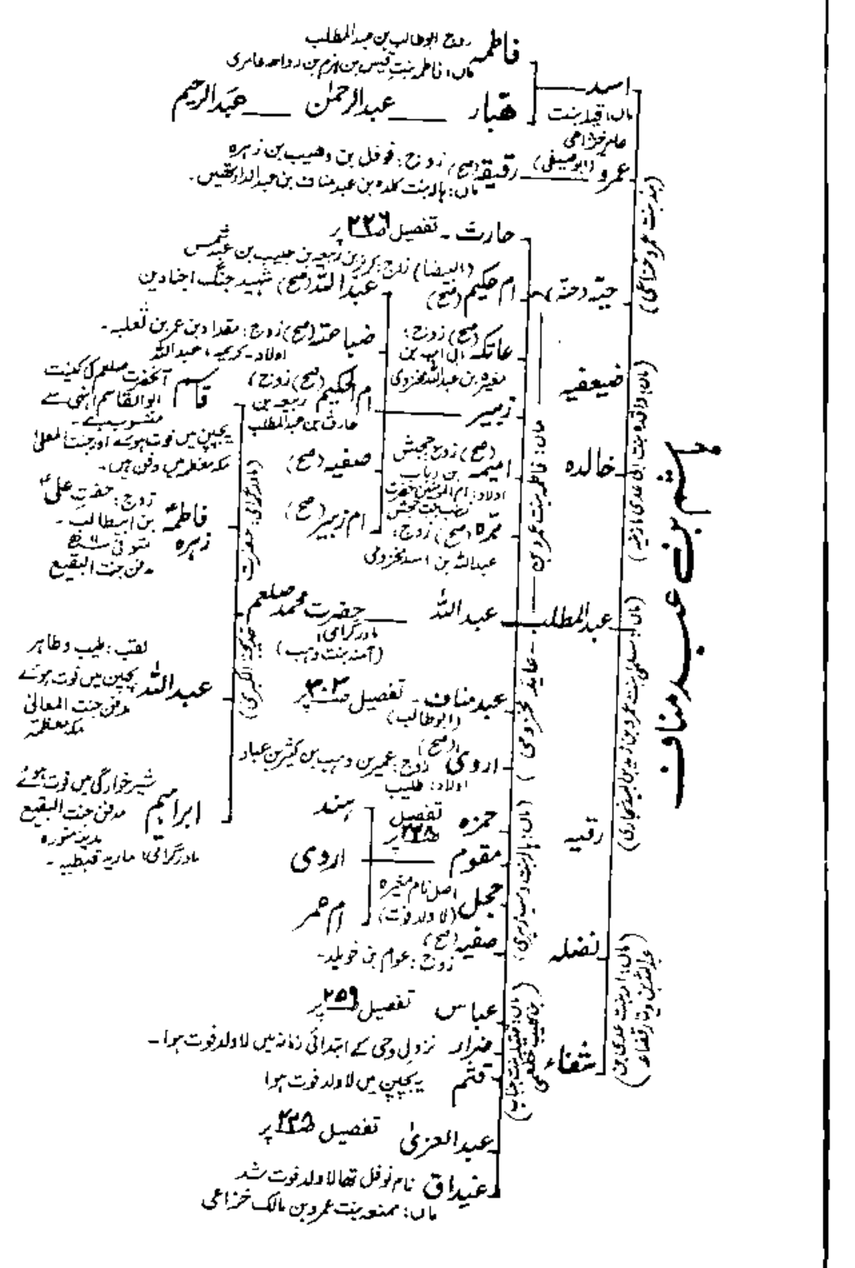

بھگ ہوا۔ انہوں نے صرف ایک فرزند چھوڑا جسکا نام شیبہ تھا جو کہ یثرب کی ایک خاتون سلمٰی کے بطن سے تھا۔

مذکورہ بالا بیانات سے ہم یہ مقصد لے سکتے ہیں کہ سلمٰی بنت عمرو کے بطن سے جناب کے واحد فرزند شیبہ تھے۔ اسکے برعکس اگر تسلیم کر لیا جائے کہ شیبہ کے علاوہ جناب ہاشم کے کوئی اور اولاد نہ تھی تو یہ حقیقت کے منافی ہوگا۔ کیونکہ مستند کتب سیر و تواریخ میں نہ صرف یہ کہ اولادِ ہاشم کے نام بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں بلکہ انکی اولاد کے واقعات اور انکی بیان کردہ روایات بھی تحریر کی گئی ہیں۔ مثلاً جب ہم امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی مادرِ گرامی کی بابت پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا نام فاطمہ تھا جو بیٹی تھیں اسد کی اور اسد بیٹے تھے جناب ہاشم بن عبدمناف کے ہم انکے مختصر حالات آئندہ صفحات میں تحریر کریں گے۔ یا مثلاً جناب عبدالمطلب کی دعائے استسقا کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی راوی رقیقہ ہیں جو بیٹی ہیں عمرو (ابو صیفی) کی اور ابو صیفی بیٹے ہیں ہاشم بن عبدمناف کے اور یہ رقیقہ زوجہ ہیں نوفل الزہری کی انکے بیٹے مخرمہ بن نوفل ہیں جن سے ابن سعد وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔ [1]

اس بحث سے ثانیاً یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ جناب ہاشم کے شیبہ کے علاوہ بھی پسران و دختران تھیں مگر ان میں سے کچھ طفلی میں لاولد فوت ہو گئے اور کچھ کی اولاد تو ہوئی مگر نسل آگے نہ چلی۔ البتہ چند ایک دختران کی نسل چلی جو اپنے اپنے پدری نسب میں مذکور ہوئی۔

وفات:- تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ جناب ہاشم تجارتی سفر پر شام جا رہے تھے کہ غزہ کے مقام پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مقام غزہ مدینہ سے شام جاتے ہوئے عسقلان سے دو فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ جب فلسطین شام میں شامل تھا تو غزہ شام کی مشہور بندرگاہ تھی۔ پھر فلسطین شام سے الگ ہوا تو غزہ فلسطین میں آگیا۔ اسکے بعد

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۳۹، ج ۱

اسرائیلیوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث فلسطین ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تو غزہ کا مختصر سا علاقہ مصر کے حوالے ہوا۔ یہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ بہرحال جناب ہاشم کی وفات پانے پر ان کے ہمراہیوں نے انہیں اسی مقام پر دفن کیا۔ ان کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص ابورہم بن عبدالعزیٰ العامری جو عامر بن لوی کے خاندان سے تھے ہاشم کا ترکہ لیکر فرزندانِ ہاشم کے پاس آئے۔ جناب ہاشم اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے فوت ہوئے۔ مورخین اولادِ عبدمناف کی وفات بالترتیب اس طرح بیان کیا ہے:۔

طبری کا بیان ہے کہ: "عبدمناف کے بیٹوں میں سے سب سے پہلے ہاشم نے شام کے شہر غزہ میں انتقال کیا۔ اسکے بعد عبدالشمس نے مکہ میں انتقال کیا اور وہ اجیاد میں دفن ہوئے۔ اسکے بعد نوفل نے عراق کی راہ میں مقام سلمان میں انتقال کیا۔ پھر مطلب نے یمن کے مقام ردمان میں انتقال کیا۔" [2]

جسٹس امیر علی نے لکھا ہے کہ:

> "Of the sons of Abd-ul Munaf, Hasham died first, at Ghazza; than died Abd-us-Shams at Mecca; then Mattalib at Kazwan; and lastly Naufal, some time after Mattalib at Silman in Iraq."
>
> (The Spirit of Islam P. 51)

ترجمہ:- فرزندانِ عبدمناف میں ہاشم سب سے پہلے غزہ میں فوت ہوئے انکے بعد عبدالشمس نے مکہ میں انتقال کیا۔ ان کے بعد مطلب نے کزوان میں انتقال کیا۔ مطلب کے تھوڑے ہی عرصہ بعد نوفل نے عراق کے قصبے سلمان میں وفات پائی۔

ہاشم کا مرثیہ:- جناب ہاشم کی وفات پر انکی اولاد نے بہت سے مرثیے کہے ابن سعد اور ابن ہشام نے خالدہ و شفاء دختران ہاشم کے کہے ہوئے مرثیے طبقات میں بہت

[2] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۸، ج ۱

میں نقل کئے ہیں جو ذیل میں مرقوم ہیں۔ ان مرثیوں میں جناب ہاشم کی بزرگی و عظمت، شرافت و نجابت، فضل و کرم، جود و سخا، اخلاق و محبت اور سیرت و کردار کو اشعار میں بیان کیا ہے۔ خالدہ کا مرثیہ ملاحظہ ہو:۔

بَكَرَ النَّعِيُّ بِخَيْرِ مَنْ وَطِئَ الْحَصَىٰ ــــ ذِی الْمَكْرُمَاتِ وَذِی انفعالِ الفاضِلِ

پیغام گوئی مرگ نے سویرے ہی ایسے شخص کی موت کی خبر سنائی جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے اچھا ذی مکرمت و صاحب افعال بزرگ تھا۔

بِالسَّيِّدِ الغمرِ السَّمِيحِ ذِی النُّهَىٰ ــــ مَاضِی العَزِيمَةِ غَيْرِ نِكسٍ وَاخِلِ

ایسے شخص کی سُنائی جو سردار تھا، وسیع الاخلاق کریم تھا۔ شریف و سخی، شجاع و متواضع تھا، دانشمند نافذالعزم تھا، ضعیف الرائے بے برقوت نہ تھا اور نہ سفلہ کمینہ پست ہمت آدمی تھا۔

نَرِينِ العَشِيرَةِ كُلِّهَا وَرَبِيعِهَا ــــ فِی المطبقاتِ وَفِی الزَّمَانِ المُمْحِلِ

متواتر خشک سالی و قحط کے زمانے میں وہ تمام خاندان کی زینت و رونق وبہار کا باعث تھا۔

إِنَّ الْمُهَذَّبَ مَنْ لُؤَيٍّ كُلِّهَا ــــ بِالشَّامِ بَيْنَ صَفَائِحٍ وَجَنَادِلِ

تمام خاندان لوی کا مہذب ترین ملک شام میں اس وقت آغشتۂ سنگ و خاک ہے۔

فَابْكِی عَلَيْهِ مَا بَقِيتِ بِعَوْلَةٍ ــــ فَلَقَدْ رُزِئْتِ أَخَا نَدىً وَفَوَاضِلِ

تو جب تک زندہ ہے اس پر زار و زار روتی رہ اس لئے کہ تجھے ایسے بزرگ کی میت اُٹھانی پڑی ہے جو صاحب فیض و بزرگ تھا۔

وَلَقَدْ رُزِئْتِ قَرِيعَ فِهْرٍ كُلِّهَا ــــ وَرَئِيسَهَا فِی كُلِّ أَمْرٍ شَامِلِ

تجھے ایسے شخص کی مصیبت اُٹھانی پڑی ہے جو تمام قبیلہ فہر کا سردار تھا اور ہر ایک امرِ عام و شامل میں سب کا رئیس مانا جاتا تھا۔

شفاء بنتِ ہاشم کا مرثیہ:۔

عَيْنِ جُودِی بِعَبْرَةٍ وَسُجُومِ ــــ وَاسْفَحِی الدَّمْعَ لِلْجَوَادِ الْكَرِيمِ

اے آنکھ اشکبار ہو اور اس فیاض وکریم بزرگ کے لئے آنسو بہا۔

هَاشِمِ الْخَيْرِ ذِی الْجَلَالَةِ وَالْمَجْدِ ــــ وَذِی الْبَاعِ وَالنَّدَىٰ وَالصَّمِيمِ

خیر و خوبی والے ہاشم کے لئے جو صاحب جاہ و جلال و بزرگی تھا، قوت وار حوصلہ مند، فیاض اور خالص و مخلص آدمی تھا۔

عَيْنِ وَاسْتَعْبِرِی وَسُحِّی وَجُمِّی ــــ لِأَبِيكِ الْمُسَوَّدِ الْمَعْلُومِ

اے آنکھ اپنے باپ کیلئے جو مشہور سردارِ قوم تھا، رو اور خوب رو اور روتی رہ۔

وَرَبِيعٍ لِلْمُجْتَدِينَ وَحِرْزٍ ــــ وَلِزَازٍ لِكُلِّ أَمْرٍ عَظِيمِ

جو حاجتمندوں کے حق میں بہار تھا اور ہر ایک بڑے سے بڑے کام کے لئے تعویز یا سبب حفظ و امن تھا اور دروازۂ مفاسد کو بند رکھنے والا رستہ تھا۔

شَمَّرِیٍّ نَمَاهُ لِلْعِزِّ صَقْرٌ ــــ شَافِعُ الْبَيْتِ مِنْ سَرَاةِ الْأَدِيمِ

تجربہ کار نافذالعزم شہباز کہ عزت ہی کے لئے اس کا نشو و نما ہوا تھا اور اشراف روئے زمین کے گھرانوں میں اس کا گھر سب سے پرانا اور شریف تھا۔

شَيْظَمِیٍّ مُهَذَّبٍ ذِی فُضُولٍ ــــ أَبْلَجِیٍّ مِثْلِ الْقَنَاةِ وَسِيمِ

تنومند بلند بالا فصیح و بلیغ شیر مرد، مہذب، صاحب فضائل سردارِ قوم جو خوش رو و خوش شکل و خوش منظر بھی تھا۔

غَالِبِیٍّ سَمَيْدَعٍ أَحْوَذِیٍّ ــــ بَاسِقِ الْمَجْدِ مُضْرَحِیٍّ حَلِيمِ

سردار غالب الاطوار حاذق و تیار جس کا شجرۂ مجد و کرم تناور تھا اور جو خود ایک فیاض بردبار سرگروہ سالار تھا۔

اسد ابن ہاشم: تاریخ میں اسد بن ہاشم کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی مادر محترم کے ضمن میں ان کا ذکر آتا ہے۔ حالانکہ جناب ہاشم کے زمانہ میں احتفاد کے دیرینہ رواج کو ختم کرانے کے محرک اسد بن ہاشم ہی تھے علامہ فخرالدین رازی نے سورہ ایلاف کی تفسیر کے ذیل میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

قریش کی حالت یہ تھی کہ جب انمیں کا کوئی شخص فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو وہ اپنے عیال کو لیکر کسی ویران جگہ چلا جاتا اور وہ سب لوگ اپنے اوپر خیمہ گرا دیتے یہاں تک کہ اسی میں مرجاتے تھے۔ ان لوگوں کی مصیبت کا اس وقت خاتمہ ہوا، جب ان میں جناب ہاشم بن عبدمناف پیدا ہوئے وہ بڑے ہو کر اپنی قوم کے سردار بنے آپکے ایک صاحبزادے کا نام اسد تھا۔ یہ اسد جب بچہ تھا تو ان کا ساتھی جو قبیلہ بنی مخزوم سے تھا جس سے انکی دوستی تھی اور وہ ان کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دفعہ انکے پاس آیا اور شکایت کی کہ بھوک سے اس کی بُری حالت ہے اور بڑی تکلیف و مصیبت کا سامنا ہے جناب اسد پر اس کے بیان کا ایسا اثر ہُوا کہ وہ روتے ہوئے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ماجرا بیان کیا ان کی مادر مہربان نے فوراً کافی مقدار میں آٹا اور پنیر اس لڑکے کے گھر بھجوا دیا جس سے کئی دن تک وہ آرام سے بسر کرتے رہے۔ جب ذخیرہ ختم ہو گیا تو پھر آکر لڑکے نے اپنی مصیبت بیان کی۔ انہوں نے پھر اپنی ماں سے کہا انہوں نے پھر غلہ وغیرہ بھیجدیا۔ جب جناب ہاشم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کرکے آپنے ایک تقریر کی اور قحط و تنگ حالی کی مصیبت کی طرف توجہ دلائی۔ فقیر کو مالدار کا دوست اور ساتھی بنا دیا۔ جس سے ان کا فقیر بھی خوشحال ہو گیا۔[1]

اگر غور کیا جائے تو نتائج کے اعتبار سے یہ اسد بن ہاشم کا قابلِ قدر کارنامہ تھا کیونکہ اسی واقعہ کی بدولت قریش سے احتفاد کی مصیبت ٹلی اور ان کے فقیر بھی امیر ہو گئے

[1] تفسیر کبیر صفحہ ۶۹۴ ج ۔ ۵

اسد بن ہاشم نے بنی عامر کی ایک خاتون فاطمہ بنت قیس بن ہرم بن رواحہ بن حجیر سے شادی کی ان کے بطن سے جناب فاطمہ مادر گرامی حضرت علیؑ پیدا ہوئیں اور ہنبار نامی ایک بیٹا پیدا ہُوا۔ ہنبار کا ایک بیٹا عبدالرحمٰن تھا جس سے آپ کی نسل چلی اور اسد بن ہاشم کی سولھویں پشت میں ابو محمد بہاؤ الدین ذکریا ملتانی ہیں اور اٹھارہویں پشت میں رکن عالم شیخ رکن الدین ابو الفتح سہروردی (مدفون ملتان) ہیں۔

اسد کی ماں کا نام قیلا اور لقب جزور تھا یہ بیٹی تھیں عامر بن مالک بن جذیمہ (انکو المصطلق بھی کہتے تھے جسکے معنٰی ہیں خوش آواز) بن سعد بن عمرو خزاعی کی۔

فاطمہ بنت اسد: یہ جناب ابو طالب کی زوجہ تھیں اور جناب ابوطالب کی جملہ اولاد یعنی طالب، عقیل، جعفر، علی، ام ہانی، جمانہ اور ریطہ انہی کے بطن سے تھے۔ یہ صحابیہ تھیں اور بقول علامہ زہریؒ "جناب فاطمہ بنت اسد کے اسلام پر سب مورخ متفق ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ ہجرت تھیں اور سابقات الاسلام کی فہرست میں بعد خدیجۃ الکبریٰ کے انہیں کا نام درج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی والدہ کے برابر سمجھتے تھے"[1]

ابن عباسؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ "یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے مکہ سے پا برہنہ چل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہ پہلی مخدرہ ہیں جنہوں نے خدیجہ کے بعد محمد رسول اللہؐ کی مکہ میں بیعت کی"۔[2]

جناب فاطمہ بنت اسد کی بابت متعدد مورخین نے لکھا ہے انمیں سے چند ایک اقتباسات ہم یہاں نقل کرتے ہیں: ابن اثیر لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: حضرت علیؑ کے والد ابو طالب تھے جو بیٹے تھے عبدالمطلب کے اور وہ بیٹے تھے ہاشم کے اور آپکی والدہ فاطمہ تھیں جو بیٹی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے ہاشم کے اور دو بیٹے تھے

[1] ارجح المطالب صفحہ ۳۰۱، [2] تذکرۃ الخواص صفحہ ۳۲۲

عبدمناف کے اور وہ پہلے خلیفہ ہیں جن کے ماں اور باپ دونوں ہاشمی تھے۔[1]

علامہ ابن قتیبہ دینوری جو قدیم مورخ اور علم الانساب کے محقق تھے ان کے بیان کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:۔

ہاشم بن عبدمناف کا نام عمرو تھا انہوں نے ملک شام کے مقام غزہ میں انتقال کیا اور اولاد میں عبدالمطلب، اسدؔ غیرہ کو چھوڑا۔ اسد کے بھی ایک بچہ ہوا تھا مگر اس کی اولاد نہیں ہوئی وہی بچہ حضرت علیؑ کا ماموں تھا اور اسد کی دوسری اولاد جناب فاطمہ تھیں جو حضرت علیؑ کی مادرِ گرامی ہوئیں اور اس وقت روئے زمین پر سوائے اولاد عبدالمطلب کے کوئی ہاشمی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جناب ہاشم کی اولادِ ذکور میں کئی شخص تھے مگر ان کی کوئی اولاد نہیں بچی"۔[2]

جناب فاطمہ بنت اسد نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش حقیقی ماں کی مانند کی۔ آپؐ کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں۔ ہمیشہ حسنِ سلوک کرتیں اور آپؐ کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتی تھیں۔ جسکا اقرار آنحضرتؐ نے ان کی وفات کے وقت فرمایا۔ انہوں نے ۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جب جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جناب علیؑ کی مادر مہربان کا انتقال ہو گیا تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازے پر تشریف لے گئے اور انکے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا "اے میری ماں تجھ پر خدا رحم کرے تو میری ماں کے بعد میری ماں تھی۔ تو آپ بھوکی رہتی اور مجھے کھلاتی، تو آپ ننگی رہتی اور مجھے پہنایا کرتی تھی۔ تو اپنی جان کو اچھے کھانے سے باز رکھتی اور مجھے کھلاتی تھی تو خدا کیلئے اور آخرت کے گھر کے لئے یہ حسنِ سلوک مجھ سے کرتی تھی"۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ "پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے غسل کا حکم دیا جب اُس پانی کے ڈالنے کی نوبت پہنچی جس میں کافور ملا ہوا تھا۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک

[1] تاریخ کامل صفحہ ۱۵۸، ج ۔ ۳ [2] معارف صفحہ ۴۷ مطبوعہ مصر

سے ان پر وہ پانی ڈالا۔ اور اپنا پیراہن ان کو پہنایا۔ اور جناب عمر بن خطابؓ اور اسامہ بن زید اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم کو قبر کھودنے کا حکم دیا۔ جب وہ قبر کھود چکے اور لحد تک پہنچے تو آپنے اپنے دستِ مطہر سے اس کو کھودنا شروع کیا اور اس سے مٹی نکالی اور اس میں لیٹ گئے اور ان کو خود بدولت حضورؐ نے اور جناب ابوبکرؓ اور عباسؓ نے قبر میں اُتارا پھر انکے لئے دعا پڑھی کہ "اے پروردگار میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کر اور اس کی دلیل اسکو تلقین فرما اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر۔ بطفیل اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السّلام کے جو کہ مجھ سے پہلے گذرے ہیں"۔ ابن عباس نے اس واقعہ کو اپنی روایت میں بیان کرکے مزید کہا کہ "جب سرورِ کائنات صلعم انکی قبر میں خود بدولت لیٹے تو صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپؐ نے انکے ساتھ وہ معاملہ کیا جو آج تک آپنے کسی سے نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ بعد جناب ابوطالب کے ان سے زیادہ کوئی میرے ساتھ نیکی کرنیوالا نہیں تھا۔ اس لئے اپنا پیراہن انکو پہنایا تاکہ وہ جنت کی پوشاک پہنیں اور انکی قبر میں اس لئے لیٹا کہ ان پر عذاب قبر آسان ہو جائے"۔[1] علامہ زہری کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ جناب فاطمہ بنت اسد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور انکے گھر میں قیلولہ فرماتے تھے۔ جناب فاطمہ نیک و صالح خاتون تھیں۔

جناب عباس بن عبدالمطلب سے روایت منقول ہے کہ فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں جبکہ علیؑ انکے شکم میں تھے۔ انہیں دردِ زہ شروع ہوا تو وہ پشت کعبہ پر کھڑی ہو کر دعا کرنے لگیں کہ دفعتاً دیوارِ کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ میں داخل ہوئیں۔ ہم لوگوں کو سخت تعجب ہوا، حیران و پریشان کعبہ کے قریب پہنچے۔ درِ کعبہ مقفل تھا۔ قفل کھولنے کی بڑی کوشش کی لیکن کسی طرح نہ کھلا آخر رازِ الٰہی سمجھ کر خاموش ہو گئے۔ اور وہیں علیؑ پیدا ہوئے۔ اور مکہ کے ہر گھر میں اسکا چرچہ ہونے لگا۔[1]

[1] ارجح المطالب صفحہ ۳۰۱
تفصیل کے لئے منتھی الامال صفحہ ۱۲، ارجح المطالب صفحہ ۳۰۲، تذکرۃ الخواص صفحہ ۳۲۳ ملاحظہ ہو۔

شیبہ بن ہاشم

نام و کُنیت:۔ جناب عبدالمُطلب کا نام شیبہ اور کُنیت ابوالحارث تھی۔ انکے نام شیبہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عربی میں "شیب" سر کے سفید بالوں کو کہتے ہیں اور چونکہ شیبہ کے سر کے بالوں میں سے چند بال پیدائشی طور پر سفید تھے اسلئے انکا نام شیبہ یعنی سفید بالوں والا رکھا گیا۔ خاندان کے بزرگوں کا خیال تھا کہ یہ طویل عمر پائیں گے۔ اور لوگ ان کو حمد و ثنا کے ساتھ یاد کریں گے لہٰذا یہ شیبۃ الحمد کے نام سے مشہور ہوئے۔ شیبہ کے فرزند اکبر کا نام حارث تھا جنکی مناسبت سے آپ کی کُنیت ابوالحارث تھی۔

لقب:۔ شیبۃ الحمد کا مشہور ترین لقب عبدالمطلب تھا اور اسی لقب نے نام کی جگہ پائی۔ اس لقب سے ملقب ہونے کی بابت مذکور ہے کہ شیبہ اپنے ننھیال مدینہ میں پیدا ہوئے اور باپ کے انتقال کے بعد وہیں پر اپنے ماموؤں کے زیر تربیت پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ انکی عمر سات یا آٹھ سال ہوگئی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک میدان میں چند ہم عمر لڑکے تیر اندازی کر رہے تھے۔ ابن سعد کے بیان کے مُطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے شاعر حسان بن ثابت کے والد ثابت بن المنذر بن حرام جو عمرہ کے لئے مدینہ سے مکہ آ رہے تھے انکا گذر اس طرف سے ہوا۔ یہ بچوں کا کھیل دیکھنے کی غرض سے وہاں رُک گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا صحیح نشانے لگا رہا ہے اور جب اس کا تیر نشانہ پر لگتا ہے تو وہ بے ساختہ

کہتا ہے "انا ابن عمرو العلی انا ابن سیّد البطحا" یعنی میں بُلند مرتبہ عمرو کا بیٹا ہوں میں بطحا کے سردار کا فرزند ہوں۔ ثابت اِس بچے کے پاس گئے اور نام و نسب دریافت کیا۔

ثابت جب مکہ پہنچے تو مُطلب سے جو ان کے دوست تھے واقعہ من و عن بیان کیا جسے سُنکر مُطلب نے فوراً مدینہ جانے کا قصد کیا۔ ثابت نے مشورہ دیا کہ سلمیٰ اور اسکے بھائی بچے کو لانے کی اجازت نہیں دیں گے لہٰذا کیوں نہ شیبہ کو اسکے ننھیال میں رہنے دیا جائے تاوقتیکہ وہ خود اپنی قوم میں آ جائے۔ مُطلب نے کہا "اے ابواُوس[1] میں تو اسے وہاں نہ چھوڑوں گا کہ اپنی قوم کے مآثر و فضائل سے بیگانہ بنا رہے۔ تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس کا حسب نسب اور مجد و شرف سب کچھ اس کی قوم ہی کے ساتھ ہے"۔

بہرحال مُطلب مکہ سے روانہ ہوئے مدینہ پہنچے ایک جگہ قیام کیا اور بھتیجے کی تلاش کی۔ مُطلب کو بھتیجے کے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کیونکہ شیبہ کی شکل و شباہت اسکے دادا عبد مناف سے ملتی جُلتی تھی۔ چچا نے بھتیجے کو گلے لگایا، پیار کیا اور اسے بتایا کہ وہ اس کے چچا ہیں فرطِ محبت سے مُطلب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ سے متعلق مُطلب کے کہے ہوئے مندرجہ ذیل دو اشعار نقل کئے ہیں:-

عَرَفْتُ شَيْبَةَ وَالنَّجَّارُ قَدْ حَفَلَتْ   اَبْنَاؤُهَا حَوْلَهُ بِالنَّبْلِ تَنْتَضِلُ

۱) میں نے شیبہ کو پہچان لیا اور ایسی حالت میں پہچانا کہ قبیلہ بنی نجار کے لڑکے اس کے گرد تیر اندازی کے لئے مجمع کئے ہوئے تھے۔

عَرَفْتُ اجلادهُ منا وَ شِيْمَتَهُ   فَفَاضَ مِنِّي عَلَيْهِ وَابِلٌ سَبَلُ[2]

۲) میں نے پہچان لیا کہ اس کے بازو و طور طریق ہم ہی میں سے ہیں اور یہ پہچان کر میری آنکھیں اس پر آنسوؤں کے موتی برسانے لگیں۔

---

[1] ابواوس، ثابت بن منذر کی کنیت تھی۔ [2] طبقات ابن سعد ص۱۲۶، ج-۱

جب سلمیٰ کو مُطلب کی آمد کا علم ہوا تو اس نے پیغام بھیجکر مُطلب کو بلوایا اور اپنے گھر پر قیام کی دعوت دی جسکے جواب میں مطلب نے کہا "جب تک میں اپنے بھتیجے کو نہ پاؤں گا اور اس کو اسکے شہر و قوم میں نہ لیجاؤں گا اسوقت تک گرہ بھی نہ کھولنا چاہتا"۔ سلمیٰ نے بیٹے کو بھیجنے سے انکار کیا تو مُطلب نے اسکو سمجھایا کہ شیبہ غیر قوم میں ہے اور اجنبی ہے ہمارا خاندان بلند مرتبہ اور ہماری قومی شرافت اس امر کی متقاضی ہے کہ شیبہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں اقامت کرے۔ ویسے وہ جہاں کہیں بھی رہے تیرا ہی بیٹا ہے۔ سلمیٰ نے جب دیکھا کہ مُطلب شیبہ کو ساتھ لئے بغیر جانے والے نہیں تو اس نے تین دن کی مہلت طلب کی اور انکو اپنے گھر قیام کرنے کو کہا جسے مُطلب نے منظور کر لیا۔ مُطلب نے تین دن سلمیٰ کے گھر قیام کیا اور اس کے بعد شیبہ کو ساتھ لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے ہشام بن محمد کی روایت کے مُطابق اس موقعہ پر مُطلب نے یہ اشعار کہے:-

اَبْلِغْ بَنِي النَّجَّارِ اِنْ جِئْتَهُمْ   اَنِّيْ مِنْهُمْ وَابْنُهُمْ وَالْحَمِيْسُ

۱) بنی نجار کے پاس آنا تو ان سے کہدینا کہ میں بھی اور ان کا لڑکا بھی یہ جماعت کی جماعت سب انہیں میں سے ہیں۔

رَاَيْتُهُمْ قَوْمًا اِذَا جِئْتَهُمْ   هَوَوْا لِقَائِيْ وَاَحَبُّوْا حَسِيْسِيْ

۲) میں نے دیکھا کہ ایسے لوگ ہیں کہ انکے پاس آئے تو وہ میری ملاقات کے خواہشمند ہوتے ہیں اور میری آہٹ سے بھی الفت رکھتے ہیں۔

جب مُطلب شیبہ کو ساتھ لیکر مکہ میں داخل ہوئے تو ظہر کا وقت تھا لوگ اپنے گھروں سے باہر بیٹھے تھے۔ مُطلب کے ساتھ نوعمر لڑکے کو دیکھ کر وہ یہ سمجھے کہ مُطلب کوئی غلام خرید کر لائے ہیں اور ان میں سے کسی نے کہا۔ ھٰذا عبد المُطلب یعنی یہ لڑکا عبدالمطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے یہ سُنا تو کہا کہ وائے ہو تم پر یہ تو میرا بھتیجا شیبہ ابن عمرو ہے لیکن تمہارا

بھتیجے کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ زندگی بھر اپنے آپ کو مُطلب کا غلام کہلوایا۔ اور اس لقب سے اتنے مشہور ہوئے کہ لوگ ان کا نام بھول کر لقب ہی کو نام کی جگہ استعمال کرنے لگے۔

آبائی میراث:۔ جب سے عبدالمطلب اپنے چچا کے ہمراہ مدینہ سے مکہ آئے اسوقت سے مکہ ہی میں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ جوان ہو گئے۔ عبد مناف کے دو بیٹے ہاشم اور عبدالشمس رحلت پا چکے تھے اور دو بیٹے مُطلب اور نوفل حیات تھے۔ ایک بار مُطلب تجارت کی غرض سے یمن گئے وہاں مقام اُدمان میں انتقال کر گئے۔ انکی وفات کے بعد وہ تمام مناصب جو مُطلب کے پاس تھے عبدالمطلب کو منتقل ہو گئے۔

"Muttalib died at Kazwan, in Yeman towards the end of 520 A.C., and was succeeded by his nephew, Abdul Muttalib, as the virtual head of the Meccan commonwealth."

(The spirit of Islam P.5)

مُطلب نے اپنی حیات ہی میں ہاشم کی تمام املاک سے عبدالمطلب کو آگاہ کر دیا۔ نوفل بن عبد مناف کے تصرف میں ایک کنواں تھا جو ہاشم کی ملکیت تھا۔ نوفل نے اس کنویں کو غصب کرنا چاہا اور عبدالمطلب سے اس بارے میں تنازعہ کیا۔ لہٰذا عبدالمطلب نے اپنی قوم کے لوگوں سے شکایت کی اور اپنے چچا کے خلاف مدد چاہی مگر کوئی بھی مدد پر آمادہ نہیں ہوا۔ ان سے مایوس ہو کر عبدالمطلب نے ننھیالی رشتہ داروں سے رابطہ قائم کیا اور اپنے ماموں کو تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔ اطلاع ملتے ہی ابواسعد ابن عدس النجاری ۸۰ ناقہ سواروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ پہنچا۔ عبدالمطلب کو جب ماموں کے آنے کی خبر ملی تو وہ استقبال کو پہنچے اور ان سے قیام کرنے کو کہا لیکن ابواسعد نے کہا کہ جب تک نوفل سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے گی وہ فروکش نہیں ہوں گے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ اس وقت نوفل حجر میں قریش کے مشائخ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ لہٰذا

ابواسعد حجر پہنچے اور تلوار نکال کر نوفل سے مخاطب ہوئے "ربِ کعبہ کی قسم ہے یا تو میرے بھانجے کو اسکا کنواں واپس دیدے ورنہ میں اس تلوار سے تیرا کام تمام کردوں گا" نوفل نے اس غیر متوقع اور اچانک حملہ سے گھبرا کر فوراً جواب میں کہا "ربِ کعبہ کی قسم ہے میں نے وہ کنواں اسے واپس دیدیا" اس پر تمام حاضرین کی شہادت ہوگئی۔ اس کے بعد ابواسعد معہ اپنے ہمراہیوں کے تین دن بھانجے کے مہمان رہے اسی دوران انہوں نے عمرہ بھی ادا کیا۔ اس طرح عبدالمطلبؑ کو اپنی آبائی میراث کا وہ کنواں بھی حاصل ہوگیا جو نوفل کے قبضہ میں تھا۔ اس واقعہ کے بعد نوفل نے تمام بنی عبدالشمس کو جمع کرکے بنی ہاشم کے خلاف ایک سمجھوتہ کیا[1]

چشمہ زم زم کی دریافت: جناب عبدالمطلبؑ کے واقعات زندگی میں چشمۂ زم زم کی دریافت ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ یہ چشمہ نہ صرف آبادیٔ مکہ اور بنائے کعبہ کا سبب ہے بلکہ خانوادۂ اسمٰعیلؑ کی عظمت و تقدس کی عظیم الشان یادگار ہے۔ اس چشمہ پر حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرالی قبیلہ بنو جرہم نے قبضہ جمالیا تھا اور جب وہ حالات سے مجبور ہوکر مکہ سے نکلے تو اس چشمہ کو پاٹ گئے تاکہ ان کے بعد اس چشمہ سے کوئی فیض یاب نہ ہوسکے۔ عبدالمطلبؑ سے پہلے بنو اسمٰعیل کے کسی بزرگ کو اس چشمہ کی جستجو نہ ہوئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بیشتر افراد کے ذہنوں سے اس کا نام تک محو ہوگیا۔ اس بارے میں مولوی نذیر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمۂ زمزم کے قریب آباد ہوئے تھے انہوں نے جب خدا کی مقدس عبادت گاہ میں طرح طرح کے فسادات برپا کئے تو عمرو بن حارث جرہمی نے جو ان کا سردار تھا بایں خوف اس سرزمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر ان کے کردار ناشائستہ کی وجہ

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۲، ج۔۱

سے عذاب الٰہی ٹوٹ پڑے اور میں بھی ان کے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں چنانچہ اس نے ساری قوم کو جمع کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اس کی اس رائے سے اتفاق کیا اور سب نے سرزمینِ مکہ سے نکل جانے پر عزم مصمم ظاہر کیا۔ عمرو نے کعبہ کے چڑھاوے کا نفیس و قیمتی مال اس چشمہ میں جو مرور زمانہ کی وجہ سے ایک خاص عمیق گڑھا ہوگیا تھا ڈالدیئے اور منڈیریں توڑ کر اسے پاٹ دیا یہاں تک کہ اسکا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف لے گیا اس زمانہ سے مدتوں یہ چشمہ پٹا رہا۔ سینکڑوں برس گذر گئے کسی کو اس کی طرف خیال بھی نہ ہوا مگر عام الفیل کے سال عبدالمطلبؑ کو اس کا خیال ہوا اور انہوں نے وہ جگہ کھود کر پانی نکالا۔ (امہات الامہ صفحہ ۴۰)

مشہور چشمہ زمزم کو پاٹنے کی بابت صاحب روضۃ الاحباب کا بیان ہے کہ:

ترجمہ: "بنی جرہم نے بنو اسمٰعیل کا غلبہ دیکھا اور انکو یقین ہوگیا کہ اب ریاستِ مکہ ہمارے ہاتھوں میں نہ رہے گی تو انہوں نے دلی مقصد اسطرف سے ہٹالیا۔ بنی جرہم میں سوقت ان کا سردار عمرو بن حارث تھا اس نے مارے حسد کے کعبہ سے حجرِ اسود کو اکھاڑا اور ان چند سلاخوں کو جو کعبہ میں تھیں۔ سب کو اکھاڑ کر چاہ زمزم میں ڈال کر زمزم کو پاٹ کر زمین کے برابر کردیا۔"

(روضۃ الاحباب طبع لکھنؤ صفحہ ۶۲، ج۔۱)

مکہ میں اس وقت ہر قبیلہ کا ایک کنواں تھا جنکی تفصیل ابن ہشام نے سیرت میں بیان کی ہے اس طرح مکہ شہر میں کل بارہ کنویں تھے جن سے تمام لوگ سیراب ہوتے تھے۔ چونکہ عبدالمطلبؑ کے فرائض منصبی میں سے ایک منصب حجاج کو پانی کی فراہمی بھی تھا لہٰذا ایام حج میں آپ کو سخت دشواری پیش آتی تھی اس کے لئے اگر

آپ چاہتے تو مزید ایک کنواں کھدوا لیتے لیکن زمزم کی اہمیت کے پیش نظر اس چشمہ کی تلاش کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور اسکی تلاش کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر کسی صورت بھی اس کا پتہ ونشان نہ ملا تب عبدالمطلبؑ نے اسی مالکِ حقیقی کی جانب رجوع کیا جس نے زمزم کو حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے جاری کیا تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ:

بشارتِ خداوندی:۔ ایک رات عبدالمطلب کو خواب میں بشارت ہوئی کہ "طیبہ کو کھود ڈال" انہوں نے دریافت کیا "طیبہ[1] کیا ہے؟" دوسری رات پھر کسی نے کہا "برہ[2] کو کھود" آپ نے پوچھا "برہ کیا ہے؟" تیسری رات پھر بشارت ہوئی "مضنونہ[3] کو کھود" انہوں نے پھر سوال کیا "مضنونہ کیا ہے؟ بیان کر تو کیا کہتا ہے"۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ چوتھی شب پھر بشارت ہوئی "زمزم کو کھود" آپ نے دریافت کیا۔ "زمزم کیا ہے" جواب ملا، زمزم وہ ہے کہ نہ اسکا پانی ختم ہوگا نہ اسکی مذمت کی جاسکے گی۔ حاجیوں کو خاطر خواہ سیراب کریگا۔ یہ گندگی اور خون کے درمیان اس جگہ واقع ہے جہاں غراب اعصم* منقار سے کرید تا رہتا ہے[4]

اس غیبی امداد کی بابت مولوی نذیر احمد صاحب نے ابن اسحاق کے حوالے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت کو عقلاً و نقلاً درست قرار دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ عبدالمطلب کا بیان ہے کہ:۔

* غراب اعصم اس کوّے کو کہتے ہیں جس کے دونوں پاؤں اور چونچ سرخ رنگ کے ہوں اور اسکے پروں میں کچھ سفیدی ہو۔ زمزم کے پٹ جانے کے بعد اس مقام پر قربانی ہوتی تھی جسکے باعث وہاں خون اور غلاظت جمع رہتی تھی۔ وہاں یہ خاص قسم کا کوّا گندگی کو اپنی چونچ سے کرید اکرتا تھا۔

[1]، [2]، [3] زمزم کے نام ہیں۔

[4] طبقات ابنِ سعد صفحہ ۱۲۸، ج۔۱، سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۲، ج۔۱

"میں ایک روز حطیم کعبہ میں سوتا تھا خواب میں ایک شخص آکر کہنے لگا۔ کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال۔ میں نے کہا کہ طیبہ کہاں ہے اس کا اس نے کچھ جواب نہ دیا اور غائب ہوگیا دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص نئے نئے نام لیتا رہا۔ چوتھے روز کہا زمزم کو کھود کر پانی نکال میں نے زمزم کا پتہ پوچھا تو کہا قَرْيَةُ النَّمل کے متصل۔ میں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیکر اس موقع پر پہنچا اور کھودنا شروع کیا تین روز تک ہم دونوں باپ بیٹے برابر کھودا کئے چوتھے روز ایک پختہ منڈیر نمودار ہوئی، اور اندر سے پانی چمکا۔"

خدا کے بتلائے ہوئے مقام پر جناب عبدالمطلبؑ نے کھدائی کا کام شروع کردیا۔ اولالعزمی کا یہ عالم تھا کہ اس کارِ خیر کو صرف دو باپ بیٹوں نے انجام دیا قبائل قریش میں سے بعض تمسخر کی نظر سے دیکھتے اور بعض نے مخالفت بھی کی بقول ابن ہشام قریش کا اعتراض یہ تھا کہ وہ اپنے بتوں کے سامنے گڑھا نہیں کھودنے دیں گے۔ مگر جناب عبدالمطلبؑ نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی کسی سے مدد طلب کی۔ تین دن کی مسلسل کوشش کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے۔

تحکیم: جناب عبدالمطلبؑ کو جب کامیابی کے آثار دکھائی دیئے تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا۔ هٰذا اطوی اسمٰعیل یعنی یہ وہی زمزم ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے جاری ہوا تھا۔ جناب عبدالمطلب کی آواز سن کر بہت سے لوگ اس جگہ پر آکر جمع ہوگئے جہاں یہ دونوں باپ بیٹے زمزم کی کھدائی میں مشغول تھے اور اس امر پر اصرار کرنے لگے کہ یہ چشمہ ہمارے جد اسمٰعیلؑ کا ہے لہٰذا ہم سب اس میں شریک ہیں تم تنہا اس پر متصرف نہیں ہوسکتے۔ عبدالمطلبؑ نے جواب دیا چونکہ اللہ رب العزت نے مجھے اس کی بشارت دی اور ہم دونوں باپ بیٹے نے بلا شرکت غیرے اسے کھودا ہے

لہٰذا کوئی دُوسرا اس میں حصّہ دار کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن قریش کی حسد و نفسانیت بڑے عروج پر تھی وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے یا تو چشمہ پر سے اپنا قبضہ ہٹا لو یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہم اس چشمہ کو پاٹ کر دوبارہ اپنے خرچ سے کھدوائیں گے اس پر جناب عبدالمطلبؑ کا مؤقف تھا کہ یہ چشمہ ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے جبکہ فریق مخالف اسے جمہوری جائیداد بنانا چاہتے تھے الغرض عبدالمطلبؑ کے لئے یہ صورتحال انتہائی نازک تھی کیونکہ ایک طرف تو جناب عبدالمطلبؑ اور انکے فرزند حارث تھے اور دوسری طرف قریش کا مجمع، اس وقت ان کو افرادی قوت کا شدت سے احساس ہوا تو انہوں نے نہایت نرمی اور بردباری سے اس مسئلہ کو حل کیا اور تحکیم کی تجویز پیش کی کافی ردوکد کے بعد قبیلۂ بنی سعد کی کاہنہ هُذَیم کو جو شام کے نواح میں مقام معان میں رہتی تھی حکم تسلیم کیا۔ طرفین میں یہ طے پایا کہ هُذَیم جو فیصلہ کرے گی وہ ہر فریق کو تسلیم ہو گا لہٰذا قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک بزرگ کو لیا گیا جناب عبدالمطلب بھی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شام کی جانب روانہ ہوئے۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق بیس بیس آدمی ہر فریق کے ساتھ تھے۔ اسی موقعہ پر عبدالمطلبؑ نے اللہ سے دُعا کی کہ اگر ان کی حیات میں ان کے دس بیٹے جوان ہوں گے تو ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

<u>قدرتی فیصلہ</u>: سب لوگ اونٹوں پر سوار ہوئے اور شام کی طرف کوچ کیا۔ ابھی سفر کی چند منازل ہی طے کی تھیں کہ جناب عبدالمطلبؑ کے ساتھیوں کا ذخیرۂ آب ختم ہو گیا۔ لق و دق صحرا میں جہاں کوسوں پانی ملنے کی امید نہ تھی۔ پیاس کی شدت کے باعث سفر ملتوی کر کے صحرا میں ایک مقام پر پڑاؤ کیا، قبائل قریش نے بھی قریب ہی میں اپنے خیمے لگائے ان کے پاس پانی کا کچھ ذخیرہ موجود تھا وہ گروہِ مخالف کے پیاسے افراد کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ پیاس کی شدت کے باعث جناب عبدالمطلبؑ اور

ان کے ساتھیوں کی حالت نہایت ابتر تھی وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ چار و ناچار انہوں نے فریق مخالف سے پانی مانگا لیکن انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا۔ جب عبدالمطلبؑ نے اندازہ کر لیا کہ موت یقینی ہے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم اگر اس طرح مر گئے اور کسی کو کفن دفن بھی میسّر نہ آیا تو یہ رسوائی کی بات ہو گی لہٰذا ہر آدمی اپنے لئے ایک گڑھا کھود لے تاکہ جو مرتا جائے اس کو بقیہ افراد اسکے گڑھے میں دفن کر دیں اس طرح صرف ایک شخص آخر میں دفن ہونے سے بچ رہے گا۔ اور ایک فرد کا بے دفن پڑے رہنا بہتر ہے اس سے کہ ہم سب بے دفن پڑے رہیں۔ ساتھیوں نے آپ کی رائے پسند کی اور سب نے اپنے اپنے لئے قبر کھود لی۔ قریش ان کی بے کسی کا تماشہ دیکھتے رہے۔ عبدالمطلبؑ اور ان کے ساتھی قبریں کھود کر موت کا انتظار کرنے لگے۔ عبدالمطلبؑ نے سوچا کہ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا اور موت کا انتظار کرنا جوانمردی نہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے شاید اللہ کو ہماری حالت پر رحم آ جائے اور پانی میسّر آئے جسکے سبب ہم بے کسی کی موت سے بچ جائیں۔ یہ سوچ کر آپ اُٹھے اور اپنے اونٹ پر سوار ہوئے جونہی آپکی اونٹنی اُٹھی تو اس کے پیروں کے نیچے کی ہٹی ہوئی ریت میں پانی کے آثار دکھائی دیئے۔ ریت کو ہٹایا تو صاف و شفاف پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ جناب عبدالمطلبؑ اور انکے ساتھیوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی جوش میں آ کر سب نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے اور چشمہ کے پانی سے سیراب ہوئے اور اپنی مشکیں بھر کر ذخیرۂ آب جمع کر لیا۔ عبدالمطلبؑ نے فریق مخالف کے سرداران قریش کو آواز دی کہ آؤ تم بھی پانی پی لو خدا نے ہم لوگوں کو سیراب کر دیا۔ اس پر عبدالمطلبؑ کے ساتھیوں نے اعتراض کیا تو آپ نے انہیں سمجھایا۔ قریش نے بھی اس چشمہ سے پانی پیا اور مشکیں بھر لیں اسکے بعد انہوں نے کہا کہ اے عبدالمطلب خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں فتح دیدی۔ خدا کی قسم اب زمزم کے بارے میں ہم تم سے کبھی نزاع نہ کریں

گے۔ کیونکہ جس خدائے برحق نے اس بے آب و گیاہ میدان میں یہ چشمہ ظاہر کر کے تم کو سیراب کیا اسی نے زمزم سے بھی تم کو سیراب کیا ہے۔ اب چلو تم اپنے اس کنویں پر اطمینان سے اور بے کھٹک قبضہ کر لو ہم لوگ کچھ نہیں بولیں گے۔ اِس طرح قدرتی فیصلہ ہو جانے کے بعد وہ لوگ کاہنہ کے پاس گئے بغیر واپس لوٹ آئے۔[1]

<u>دفینۂ قدیم</u>: جناب عبدالمطلب مکّہ واپس پہنچ کر زمزم کی مزید کھُدائی میں مشغول ہو گئے جب کھدائی کی تکمیل ہو چکی تو جناب عبدالمطلبؑ نے اس کنویں نما چشمے کو مکّہ میں آباد تمام قبائل کے فیضیاب ہونے کے لئے وقف کر دیا۔ اس چشمہ کی کھدائی کے دوران بنی جرہم کے چھپائے ہوئے خانۂ کعبہ کے تبرکات برآمد ہوئے تو ایک بار پھر طمع کے مارے قریش حصّہ دار بننے کے لئے آموجود ہوئے۔ عبدالمطلبؑ نے حصّہ دینے سے انکار کیا لیکن وہ باز نہ آئے بالآخر جناب عبدالمطلبؑ نے قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کرنے کو کہا۔ تیر ڈالے گئے تو فیصلہ خانہ کعبہ اور عبدالمطلبؑ کے حق میں ہوا، قریش ہر چیز سے محروم رہے۔ اس واقعہ کی تفصیل محدث شیرازی نے اس طرح بیان کی ہے:

ترجمہ: قریش عبدالمطلبؑ کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو اس مال میں سے ہم لوگوں کو بھی حصّہ دینا چاہیئے اور مخاصمت شروع کر دی۔ عبدالمطلبؑ نے کہا کہ اگرچہ اس مال میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں ہے کیونکہ اس کام میں تم لوگوں نے مجھے کوئی مدد نہیں پہنچائی ہے بلکہ مجھکو تو تم نے اس سے باز رکھنا چاہا تھا مگر تاہم میں تمہارے ساتھ انصاف سے کام لوں گا۔ اور اس کام کو قرعہ سے انجام دوں گا وہ راضی ہو گئے عبدالمطلبؑ نے مال کے دو حصّے کئے ایک حصّہ میں سونے کے ہرنوں کو رکھا اور دُوسرے میں زرہوں کو۔

[1] زمزم کی دریافت سے متعلق جملہ واقعات مستند کتب تواریخ میں بالتفصیل مرقوم ہیں۔ ہم نے یہ مختصر واقعات سیرۃ ابن ہشام اور طبقات ابن سعد کے تفصیلی مضامین سے لئے ہیں۔

ایک قسم کعبہ کے نام۔ ایک قریش کے نام اور ایک اپنے نام ڈالا جانا تجویز کیا اسی کے مُطابق قرعہ ڈالا گیا۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو سونے کے ہرنوں پر کعبہ کا نام نکلا اور زرہوں پر عبدالمطلبؑ کا نام نِکلا اور قریش کا نام کسی چیز پر نہیں نکلا۔ عبدالمطلبؑ نے ان زرہوں کو جو ان کے نام سے نِکلیں تھیں خانۂ کعبہ کی اِصلاح کے کاموں میں صرف کیں ان سے کعبہ کے آہنی دروازے بنائے جانے کا حکم دیا۔ اور وہ بنائے گئے اور ان سونے کے ہرنوں کو دیکر خانہ کعبہ کے کواڑوں کی کلیجیں تیار کرائیں۔ اور کواڑوں پر بٹھلائیں۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ انکو اسی صورت میں دروازہ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا اور یہ آویزاں تھیں، ایک جماعت قریش جسمیں ابولہب بھی شامل تھا بیٹھی ہوئی شراب پیتی تھی گانے والی لونڈیاں بھی ہمراہ تھیں۔ جب ان کا سامانِ عیش تمام ہو گیا تو وہ لوگ خانۂ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور سونے کے دونوں ہرنوں کو جو لٹکے ہوئے تھے چُرا لیا۔ اور اُسی رات کو شراب فروشوں کے قافلہ کے ساتھ جو مکّہ میں ٹھہرا ہوا تھا ان کو بیچ ڈالا اور جتنی شراب ان کے پاس تھی سب ایک بار خرید لی اور ایک مہینہ تک شراب پیتے رہے یہ کسی کو نہ معلوم ہوا کہ یہ فعل کس سے صادر ہُوا یہاں تک کہ ایک شب کو عبّاس ابن عبدالمطلبؑ کا قریش کی اس صحبت عیش و طرب کی طرف سے گذر ہوا۔ کنیزان مغنیہ گا رہی تھیں اور اپنے گیتوں میں ان دونوں طلائی ہرنوں کی چوری کرنے اور قافلہ کے ہاتھ بیچ دینے کے پورے حالات گویا گلے پھاڑ پھاڑ کر بیان کر رہی تھی۔ عبّاس نے ان گیتوں کو سُنا اور قریش کو تمام حالات کی اطلاع دی جماعت کی جماعت پکڑی گئی ان کی سخت تنبیہ و تادیب اور بعلت جرم سرقہ بعضوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔[1]

[1] روضۃ الاحباب ص۱۶۴، ج۔۱، طبع لکھنؤ

ذوالہرام کی واپسی :- جناب عبدالمطلب کا ایک کنواں جسے ذوالہرام کہتے تھے طائف میں تھا اور قبیلہ بنی ثقیف اس پر متصرف تھا۔ اس قبیلے کا سردار جندب بن حارث ثقفی تھا جناب عبدالمطلب نے اس سے اپنے کنویں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ فساد پر آمادہ ہو گیا۔ عرب کے دستور کے مطابق بنی عذرہ کے ایک کاہن عزّیٰ سلمہ کو جو شام کا باشندہ تھا ثالث مقرر کیا گیا اور طے پایا کہ کاہن جس کے خلاف فیصلہ دیگا وہ ایک مقررہ تعداد اونٹوں کی فریق مخالف کو دے گا۔ اصطلاح میں ایسی شرط کو منافرہ کہتے ہیں۔ الغرض فریقین منافرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ گو کہ بنی ثقیف غیر قوم اور غیر لوگ تھے پھر بھی قریش نے اس نازک موقع پر بھی جناب عبدالمطلب کا ساتھ نہیں دیا جناب عبدالمطلب کے ہمراہ آپکے واحد فرزند حارث اور چند افراد بنی ہاشم تھے۔ ابن سعد وغیرہ نے اس سفر کے دوران بھی ویسا ہی واقعہ بیان کیا ہے جیسا کہ زمزم کے تنازعہ پر کاہنہ ہذیم کے پاس جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔ الغرض یہ لوگ کاہن کے پاس پہنچے اور فیصلہ طلب کیا۔ کاہن نے جناب عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا جسکے مطابق بنی ثقیف کو نہ صرف ذوالہرام واپس کرنا پڑا بلکہ طے شدہ تعداد اونٹوں کی بھی دینا پڑیں۔ جناب عبدالمطلب نے ان اونٹوں کو وہیں ذبح کیا اور ان کا گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ [1] اسطرح خداوند تعالیٰ نے عبدالمطلب کو جندب پر اور عبدالمطلب کی قوم کو جندب کی قوم پر فضیلت و برتری عطا فرمائی۔

محالفہ : عربوں کا دستور تھا کہ دو قبائل معاہدہ کر کے باہم رفیق و مددگار بن جاتے تھے۔ ایسے معاہدے کو محالفہ کہتے ہیں۔ جناب عبدالمطلب کے باب میں مورخین نے اسی قسم کے ایک معاہدے کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی خزاعہ کے لوگ جناب عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہا۔ (ترجمہ) ہم تم ہمسائے اور ہم جوار ہیں لہٰذا آؤ محالفہ (یعنی باہمی امداد

[1] طبقات ابن سعد ص۱۳۶، ج-۱

ونصرت کا معاہدہ) کریں۔ جناب عبدالمطلب نے انکی رائے سے اتفاق کیا اور سات افراد کو لے کر دارالندوہ پہنچے جہاں یہ معاہدہ ہونا طے پایا تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ جانے والوں میں اولاد مطلب بن عبدمناف میں سے ارقم بن نضلہ بن ہاشم اصحاب عمرو فرزندان ابو صیفی بن ہاشم تھے۔ ان میں عبدشمس اور نوفل کی اولاد کا کوئی فرد شامل نہ تھا۔ [1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوستی کا یہ معاہدہ بنی خزاعہ اور بنی ہاشم کے درمیان ہوا تھا۔ الغرض دونوں فریق الندوہ میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد و معاونت کا عہد و پیمان ہوا۔ حسب دستور عہدنامہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تاکہ ہر خاص و عام آگاہ ہو جائے۔ اس موقع پر جناب عبدالمطلب نے چند اشعار کہے جنہیں ابن سعد و ابن ہشام وغیرہ نے تحریر کیا ہے۔ انمیں سے تین اشعار کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:۔

۱) اگر میری موت آئی تو میں زبیر کو وصیت کر جاؤں گا کہ میرے اور فرزندان عمرو خزاعی کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ اس پر قائم رہے اور ٹوٹنے نہ دے۔

۲) میں یہ وصیت کر جاؤں گا کہ اس کے بزرگ نے جو عہد کیا ہے اس کی حفاظت کرے اور ایسا نہ ہو کہ کسی طرح کے ظلم و غدر کے باعث اسکی خلاف ورزی ہو۔

۳) اے زبیر! خاندان فہر کے وہی تیری قوم والے ہیں ان سب میں سے یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے پرانی قسم کی حفاظت کی اور تیرے باپ کے حلیف بنے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے جن خیالات کو اشعار میں بیان کیا ان پر حقیقتاً عمل بھی کیا۔ اپنے آخری ایام زندگی میں جناب زبیر سے اسی قسم کی وصیت کی اور جناب زبیر نے جناب ابوطالب سے اور جناب ابوطالب نے یہی وصیت جناب عباس سے کی۔ [2]

[1] طبقات ابن سعد ص۱۳۲، ج-۱ ، [2] طبقات ابن سعد ص۱۳۳، ج-۱

منافرہ :- عربوں میں جس طرح حلیف بنانے کا دستور تھا اسی طرح منافرہ کا بھی رواج تھا۔ منافرہ کی ضرورت اس وقت پیش آتی تھی جب دو فریق کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور باہمی فیصلہ نہ ہو پائے۔ تب فریقین کسی معزز و صاحب اثر فرد کو یا کسی کاہن کو فیصلے کے لئے بالاتفاق نامزد کریں۔ جناب عبدالمطلب کی نیک نفسی، فیاضی اور حسن سلوک کے باعث قبائل عرب میں جو آپکا عزت و وقار تھا اس سے امیہ کے بیٹے حرب کو بہت حسد تھا۔ ذوالہرام کے واقعہ میں بنی ثقیف سے منافرہ میں جناب عبدالمطلب کی کامیابی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ان حضرت نے بھی اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے جناب عبدالمطلب سے نزاع کیا اور نوبت منافرہ تک پہنچی۔ اس منافرہ کی بابت ابن سعد نے محمد ابن سائب کلبی کی ایک روایت اسطرح بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ کے سفر کے دوران عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ کے درمیان منافرہ کی ٹھہری۔ فریقین نے نجاشی بادشاہ حبشہ کو حکم قرار دیا لیکن اس نے معذرت چاہی۔ اس کے بعد نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح جو حضرت عمرؓ بن خطاب کے دادا تھے کو حکم مقرر کیا۔ جنہوں نے جناب عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا اور حرب کو مخاطب کر کے کہا۔

ترجمہ : کیا تو ایسے شخص سے منافرہ کرتا ہے جو تجھ سے زیادہ بلند و بالا ہے، تجھ سے زیادہ بڑے سر والا ہے، تجھ سے زیادہ وجیہہ ہے، موجبات ملامت و ہول خوف میں تجھ سے کم ہے، تجھ سے زیادہ صاحب اولاد ہے، تجھ سے زیادہ جزیل العطاء کریم و جواد ہے اور تجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔[1]"

نفیل کا فیصلہ سن کر حرب بن امیہ نے کہا (ترجمہ) "یہ زمانہ کی خرابی ہے کہ ہم نے تجھ کو حکم تسلیم کیا۔ اس کے بعد سے حرب نے جناب عبدالمطلب سے قطع تعلق کر لیا اور عبداللہ ابن جدعان سے راہ و رسم بڑھا کر اس کا حلیف و ہمراز بن گیا۔

[1] طبقات ابن سعد ص۱۳۵، ج-۱ ، اسوۃ الرسول ص۹۰، ج-۱

نذر عبداللہ :- زمزم کی کھدائی کے وقت جب قریش جناب عبدالمطلب کی مخالفت پر آمادہ ہوئے اس وقت آپکے صرف ایک ہی فرزند حارث تھے اس موقع پر جناب عبدالمطلب کو اپنے حامیوں اور مددگاروں کی قلت کا سخت احساس ہوا تو آپ نے منت مانی کہ اگر اللہ رب العزت انہیں دس بیٹے عطا کرے اور وہ سب آپکی حیات میں جوان ہو جائیں تو ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ اللہ رب العزت نے اپنے اس نیک نفس و پاک ارادہ بندے کی دعا کو مستجاب فرمایا اور دس بیٹے عطا کئے جو آپ کی زندگی ہی میں سن بلوغ کو پہنچے۔ جناب عبدالمطلب نے اپنی منت پوری کرنیکا تہیہ کیا اور اپنے تمام بیٹوں کو جمع کر کے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ اور ان کو خدا کی ایفائے نذر کیلئے بلایا۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا اور بالاتفاق عرض کی کہ آپ شوق سے اپنی نذر کے وعدے کو پورا کریں اور جو سوچا ہے اس پر عمل کریں۔

جناب عبدالمطلب نے ایک فرزند کی قربانی کی منت مانی تھی لیکن یہاں سول بیٹے قربانی کو تیار تھے باپ کے لئے یہ منزل بہت دشوار تھی کہ ان میں سے کس فرزند کو اللہ کی راہ میں قربان کریں۔ مگر جناب عبدالمطلب نے اس کا حل قرعہ کے ذریعہ نکالا اور دسوں بیٹوں کے نام سے قرعہ ڈلوایا۔ قرعہ جناب عبداللہ کے نام پر نکلا جو سب سے چھوٹے اور محبوب ترین فرزند تھے۔ جناب عبدالمطلب نے اس موقع پر مثالی استقلال اور لاجواب ہمت کا ثبوت دیا۔ اپنے پیارے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر مذبح کی طرف چل پڑے اس حسرت ناک واقعہ کو ابن سعد نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب جناب عبدالمطلب جناب عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر مذبح کی جانب چلے تو اس وقت عبدالمطلب کے ساتھ ان کے اہل و عیال، خویش و اقارب کی ایک جماعت تھی۔ سب سے زیادہ انکی صاحبزادیاں بھائی کی محبت میں بیقرار تھیں اور زار و قطار رو

رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ عبداللہ اور ان اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کیوں نہیں کی جاتی جو حرم میں چر رہے ہیں۔ [1]

ابن ہشام نے اس قرعہ اندازی کی تجویز میں جناب عبداللہ کے ننھیالی رشتہ داروں کو بھی شریک قرار دیا وہ لکھتے ہیں کہ:۔ مغیرہ ابن عبداللہ ابن عمر بن مخذوم نے جو رشتہ میں جناب عبداللہ کے ماموں تھے عبدالمطلب سے کہا کہ ہم عبداللہ کو ہرگز ذبح نہ ہونے دیں گے تاوقتیکہ ان کے لئے بھی قرعہ اندازی کی جائے اور انکا جو فدیہ ہوگا وہ ہم اپنے مال سے ادا کرینگے۔ [2]

چونکہ شریعتِ ابراہیمی میں دیت کی اجازت تھی اور اس کی شرح عُشر مقابل یعنی ایک کے مقابل دس کا تعین تھا اور یہی طریقہ رائج تھا لہٰذا جناب عبدالمطلب نے جناب عبداللہ کے بدلے میں دس اونٹوں پر قرعہ ڈلوایا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ جناب عبدالمطلب دس دس اونٹوں کا اضافہ کر کے قرعہ ڈلواتے رہے۔ یہانتک کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو ہوگئی تب قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا سب لوگ خوش ہوگئے کہ عبداللہ کی جان بچ گئی لیکن عبدالمطلب نے احتیاط کے طور پر سو اونٹوں اور جناب عبداللہ کے درمیان مزید تین بار قرعہ ڈلوایا اور ہر بار قرعہ اونٹوں ہی پر نکلا تب آپ نے جناب عبداللہ کی دیت ایک سو اونٹ نحر کئے۔ جناب عبدالمطلب کی اس احتیاطی تدبیر کی بابت ابن ہشام نے لکھا ہے کہ:

> جب اونٹوں پر قرعہ نکل آیا تو قریش اور جملہ حاضرین نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ اب تو خداوند عالم عبداللہ کے فدیہ پر راضی ہوگیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا میں اس کو نہیں مانونگا۔ جب تک کہ تین بار قرعہ اندازی کر کے اس حکم کو محکم نہ کرلوں چنانچہ پھر قرعہ ڈالا گیا جناب عبدالمطلب اس مرتبہ بھی پہلے کی طرح خدا سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پھر

[1] طبقات ابن سعد ص۱۳۵، ج۔۱، [2] سیرۃ ابن ہشام ص۱۵۱، ج۔۱

> اونٹوں کے نام قرعہ نکلا دوسری بار پھر قرعہ ڈالا اور عبدالمطلب اسی طرح اللہ سے دعا کرتے رہے اس مرتبہ بھی قرعہ اونٹوں ہی کے نام پر نکلا۔ تیسری بار پھر قرعہ ڈالا گیا اور عبدالمطلب اللہ کے حضور دستِ دعا بلند کئے رہے اس بار بھی قرعہ اونٹوں کے ہی نام پر نکلا۔ تب جناب عبدالمطلب نے اونٹوں کو نحر کیا یہ واقعہ جناب عبدالمطلب کے مستقل مزاج اور جواں ہمت ہونے کی بہترین دلیل اور ایفائے نذر کا عالیشان نمونہ ہے۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی چلتا ہے کہ سلسلۂ ابراہیمی میں یہ دُوسری قربانی تھی جسے اللہ رب العزت نے فدیہ میں تبدیل فرمایا۔ [1]

ایک پیشینگوئی:۔ مورخین کا بیان ہے کہ جناب عبدالمطلب جب کبھی یمن جاتے تو ایک حمیری سردار کے ہاں قیام کرتے ایک مرتبہ جب آپ وہاں مقیم تھے تو ایک یمنی سے ملاقات ہوئی جو بہت ہی طویل العمر تھا اور جس نے بہت سی قدیم کتب کا مطالعہ کیا تھا اس نے عبدالمطلب سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے جسم کو ٹٹولنے کی اجازت دیں اس پر عبدالمطلب نے اعتراض کیا اور کہا وہ اپنے جسم کے ہر حصہ کو چھونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تب اس یمنی نے جناب عبدالمطلب کے نتھنوں کو ٹٹول کر دیکھا اور نتھنوں کے بالوں کا مشاہدہ کیا اس کے بعد پیشینگوئی کی کہ "میں نبوت دیکھ رہا ہوں ملک و حکومت دیکھ رہا ہوں، مگر ان دونوں میں سے ایک چیز مجھے قبیلہ بنی زہرہ میں نظر آتی ہے"۔ اس شخص کی گفتگو کا جناب عبدالمطلب پر یہ اثر ہوا کہ آپ نے قبیلہ بنی زہرہ کے وہیب بن عبدمناف بن زہرہ کی دختر ھالہ سے خود نکاح کیا اور وہیب کے بڑے بھائی وہب کی دختر آمنہ سے اپنے فرزند عبداللہ کا نکاح کیا آمنہ بنتِ وہب کے بطن سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تولد ہوئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلب کو نبوت و خلافت دونوں

یہ جملہ واقع [1] سیرۃ ابن ہشام ص۱۵۱، ج۔۱، طبقات ابن سعد ص۱۳۵، ج۔۱ میں تفصیلاً مرقوم ہے۔

سے سرفراز فرمایا۔ [1]

عبداللہ کی شادی:۔ تقریباً تمام عربی مورخوں نے جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی کے واقعہ کو اصحابِ فیل کے واقعہ کے بعد لکھا ہے حالانکہ انہی مورخین کے بیانات سے واضح ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت واقعہ اصحابِ فیل سے صرف پچپن ۵۵ روز بعد ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب عبداللہ کی شادی واقعہ اصحاب فیل سے قبل ہوئی تھی۔ شادی کے وقت جناب عبداللہ کی عمر سترہ برس کی تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کی زوجیت کا شرف قبیلۂ بنی زہرہ کی ایک معزز و شریف خاتون جناب آمنہ بنتِ وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کو بخشا۔ قبیلۂ بنی زہرہ قریش ہی کی ایک شاخ تھی جو زہرہ بن کلاب کی جانب منسوب تھا اور بیرونِ مکہ آباد تھا۔ جنابِ آمنہ اپنے والد وہب کے انتقال کے بعد اپنے چچا وہیب بن عبدمناف کی سرپرستی میں تھیں۔ وہب کے بعد وہیب ہی قبیلہ کے سید و سردار اور صاحبِ اقتدار شخصیت تھے، جناب عبدالمطلب نے اپنے فرزند عبداللہ کا عقد آمنہ بنت وہب سے کیا اور ہالہ بنتِ وہیب سے خود اپنا نکاح کیا۔ یہ دونوں نکاح، ایک ہی محفل میں ہوئے آج کے دور میں باپ بیٹے کا نکاح ایک ہی محفل میں ہونا معیوب سمجھا جاتا ہے اور باعثِ تعجب بھی ہے لیکن اس زمانہ میں یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی بلکہ عربوں میں اس کا رواج تھا۔ اس تقریبِ سعید کی بابت ابن سعد کا بیان ہے کہ آمنہ بنت وہب اپنے چچا وہیب ابنِ عبدمناف ابن زہرہ کی کفالت میں تھیں حضرت عبدالمطلب جناب عبداللہ کو لیکر بنی زہرہ کی قیام گاہ پر گئے اور جناب آمنہ کا خطبۂ نکاح اپنے صاحبزادے عبداللہ پدر جناب رسالتمآب صلعم سے پڑھایا اور آمنہ کو عبداللہ سے بیاہ دیا۔ اور وہیب کی دختر ہالہ سے خود خطبۂ نکاح پڑھکر شادی کرلی۔ اور یہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں بیک وقت واقع ہوئے۔ [2]

[1] طبقات ابن سعد ص۱۳۳، ج۔۱ [2] طبقات ابن سعد ص۱۴۷، ج۔۱

کلیساءِ یمن:۔ حبشہ کی عیسائی حکومت کا والی نجاشی جو قیصر رُوم کی ماتحتی میں تھا اس نے قیصر کی ہدایت و معاونت پر ایک بحری لشکر ارباط نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں یمن کی جانب روانہ کیا اور ابراہتہ الاشرم نامی ایک جنرل کو اسکی مدد کے لئے ساتھ کیا۔ یمن کے حاکم ذونواس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا لیکن فوج کی قلت کے باعث شکست کھائی اور دریا میں ڈوب کر جان دیدی یمن کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد ابراہہ نے جو بہت ہی عیّار و مکّار آدمی تھا ارباط سے سازش کرنا چاہی جب ناکامی ہوئی تو ارباط کو مار ڈالا اور خود یمن کا حاکم بن بیٹھا۔ نجاشی کو جب اسکا علم ہوا تو وہ بہت برہم ہوا مگر ابراہہ نے اپنی مکاری سے اسے راضی کرلیا۔ اس نے یمن کے معزز قبیلۂ بنی حمیر کو بہت ہی ذلیل و خوار کیا ان کی عورتوں کو اپنے لئے مباح کرلیا اور انکے مردوں کو غلام بنا لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے صنعا میں ایک کلیسا بنوایا جسمیں قیمتی پتھروں کی پچیکاری کرائی اور شیشہ و آلات سے اسکی سجاوٹ کرائی نجاشی اور قیصر کو خوش کرنے کی غرض سے اس نے ان کو اطلاع کرائی کہ میں نے یہ کلیسا اس لئے تعمیر کرایا ہے کہ عربوں کو حج کعبہ سے روکوں اور اس کلیسا کا طواف کرنے پر مجبور کروں۔ اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن کعبہ کی عظمت و تقدس میں کوئی فرق نہ آیا تو اس نے طے کیا کہ وہ فوجی یلغار کرکے کعبہ کو مسمار کردے گا اس طرح کعبہ کی عدم موجودگی میں لوگ کلیسا کا طواف کرنے آیا کریں گے۔

ابراہہ کی فوج کشی:۔ اپنی دلی آرزو کو پُورا کرنے کے لئے ایک بڑی فوج کے ہمراہ اس نے حجاز کی جانب کوچ کیا راہ میں ذونفر حمیری نے دو ہزار عربوں کو ساتھ لیکر مزاحمت کی مگر ٹڈی دل فوج کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا تھی اس نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ ابراہہ نے حجاز پہنچ کر طائف اور مکہ کے درمیان مقام مغمس میں قیام کیا اور اسود بن مقصود حبشی کی ماتحتی میں سواروں کا ایک دستہ مکہ بھیجا تاکہ وہ باربرداری کے لئے اونٹ پکڑ لائیں چنانچہ اسود گیا اور اہلِ مکہ کے اونٹ اور دیگر مویشی پکڑ لایا ان میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی شامل

تھے۔ عبدالمطلب قریش کے سردار اور مکہ کی با اثر شخصیت تھے پہلے مقابلہ کا ارادہ کیا لیکن جب ابرابہ کی فوجی قوت کا علم ہوا تو اپنی بے بساعتی کے باعث خاموشی اختیار کی۔ دوسرے روز ابرابہ نے حناط حمیری کے ذریعہ اہلِ مکہ کو اطلاع کرائی کہ اس کا مقصد صرف کعبہ کو مسمار کرنا ہے اگر اس میں کسی نے مزاحمت نہ کی تو وہ محفوظ رہیں گے اور اگر مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔ عبدالمطلب نے یہ پیغام سُن کر کہا۔

"خدا کی قسم ہے ہم اس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ اللہ کا گھر ہے پس اگر وہ (اللہ) اس کو روکے تو یہ اس کا گھر ہے اور اگر وہ اس سے کچھ تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کر سکتے" بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب اسی فرستادہ کے ہمراہ ابرابہ کے پاس گئے ابرابہ نے بڑے تپاک سے آپ کا استقبال کیا تخت سے اُتر کر فرش پر آپکے ساتھ بیٹھا اور آمد کی وجہ دریافت کی۔ عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ابرابہ نے توہین آمیز نظروں سے آپکی طرف دیکھ اور حیرت سے کہا" بڑے تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارے میں تم نے مجھ سے التجا نہ کی یہ تو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا مذہبی مکان ہے۔ اور اونٹوں کا سوال کیا"؛ عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل واللبیت رب یحمیہ یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں مجھے ان کی فکر ہے اس گھر کا مالک کوئی اور ہے وہ خود ہی حفاظت کریگا۔ ابرابہ آپکا جواب سنکر تھوڑی دیر خاموش رہا اس کے بعد بلا تامل عبدالمطلب کو ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔

ابرابہ کی فوج کشی اور انہدام کعبہ کے اسباب و وجوہ جملہ کتب معتبرہ میں مرقوم ہیں ہم یہاں زرقانی کی عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

ترجمہ:- جب ابراہہ بن الصباح الاشرم نے غلبہ کر کے نجاشی (بادشاہ یمن) کی طرف سے علاقہ یمن پر قبضہ کر لیا تو اس نے لوگوں کو ایام حج میں حج کیلئے سفر کرتے

ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تم لوگ کہاں جاتے ہو ان لوگوں نے جواب دیا مکہ میں خانہ خدا کا حج کرنے جاتے ہیں۔ پوچھا وہ کہاں ہے۔ جواب ملا کہ مکہ علاقہ حجاز میں ہے دریافت کیا پتھر کیسے ہیں جواب دیا یہ اس خانہ خدا کے ہدیہ ہیں جو وہاں جاتا ہے یہ لیکر جاتا ہے۔ اس نے کہا مسیح کی قسم میں اس سے بہتر تمہارے لئے یہیں بنائے دیتا ہوں پھر اس نے شہر صنعاء دار السلطنت یمن میں سفید، سُرخ، زرد اور سیاہ قسموں کے سنگ رُخام سے ایک گرجا بنایا اور اس پر سونے چاندی کی پچی کاری کرائی اور انواع و اقسام کے جواہرات جڑ دائے۔ اہلِ یمن کو اس کے بنانے اور تعمیر کرنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں اور ذلت پہنچائی۔ اور جلا دیئے ہوئے سنگ رُخام اور سونے چاندی کے نقش و نگار کئے ہوئے پتھر قصر بلقیس کی پرانی عمارت جو ڈھائی میل کے فاصلے پہ تھا نکال لائے تھے۔ اس کلیسا میں "صلیبیں" سونے چاندی کی نصب کی تھیں۔ اور اس میں متعدد منبر عاج، آبنوس وغیرہ کی لکڑی کے رکھے تھے۔ اور چونکہ وہ شہر کی تمام عمارتوں سے بلند تر تھا اسی رعایت سے اس کا نام "قُلَّیس" رکھا۔ جب ابراہہ نے اس میں مراسم حج بجا لانے کا ارادہ کیا تو نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ہم نے بادشاہ کے نام سے اس شہر میں ایک کلیسا بنایا ہے اس جیسا کوئی کلیسا پہلے نہیں بنا میں نے قصد کیا ہے کہ تمام عرب کے لوگ یہیں جمع ہو کر حج کریں اور مکہ کا حج کیا جانا روک دیا جائے۔ جب یہ خبر تمام جگہ مشہور ہو گئی تو اہلِ عرب کو بھی پتہ چلا تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص کو ابراہہ کی اس حرکت پر سخت طیش آیا وہ اس کلیسا میں جا کر پاخانہ کر آیا اور وہاں سے بھاگ کر اپنے مقام پر چلا گیا۔ اس حرکت نے ابراہہ کو برہم کر دیا اس نے قسم کھائی کہ اب جبتک وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ اس نے اسی وقت نجاشی کو اس واقعہ

کی اطلاع دی اور درخواست کی کہ اس کا مشہور و معروف اور عظیم الشان ہاتھی جس کا نام محمود تھا بھیجدیا جائے بہرحال نجاشی کے ہاتھی جب پہنچ گئے تو ابرابہ نے ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ کا رُخ کیا جب اپنی ہمراہی جمعیت کیساتھ وہ طائف کی راہ سے مکہ کے قریب مقام مُغَمِّس (یہ مقام مکہ سے تین فرسخ یعنی تقریباً ساڑھے سات میل پر واقع ہے) تک پہنچ گیا تو ابراہہ نے اپنی فوج کا ایک دستہ وہاں سے مکہ میں بھیجا۔ اس دستہ نے مکہ میں آکر عبدالمطلب کے اونٹ چُرا لئے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ جب اس فوج کشی کی خبر جناب عبد المطلب کو ہوئی تو آپ نے تمام قریش کو جمع کر کے کہا تم لوگ انہدام کی خبر سُن کر گریہ و زاری نہ کرو کیونکہ یہ خدا کا گھر ہے وہ اس کی حفاظت ضرور کریگا۔ اور ابنِ اسحاق کے مطابق ابراہہ نے حناط حمیری نامی ایک افسر فوج کو اس غرض سے مکہ بھیجا کہ وہ امیر شہر اور سردار اہلِ مکہ سے پیغام شاہی پہنچا دے کہ وہ اہلِ شہر کے ساتھ لڑنے کی نیت سے نہیں ہے بلکہ وہ صرف کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے آیا ہے پس اگر انہدام کعبہ کے متعلق اس سے معترض نہ ہوں تو اس کو اہل مکہ کی خونریزی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ لوگ رکاوٹ بنیں گے تو پھر اسے جنگ کرنا پڑے گی۔ ابرہہ کا فرستادہ افسر آیا! ور اس نے سردارِ قوم اور امیرِ شہر کو دریافت کیا تو لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو بتلایا۔ پیغامبر نے عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم ہمیں بھی اس سے جنگ مقصود نہیں اور حقیقتاً ہم میں اس سے لڑنے کی طاقت بھی نہیں ہے یہ خدا کا گھر ہے اور اسکے خلیل ابراہیمؑ کا، وہی اسکو اسکے انہدام سے باز رکھے گا کیونکہ یہ گھر اسی کا گھر ہے اور یہ حرم اسی کا حرم ہے اور وہی اپنے گھر کو اس سے خالی کرا سکتا ہے ہمارے پاس اس کے دفاع کی قوت نہیں۔ ابرہہ کے قاصد حناط نے یہ سُنکر کہا کہ آپ میرے ساتھ

چلیں کیونکہ ابراہہ نے کہا تھا کہ اس سردارِ قوم کو میرے پاس لیتے آنا۔ آپ اسکے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے آپ کے بعض لڑکے بھی آپ کے ہمراہ ہوئے۔ ابرہہ کا داروغہ فیل خانہ انیس عربی النسل تھا اس کے وسیلہ سے یہ لوگ خیمہ شاہی تک پہنچے اور اس نے ابرہہ کو بتایا کہ قریشیوں کے سید و سردار دروازے پر موجود ہیں اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ وہ معزز ترین اہلِ مکہ ہیں، فیاض بزرگ ہیں جو لوگوں کو عام گذرگاہوں پر کھانا کھلاتے ہیں اور وحش وطیور کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر خوانِ کرم رکھواتے ہیں۔ یہ سُن کر ابرہہ نے فوراً اجازت دیدی اور حضرت عبدالمطلب کو اندر بلا لیا۔ چونکہ جناب عبدالمطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ معزز اور معظم تھے اس لئے ابرہہ کی نگاہ میں بھی ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ اس نے یہ نہ چاہا کہ عبدالمطلب نیچے بیٹھیں اور اس کو یہ بھی شبہ تھا کہ عبدالمطلب کا اس کے ساتھ تختِ شاہی پر بیٹھنا اہل حبشہ کو پسند نہ ہو گا اسلئے ابرہہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور عبدالمطلب کو اپنے ساتھ فرش پر بٹھا لیا۔ اور دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے آئے ہیں عبدالمطلب نے کہا میری یہی حاجت ہے کہ میرے دو سو اونٹ جو تمہارے فوجی لے آئے ہیں مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ یہ سُن کر ابرہہ نے ترجمان سے کہلوایا کہ اسے اس بیان پر سخت حیرت ہوئی کہ آپ نے اپنے اونٹوں کے لئے تو استدعا کی اور اس گھر کے انہدام کے متعلق جو آپکا اور آپکے آباء کا دین ہے کوئی عرض و معروض نہیں کی عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اُونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے اور وہی تم کو اس کے انہدام سے باز رکھے گا۔ اس نے کہا ایسا کون ہے جو مجھے اس ارادے سے باز رکھے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا یہ تم جانو اور پھر ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے، امام کلبی نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ عبدالمطلب

نے ان اونٹوں کو آراستہ کر کے خانۂ کعبہ پر نذر چڑھایا اور حرم میں لاکر چھوڑ دیئے۔ زرقانی صفحہ ۱۰۶، ج۔۱، بحوالہ اسوۃ الرسول صفحہ ۸۰۲-۸۰۱، ج۔۱

مناجات :- مکہ واپس پہنچکر عبدالمطلب نے اہلِ مکہ کو ہدایت کی کہ وہ شہرِ مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں اور خود خانۂ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر یہ مناجات کرنے لگے :-

یارب لا ارجو لہم سواکا — یارب فامنع منہم حماکا
خدایا اب تیرے سوا کوئی نہیں — تو ہی اپنے حرم کی حفاظت کر

ان عدو البیت من عاداک — امنعہم ان یخربوا اضناکا
خدایا دشمنِ کعبہ تیرا بھی دشمن ہے — اسے اتنا موقع نہ دے کہ اس مکان کو برباد کرسکے

لاہم ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک — لایغلبن صلیبہم ومحالہم عدوا محالک
خدایا بندہ اپنے مال کا تحفظ کرتا ہے تو اپنے مال کا تحفظ کر — خدایا ایسا نہ ہو کہ مسیحیت کے آثار تیرے گھر پر غالب آجائیں

ولئن فعلت فانہ امامتمہ بہ فعالک — انت الذی ان جاء باغ محبک لہ فذالک
آج کے تیرے فعل سے تمام افعال کی تکمیل ہوگی — تری ہی وہ ہے کہ جب کسی باغی کے مقابلہ میں تجھ سے کچھ چاہتے ہیں تو ملتا ہے

ولوا ولم یحوملسوی خزی تھلکم ھنالک — لم استمع یوما بارحس منہم یبغوا قتالک
خدایا یہ سوا ہو کر پلٹیں اور انہیں ہلاک بھی کر دیا جائے — ہم نے اتنی گندی ذہنیت کسی کی بھی نہیں کہ اب تجھ سے بھی جنگ ہوگی

جرہ جموع بلادہم والفیل کی یسبوا حالک — عمدوا حماک بکیدہم جہلا وما رضوا جلالک
یہ اپنے وطن کا سارا اجتماع مع ہاتھی کے لیکر آئے ہیں تاکہ تیری پناہ والوں کو پکڑیں — یہ تیرے حرم کا قصد کر چکے ہیں اور تیرے جلال کو بھول گئے ہیں

ان کنت تارکہم وکعبتنا فامر عابد الک [1]
اگر آج تو نے انہیں چھوڑ بھی دیا تو تیری خاص مصلحت ہوگی۔

[1] تاریخ کامل ابنِ اثیر صفحہ ۲۶۱، ج۔۱، سیرۃ ابنِ ہشام صفحہ ۴۸، ج۔۱، مروج الذہب صفحہ ۱۲۵ ج ۲، بحارالانوار صفحہ ۲۳ ج ۲، ابوطالب مومن قریش وغیرہ میں درج ہیں۔

جناب عبدالمطلب کافی دیر تک درِ کعبہ کی زنجیر پکڑے مالکِ حقیقی وخالقِ کائنات سے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ مناجات اور دعائیں کرتے رہے۔ جب تمام اہلِ مکہ پہاڑوں اور غاروں میں پہنچ گئے تب آپ بھی درِ کعبہ کو بند کر کے پہاڑ پر چلے گئے اور نصرت وحمایت خداوندی کا انتظار کرنے لگے۔

جناب عبد المطلب کی ابرہہ کے پاس سے واپسی پر خانۂ کعبہ میں دعاؤں اور مناجات کرنے کی بابت زرقانی نے آگے چل کر تحریر کیا ہے کہ :

ترجمہ :- حضرت عبدالمطلب زنجیرِ خانۂ کعبہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ آپکے ساتھ ایک جماعت قریش بھی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر ابرہہ اور فوجِ ابرہہ پر نصرت وحمایت فرمائی جانے کی درگاہِ رب العزت سے دعا مانگی اور پھر دروازہ کعبہ کی زنجیر چڑھادی اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چڑھ گئے اور ابرہہ کی کارروائیوں کا انتظار کرنے لگے۔

اصحابِ فیل وعتابِ ابابیل :- اہلِ مکہ کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد دوسرے دن علی الصبح ابراہہ اپنے لشکر اور ہاتھیوں کو لیکر خانۂ خدا کو مسمار کرنیکی غرض سے مکہ میں داخل ہوا اور خانۂ کعبہ کے دروازے پر پہنچکر نجاشی نے ہاتھی "محمود" کو حکم دیا کہ وہ دروازۂ کعبہ کو گرا دے لیکن اس ہاتھی نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ اسی اثناء میں اللہ رب العزت نے ابابیل کی فوج بھیجی جو بے آواز طیاروں کی مانند فضاء میں پرواز کرنے لگی۔ یہ ادنیٰ اور بے مقدار پرندے اپنی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں چنے کی دال سے بھی چھوٹی تھیں لیکر آئے اور ابراہہ کی فوج پر گرائیں جو قدرتی ایٹم بم ثابت ہوئیں یعنی وہ ایٹم بم جو صرف مجرم ہی کو نشانہ بنائے دورِ جدید کے ایٹم بم کی طرح نہیں جو پوری بشریت کو ہلاک کردے جو گناہ گار اور بے گناہ میں امتیاز نہ کرسکے مورخین کا بیان ہے کہ ابابیل کی گرائی ہوئی کنکریوں سے ابراہہ کی فوج اور ہاتھی فنا ہو گئے لیکن نجاشی کا ہاتھی

"محمود" جس نے درِ کعبہ گرانے سے انکار کر دیا تھا محفوظ رہا۔ ابابیل کے اس واقعہ کی بابت قرآنِ کریم میں ایک سورۃ "اصحابِ فیل" کے نام سے نازل ہوئی جو قرآنِ کریم کی ایک سو پانچویں سورۃ ہے۔ اس واقعہ کی بابت ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ :-

"خدائے تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے ایک قسم کے جانوروں کے جھنڈ نازل فرمائے ان میں سے ہر ایک طائر کی چونچ میں ایک اور دونوں پنجوں میں دو پتھروں کی مونگ اور ماش کے برابر کنکریاں تھیں پرندوں کے اس بے شمار جھنڈ نے قدرت کے اشارے سے ابرہہ کی فوجِ شاہی اس زور سے سنگباری کی کہ اس کے کثیر التعداد لشکر میں کوئی ایسا نہ بچا جو مر نہ گیا ہو یا بے انتہا زخمی ہوا ہو۔ اگر وہ سب کے سب ہی ہلاک ہو گئے تو بھاگ نکلے اور یہ حال ہوا کہ وہ اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ کس راستے سے بھاگیں اور بھاگنے پر بھی تمام راستوں میں انکے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور تمام راستوں میں مرتے جاتے تھے۔ ابرہہ خود بھی اس عذاب میں مبتلا ہوا اور وہ بھی لشکر کے ساتھ بھاگ نکلا۔ اور اس کی انگلیاں بھی پورے پورے سے جدا ہو ہو کر گر گئیں اور اسی کے ایسا اور لوگوں کا بھی حال ہوا اور مقاماتِ افتادہ سے خون اور پیپ (ریم) جاری ہوا اور وہ اس خراب حالت میں شہر صنعاء میں پہنچا۔ (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۸ ج ۱)

اللہ رب العزت نے اسطرح ایک چھوٹے سے پرندوں کے ذریعہ ہاتھی جیسے جسیم وطاقتور جانوروں اور ابرہہ کی فوج کو تباہ و برباد کر دیا اور ایسی عبرتناک سزا دی کہ اس وقت سے لیکر آج تک کسی کو اس متبرک گھر کی طرف نظرِ بد سے دیکھنے کی جرات نہ ہوئی اور انشاء اللہ قیامت تک نہ ہوگی۔

جب ابرہہ کی فوج تباہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک سیلاب آیا اور ان نجس اجسام کو بہا لے گیا۔ اسکے بعد جناب عبدالمطلب حرا سے نیچے اتر آئے اور جب مکہ پہنچے تو حبشہ کے دو افراد نے حاضر ہو کر انکی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا انت کنت اعلم یعنی تو خوب جانتا تھا۔

یہ عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی سب سے قدیم وعظیم فتح تھی۔ عیسائیت کے علمبرداروں نے اپنے تعصب اور نفسانیت کی بناء پر اللہ کے اس قدیم ترین ومعزز ترین گھر جس کے معمار

حضرت ابراہیمؑ اور مزدور حضرت اسماعیلؑ تھے کی توہین وانہدام کا قصد کیا تھا جسے اللہ رب العزت نے ناکام بنا دیا اور اپنے اس گھر کی عجیب انداز میں حفاظت فرمائی۔ اصحابِ فیل کا یہ مشہور واقعہ ماہِ محرم کے نصف یعنی ۱۵ محرم الحرام کو ظہور پذیر ہوا جسکی اہمیت کے پیشِ نظر عربوں میں سنِ عام الفیل رائج ہوا جو ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک رائج رہا۔ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کی ولادت مبارک سے تقریباً دو ماہ قبل پیش آیا۔ اس ضمن میں ابنِ سعد کا بیان ہے کہ (ترجمہ) "جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم دسویں ربیع الاول کی رات کو بروز دوشنبہ پیدا ہوئے اور نصف محرم میں اصحابِ فیل مکہ میں آچکے تھے۔ تو اس حساب سے آنحضرتؐ کی ولادت اور واقعہ اصحابِ فیل کے درمیان کل پچپن راتوں کی مدت گذری تھی۔" [1] اسطرح اصحابِ فیل اور عتابِ ابابیل کا واقعہ ۱۰ جولائی ۵۷۰ء میں رونما ہوا۔

دعائے استسقا :- جناب عبدالمطلب کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ دعائے استسقا کا ہے جسکی بابت مورخین لکھتے ہیں کہ رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف جو کہ جناب عبدالمطلب کی لِدّہ تھیں (عربی میں لِدّہ ایسے بچوں لڑکے یا لڑکی کو کہتے ہیں جو کسی کا ہم عمر وہم سن ہو یعنی ایک دن یا قریب قریب ایک ہی تاریخ میں پیدا ہوا ہو اور دونوں کی پرورش ایک ہی ساتھ ہوئی ہو) بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ میں مسلسل کئی برسوں کے قحط کے باعث اہلِ مکہ کا مال ومتاع تلف ہو گیا اور لوگوں کی جان پر آبنی انہی دنوں میں نے ایک شخص کو خواب میں یہ کہتے سنا کہ

"اے قوم قریش نبی زمانہ تو پیدا ہو چکا اور اسکے ظہور کا وقت بھی قریب پہنچ گیا جسکی برکت سے تمھیں فراغت وخوشحالی نصیب ہوگی تم لوگ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو تم میں شریف النسل ہو اسکے بدن کی ہڈیاں لمبی ہوں جسکی جلد بدن پر دبانے چشم کے پاس چمکدار ہو جس کے آگے سر کے بال کم ہو گئے ہوں، دونوں رخسار ہموار ہوں، بھویں قریباً ملی ہوں اور دونوں ابرو تک ناک

[1] طبقات ابنِ سعد مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۵۰ ج۔۱ مطبوعہ جرمن صفحہ ۶۲ ج۔۱

باریک ہو۔ ایسے آدمی سے کہو کہ اپنی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لیکر باہر نکلے اور تم میں سے بھی ہر قبیلے اور ہر گھر سے ایک ایک فرد اس کے ساتھ ہو۔ پہلے تم غسل کرو پاک و پاکیزہ ہو خوشبو لگاؤ اور رکن کعبہ کا استیلام بجالاؤ اسکے بعد کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر چڑھ جاؤ اور اس شخص کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس سے کہو کہ پانی برسنے کی دعا کرے۔ یقین رکھو کہ اس تدبیر سے ضرور سیراب ہوگے۔"

(طبقات ابن سعد ص۱۳۱ ج۔۱)

رقیقہ نے صبح اٹھکر اپنا خواب لوگوں سے بیان کیا سب نے ملکر غور کیا تو جناب عبدالمطلب کو ان صفات سے موصوف پایا تمام قبائل کے لوگ آپکے پاس جمع ہوئے صورتحال بتائی اور پیشوائی کی درخواست کی جسے جناب عبدالمطلب نے منظور فرمایا اور فوراً اس کار خیر کی انجام دہی کیلئے مستعد ہوگئے پھر تمام لوگوں نے حسب مذکورہ عمل کیا۔ جناب عبدالمطلب اپنی تمام اولاد و احفاد کو جن میں سلمآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے گو کہ آپ ابھی کمسن تھے لیکر کوہ ابوقبیس کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گئے۔ جناب عبدالمطلب نے دعائے استسقاء ان الفاظ میں ادا فرمائی۔

لاھُمَّ ھٰؤلآءِ عبیدك واماءك وبنات امائك وقد نزل بنا ماتری
وتتابعت علینا ھٰذہ السنون فذھبت بالظلف والخف واشفت علی
الانفس فاذھب عنا الجدب وأتنا بالحیاء والخصب [1]

(طبقات ابن سعد مطبوعہ جرمن ج۔۱ ص۵۲)

ترجمہ: الٰہی یہ جماعت کی جماعت تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی عیال ہیں۔ تیری کنیزیں ہیں اور کنیزوں کی اولاد ہیں۔ جو مصیبت ہم لوگوں پر پڑی ہے وہ تجھ پر ظاہر ہے ہم لوگوں پر گذشتہ کئی برسوں سے آفت پر آفت ہے اور تباہی و پریشانی ہے اور اب تو جانوں پر آبنی ہے الٰہی اب اس مصیبت کو ہم پر سے اٹھالے ابر رحمت برسا اور ہم کو خوشحالی اور وسعت رزق عطا فرما۔

(طبقات ابن سعد ص۱۳۱ ج۔۱ مطبوعہ کراچی)

رقیقہ کا بیان ہے کہ قوم قریش کو کچھ نصیب نہیں ہوا تا وقتیکہ اس تدبیر سے جماعت کی جماعت نے

درگاہ رب العزت میں دعا نہیں کی اور جناب سلمآب کی برکت سے سب کے سب سیراب ہوئے۔ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ ہنوز واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ اتنی بارش ہوئی کہ ندیاں جاری ہوگئیں، نالے بہنے لگے اور ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ اس موقعہ پر رقیقہ بنت ابی صیفی نے چند اشعار کہے جن کو ہم نے ابن سعد سے نقل کیا ہے:۔

بشیبۃ الحمد اسقی اللّٰہُ بلدتنا   وقد فقدنا الحیاء واجلود المطر

عبدالمطلب کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کو سیراب کیا حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ ابر باراں کو ہم کھو چکے تھے اور مینہ بسرعت روانہ ہو چکا تھا۔

فجاد بالماء جونیٌّ لہ سبلٌ   دانٍ فعاشت بہ الانعام والشجر

آخر ایسے ابر تاریک نے پانی برسایا جو مینہ سے لبریز تھا اور اس بارش کے باعث حیوانات و نباتات جی اٹھے۔

مِنّاً من اللّٰہ بالمیمون طائرہٗ   وخیر من بُشّرت یوما بہ مضر

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا اس بابرکت اور نیک طالع کے باعث یہ احسان ظہور پذیر ہوا جو ان سب لوگوں سے بہتر تھا جن کی قوم مضر کو بشارت ہوئی تھی۔

مبارك الامر یستقی الغمام بہٖ   ما فی الانام لہ عدلٌ ولا خَطَرَ

وہ کہ خود مبارک ہے اس کے امور مبارک ہیں اس کی بدولت باران رحمت نازل ہوتا ہے وہ بے نظیر ہے اور خلائق میں کوئی اس کا عدیل و سہیم نہیں۔

اس واقعہ سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم مبارک کی برکت و سعادت ثابت ہوتی ہے وہاں جناب عبدالمطلب کی ذاتی وجاہت و عظمت کا بھی اظہار کامل ہوتا ہے۔

وفات: جناب عبدالمطلب بوڑھے تو ہو ہی چکے تھے بیماری نے ضعف اور علالت دونوں ملکر مرض الموت بن گئے۔ جب وقت وفات قریب آیا تو یتیم پوتے کی کفالت و حفاظت کی فکر نے

پریشان کردیا۔ یہ فکر کوئی معمولی فکر نہ تھی اسکے پس منظر میں دائمی راحت اور ابدی قرار پوشیدہ تھا۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس بار گراں کیلئے دوش ابوطالب کو منتخب کیا اور انھیں مخاطب کرکے فرمایا" اے عبدمناف! تمہیں ایک یتیم و بیکس کے بارے میں وصی بنائے جاتا ہوں" یہ کہہ کر حسب ذیل اشعار ورد زبان کئے:

وصیت من کنیہ بطالب   عبد مناف وھو ذو تجارب
یا ابن الحبیب الاکرام الاقارب   یا ابن الذی قد غاب غیر آئب

میں نے ابوطالب جیسے تجربہ کار آدمی کو وصی بنایا ہے اس کے بیٹے کا جو مجھے عزیز و محبوب تھا، اور اب جس کے واپس آنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ (مناقب ج۔۱ ص۲۱)

جناب عبدالمطلب نے کلام کو جاری رکھتے ہوئے جناب ابوطالب کو ہدایت فرمائی "دیکھو اس کی حفاظت کرنا اس نے نہ باپ کا لطف دیکھا ہے نہ ماں کی ممتا! یہ تمہارے جگر کی مانند ہے۔ میں نے اپنی تمام اولاد میں تمہارا انتخاب کیا ہے اسلئے کہ تم اسکے باپ کے حقیقی بھائی ہو۔ [1] جناب ابوطالب نے پدر بزرگوار کی ہدایت پر عمل کرنے کا عہد فرمایا۔ تب آپ مطمئن ہوئے اور فرمانے لگے " اب موت آسان ہوگئی"۔ اسکے بعد بقول ابن سعد جناب عبدالمطلب نے اپنی بیٹیوں سے فرمائش کی کہ ابکیننی وانا اسمع یعنی مجھے رو دو کہ میں بھی سنوں۔ سب لڑکیوں نے باری باری منظوم مرثیے کہے اور باپ کے قریب بین کر کرکے روتی اور ماتم کرتی رہیں۔ جب آپکی دختر امیمہ کے مرثیہ کہنے کی نوبت آئی تو جناب عبدالمطلب کی زبان بند ہوچکی تھی امیمہ کا مرثیہ سن کر سر کی جنبش سے اظہار کیا کہ تو نے سچ کہا، میری جو صفات بیان کیں حقیقتاً میں ایسا ہی تھا۔ دختران عبدالمطلب کے کہے ہوئے مرثیے ابن ہشام سے نقل کئے گئے ہیں جو آئندہ صفات میں درج ہیں۔

---

[1] (بحار ج۔۱ ص۴۳)

جناب عبدالمطلب نے مکہ میں وفات پائی اور حجون میں دفن کئے گئے آپکی عمر کے متعلق مورخین کی مختلف آراء ہیں بعض کا خیال ہے کہ وفات کے وقت آپکی عمر بیاسی ۸۲ سال تھی۔ [1] بعض نے ایک سو دس ۱۱۰ سال بیان کی ہے جبکہ ہشام بن محمد السائب نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ عبدالمطلب بن ہاشم نے یوم الفجار سے پیشتر وفات پائی اسوقت انکی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال تھی [2] لیکن جناب عبدالمطلب کی عمر کے متعلق مشہور ترین قول یہ ہے کہ "عاش مائۃ واربعین سنۃ" یعنی وہ ایک سو چالیس ۱۴۰ سال زندہ رہے۔ [3] جناب عبدالمطلب کی اطاعت کی بابت جسٹس امیر علی تحریر کرتے ہیں کہ

"Abd-ul-Muttalib died towards the year 579 A.C., shortly after his return from a journey to Sana, where he had gone as the representative of the Koreish to congratulate Saif the son of Zul Yezen on his accession to the throne of the Tobbas with the help of the Persians."

(The spirit of Islam P. 9)

ترجمہ: جب اہل فارس کی مدد سے سیف بن ذوالیفین تو باس کا حکمران ہوا تو اس کی تخت نشینی کی مبارکباد کیلئے جناب عبدالمطلب قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے صناء گئے وہاں سے واپسی کے چند ہی دنوں بعد ۵۷۹ء میں آپکی وفات ہوئی۔

ازواج و اولاد: مختلف مورخین کے بیانات کے مطابق جناب عبدالمطلب کی مختلف ادوار میں جو ازواج رہیں انکی مجموعی تعداد چھ تھی۔ ان ازواج کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کی کل تعداد زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بیان کی گئی ہے جن میں سے بارہ فرزندان اور چھ دختران تھیں انکی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) صفیہ بنت جندب بن حجیر بن رئاب بن حبیب بن سواۃ بن عامر بن صعصعۃ کے بطن سے حارث پیدا ہوئے۔

---

[1] اسوۃ الرسول ص۳۶ ج۔۱ [2] طبقات ابن سعد اردو ترجمہ ص۱۰۳ ج۔۱ [3] سیرۃ الحلبیۃ ص۵ ج۔۱

(۲) فاطمہ بنتِ عُمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی کے بطن سے عبداللہ، زبیر، ابوطالب فرزندان اور البیضا (جنکی کُنیت ام حکیم تھی)، عاتکہ، برہ اُمیمہ اور اروی دُختران تولد ہُوئے۔

۳) ہالا بنتِ وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کے بطن سے حمزہ، المُقوِّم، حجل (انہیں مغیرہ بھی لکھا گیا ہے) فرزندان اور ایک دختر صفیہ پیدا ہُوئے۔

۴) نتیلہ بنتِ جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو بن زید مناۃ بن عامر کے بطن سے عباس، ضرار اور قثم فرزندان تولد ہُوئے۔

۵) لبنیٰ بنت ہاجر بن عبد مناف بن خاطر بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی کے بطن سے عبدالعزیٰ پیدا ہوا۔

۶) ممنعہ بنت عمرو بن مالک بن مؤمل بن سوید بن اسد خزاعی کے بطن سے الغیداق تولد ہوا۔

جناب عبدالمطلب کی اولاد کی بابت جسٹس امیر علی نے اسطرح تحریر کیا ہے:-

"Abd-ul-Muttalib had twelve sons and six daughters of the sons, Harith, born towards 538 A.C., was the eldest; the others were Abd-ul-Uzza, alias Abu Lahab, the prosecutor of the Prophet, Abd (u) Munaf better known as Abu Talib (born in A.C. 540, died in 620 A.C.), Zubair and Abdullah (545), born of Fatima, the daughter of Amr, the Makhzumi, Dhirar and Abbas (566-652), born of Nutayla, Mukawwim, Jahm, surnamed Al-Ghaydak (the liberal), and Hamza born of Hala. The daughters were Atika, Omayma, Arwa, Barra and Umm-l-Hakim, surnamed Al-Bayza (the fair), by Fatima and Safiya, born of Hala who married Awwam, the grand father of the famous abdullah Ibn-Zubair, who played such an important part in the history of Islam. The names of other two sons of Abdul

Muttalib are not known, probably because they left no posterity."

(The Spirit of Islam P. 7)

ترجمہ: عبدالمطلب کے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں حارث جو ۵۳۸ء میں پیدا ہوئے سب سے بڑے تھے۔ دیگر بیٹوں میں عبدالعزیٰ جسکی کنیت ابولہب تھی اور جو پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دشمن تھا۔ عبد مناف جو ابوطالب مشہور تھے ۵۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۲۰ء میں فوت ہوئے)۔ زبیر اور عبداللہ (۵۴۵ء) میں فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے جو کہ عُمر مخزومی کی بیٹی تھی۔ ضرار اور عباس (۵۶۶ء-۶۵۲ء) میں نتیلہ مخزومی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جہم جنکا لقب الغیداق (یعنی فیاض) تھا اور حمزہ ہالا کے بطن سے تھے۔ اور دُختران میں عاتکہ، اُمیمہ، اروی، برہ اور ام حکیم جنکا لقب البیضا (یعنی ایماندار) تھا یہ سب فاطمہ کے بطن سے تھیں اور صفیہ جو ہالہ کے بطن سے تھی اور جسکی شادی عوام سے ہوئی جو عبداللہ بن زبیر جنہوں نے تاریخ اسلام میں اہم کارنامے انجام دیئے کے دادا تھے۔ عبدالمطلب کے بقیہ دو لڑکوں کے نام معلوم نہیں جو غالباً اس لئے کہ انہوں نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

مذکورہ بالا بیان میں جن دو ناموں کے معلوم نہ ہونے کی بابت تحریر ہے وہ حجل اور قثم تھے جنکا ذکر دیگر کتبِ تواریخ میں مرقوم ہے حجل کی بابت تو ابنِ سعد نے انکی دُختر قرہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ فرزندانِ عبدالمطلب میں عباس، ابوطالب، حارث اور ابولہب کی نسل تو آگے چلی اور اگرچہ حمزہ، مقوم، زبیر اور حجل کے صلبی اولاد تھی مگر نسل نہ چل سکی جبکہ جتنے تھے سب لاولد رہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ فرزندان عبدالمطلب کیطرح تمام عرب میں کسی ایک باپ کی بھی اولاد نہ تھی اور کوئی ایسا نہ تھا جو ان سے زیادہ شریف و جسیم، بلند بینی، روشن پیشانی ہو۔ قرہ بنتِ حجل بن عبدالمطلب نے انہی کے متعلق چند اشعار کہے ہیں جنہیں ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے ہم یہاں پر ان اشعار کا ترجمہ رقم کرتے ہیں!

۱) اگر کسی فیاض نوجوان کا شمار کرنا ہے تو ضرار کو شمار کر، شیر مرد حمزہ کو شمار کر اور عباس کو شمار کر

۲) زبیر کو اور اسکے بعد مقوم کو، حجل کو شمار کر جو نوجوان سردار ہے۔

۳) بہادر غیداق کو شمار کر کہ یہ سب عظمائے قوم ہیں اور برغم دشمن انکو سب کی سرداری حاصل ہو چکی ہے۔

۴) فیاض حارث کو شمار کر جو ایسا بہادر تھا کہ جامِ مرگ پینے کے دنوں میں اس نے دُنیا سے مجد و شرف کے ساتھ منہ موڑا۔

۵) جیسے چچا میرے ہیں تمام مخلوق میں ویسے اچھے چچا کسی کے نہیں اور نہ جیسے لوگ ہم میں ہیں ویسے کسی خاندان میں نہیں۔ (طبقات ابنِ سعد ص ۱۴۷ ج-۱)

<u>اخلاق و فضائل</u>: عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "الولد سر لابیہ" یعنی بچہ اپنے باپ کا عکس ہوتا ہے۔ اس مقولہ کے مُطابق جناب عبدالمطلب میں اپنے پدر بزرگوار کے جُملہ اخلاق و فضائل بدرجہ اتم موجود تھے۔ اپنے آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض خصوصی صلاحیتوں کے باعث جو آپ میں پائی جاتی تھیں آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے جد کی شہرت و ناموری حاصل کرلی۔ آپ ابتداء ہی سے نیک سیرت و نیک خصلت تھے اور اپنے خصائل حمید و صفات پسندیدہ کے باعث نہ صرف اپنی قوم بلکہ دیگر قبائل عرب میں تعظیم و تکریم کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ آپکے سیرت و کردار ہی کا باعث تھا کہ جس بادشاہ یا سردار سے آپکی ملاقات ہُوئی وہ نہ صرف آپکے ساتھ عزت و افتخار سے پیش آیا بلکہ اس نے آپکی سفارش بھی قبول کی۔

جناب عبدالمطلب تمام قریش میں سیرت و کردار، حلم و وقار، سخاوت و شجاعت، صحت جسامت اور امن و صلح جوئی میں نمایاں تھے۔ آپکا شمار قریش کے چند اربابِ حل و عقد میں کیا جاتا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپکو کثرتِ اولاد اور کثرتِ مال سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ آپ ایک دولت مند تاجر تھے۔ تجارت کے علاوہ آپکے پاس کافی تعداد میں اونٹ تھے جو اس زمانہ میں عربوں کی سب سے بڑی دولت ہوتی تھی اسکے علاوہ وسیع قطعاتِ اراضی اور کنویں آپکو ورثہ میں ملے تھے نیز طائف میں ایک چشمہ "ذوالہرام" بھی آپکی ملکیت میں تھا۔ الغرض کثرتِ اولاد و مال اور اخلاقِ کریمانہ

میں جناب عبدالمطلب اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے اسی لئے قریش میں خصوصاً اور عربوں میں عموماً آپکا ہر فعل قابل تقلید سمجھا جاتا تھا۔

جناب عبدالمطلب نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کر لیا تھا۔ آپ پہلے شخص تھے جو عبادت کیلئے غارِ حرا میں بیٹھے۔ کُتب سیر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو جناب عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں سے علیحدہ ہو کر عالم سکوت میں اللہ کے عظمت و جلال اور اسکے اسماء و صفات پر غور و فکر کرتے تھے۔ آپ مساکین کو نہایت فراخدلی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ آپکے دسترخوان سے پرندوں کیلئے کھانا اُٹھایا جاتا اور پہاڑ کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا تھا اسی نسبت سے لوگ آپکو مُطعم الطیر یعنی پرندوں کو کھانا دینے والا کہا کرتے تھے۔

جناب عبدالمطلب نے اپنے دور میں بہت سے طریقوں کی بنیاد ڈالی ان میں سے بیشتر کو اسلام نے من و عن قبول کیا اور جنکی تعلیم اسلام کے ذریعے اول عرب میں پھر تمام دُنیائے اسلام میں دی گئی۔ مثلاً ایفائے نذر، دیت یعنی خون بہا میں دس اونٹوں کے بجائے ایک سو اونٹ، محرم عورتوں سے نکاح کی ممانعت، چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم، دُختر کشی کی مُمانعت، حُرمتِ شراب، حُرمتِ زنا، برہنہ طواف کرنے کی ممانعت، حج میں پاک کمائی کا استعمال، جھنڈے والیوں کی مکہ میں داخلہ پر پابندی، گھر میں دروازے کے علاوہ داخل ہونے کی ممانعت وغیرہ۔

مختصر یہ کہ جناب عبدالمطلب خاندانی وجاہت و عظمت کا نشان، امارت و صولت کا مرکز، زمزم و کعبہ کے متولی، غارِ حرا کے عابد، عظمتِ رسالت کے محافظ، مصیبت زدوں کے غمگسار، ناداروں کے مددگار، شرافت و سیادت کا نشان، مجیب الدعوات، قبولیت دُعا کا ذریعہ، لواء کے مالک، دینِ ابراہیمی کے پیرو اور قائدِ وقت تھے۔

جناب عبدالمطلب کی وفات پر اُن کی دُختران کے کہے ہوئے مرثیے۔

اشعار صفیہ :- صفیہ بنت عبدالمطلب نے باپ کا ماتم کرتے ہوئے کہا،

أرقت لصوت نائحة بليل — على رجل بقارعة الصعيد

رات میں ایک رونے والی کی آواز سے میری نیند اچٹ گئی، جو ایک بالکل راستے پر گرے ہوئے شخص پر رو رہی تھی۔

ففاضت عند ذلكم دموعي — على خدي كمنحدر الفريد

اس وقت میرے آنسو میرے رخسار پر ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح بہنے لگے۔

على رجل كريم غير وغل — له الفضل المبين على العبيد

اس شریف شخص پر جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویدار نہ تھا، جسے بندگان خدا پر نمایاں فضیلت حاصل تھی۔

على الفياض شيبة ذي المعالي — أبيك الخير وارث كل جود

شیبہ پر جو بڑا فیاض اور بلند مرتبے والا تھا، اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت والا تھا۔

صدوق في المواطن غير نكس — ولا شخت المقام ولا سنيد

اس پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا، اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا، نہ کم رتبہ اور نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا تھا۔

طويل الباع أروع شيظمي — مطاع في عشيرته حميد

اس پر جو بہت ہی کشادہ دست، عجیب حسن و شجاعت والا، بھاری بھرکم گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا۔

رفيع البيت أبلج ذي فضول — وغيث الناس في الزمن الحرود

اس پر جو عالی خاندان، روشن چہرہ، قسم قسم کے فضائل والا، اور قحط سالی میں لوگوں کا فریاد رس تھا۔

كريم الجد ليس بذي وصوم — يروق على المسود والمسود

اس پر جو اعلیٰ شان والا، ننگ و عار سے بری، سرداروں اور خادموں پر فضل و انعام کرنے والا تھا۔

عظيم الحلم من نفر كرام — خضارمة ملاوثة أسود

اس پر جو بڑے علم والا اور سخی لوگوں میں کا ایک فرد، دوسروں کے بوجھ اٹھانے والا، سردار شیروں کے لیے پشت پناہ تھا۔

فلو خلد امرؤ لقديم مجد — ولكن لا سبيل إلى الخلود

اگر کوئی شخص اپنی دیرینہ عزت و شان کے سبب ہمیشہ رہ سکتا تو ضرور وہ اپنی فضیلت و شان اور

لكان مخلدا أخرى الليالي — لفضل المجد والحسب التليد

دیرینہ خاندانی وقار کے سبب زمانے کی انتہا تک رہتا۔ لیکن بقا کی طرف تو کوئی راستہ ہی نہیں۔

اشعار برہ :- برہ بنت عبدالمطلب :-

أعيني جودا بدمع درر — على طيب الخيم والمعتصر

اے میری آنکھو! نیک سیرت اور سخی پر موتیوں جیسے آنسوؤں سے سخاوت کرو۔

على ماجد الجد واري الزناد — جميل المحيا عظيم الخطر

اعلیٰ شان والے پر، لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے والے پر، حسین چہرے اور بڑے رتبے والے پر

وذي الحلم والفضل في النائبات — كثير المكارم جم الفخر

آفات میں فضل و عطا و حلم کرنے والے پر، بہت خوبیوں والے بڑے سخی بہادر پر۔

له فضل مجد على قومه — منير يلوح كضوء القمر

اپنی قوم پر اسے بڑی فضیلت حاصل تھی۔ وہ ایسا نور والا تھا کہ چاند کی طرح چمکتا رہتا تھا۔

أتته المنايا فلم تشوه — بصرف الليالي وريب القدر

زمانے کی گردشوں اور مکروہات تقدیر کو لیے ہوئے موتیں ان کے پاس آئیں اور اس پر اچٹتی ہوئی ضرب نہیں، بلکہ کاری وار کیا۔

على شيبة الحمد ذي المكرمات — وذي المجد والعز والمفتخر

بزرگیوں والے قابل ستائش شیبہ پر، عزت و شان والے اور افتخار والے پر۔

اشعار عاتکہ :- عاتکہ بنت عبدالمطلب،

أعيني جودا ولا تبخلا — بدمعكما بعد نوم النيام

اے میری آنکھو! سونے والوں کے سو جانے کے بعد اپنے آنسو کی سخاوت کرو اور بخل نہ کرو۔

على شيبة الحمد واري الزناد — وذي مصدق بعد ثبت المقام

مہمان نواز قابل ستائش شیبہ پر اور اپنے مقام پر جمے رہ کر سخت حملہ کرنے والے پر۔

تبنت في باذخ بيته — رفيع الذؤابة صعب المرام

اس رئیس کے گھر کی اساس علو شان پر مستحکم تھی، بلند طرے والے، اعلیٰ مقاصد والے پر۔

اشعار ام حکیم :- ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب :

ألا يا عين جودي واستهلي — وبكي ذا الندى والمكرمات

ہاں! اے آنکھ! سخاوت اور آہ و فغاں کر اور بزرگیوں والے اور سخاوت والے پر رو۔

طويل الباع شيبة ذا المعالي — كريم الخيم محمود الهبات

شیبہ پر، جو بڑا سخی اور بلند رتبوں والا، نیک سیرت، سخاوت میں قابل مدح و ستائش تھا۔

عقيل بني كنانة والمرجى — إذا ما الدهر أقبل بالهنات

جو بنی کنانہ کا سردار تھا اور زمانے کے اقسام کی آفتیں سر پر پڑنے کے وقت امیدوں کا آسرا تھا۔

اشعار امیمہ :- امیمہ بنت عبدالمطلب :

ألا هلك الراعي العشيرة ذو الفقد — وساقي الحجيج والمحامي عن المجد

سن لو کہ خاندان کا محافظ، خاندان والوں کو ڈھونڈ نکالنے والا حاجیوں کا ساقی، عزت و شان کی حمایت کرنے والا چل بسا۔

كسبت وليدا خير ما يكسب الفتى — فلم تنفكك تزداد يا شيبة الحمد

جو خوبیاں ایک جواں مرد حاصل کیا کرتا ہے، اے قابل ستائش شیبہ! تم نے ان خوبیوں کی بہترین صفتیں کم سنی ہی میں حاصل کر لی تھیں اور ان میں تو ہمیشہ ترقی ہی کرتا رہا۔

فقد كان زينا للعشيرة كلها — وكان حميدا حيثما كان من حمد

وہ اپنے پورے گھرانے کی زینت تھا اور جہاں کہیں جو تعریف بھی ہو، وہ اس تعریف کا سزاوار تھا۔

اشعار اروی :- اروی بنت عبدالمطلب :

بكت عيني وحق لها البكاء — على سمح سجيته الحياء

میری آنکھ ایک سراپا سخاوت اور حیا شعار پر روتی ہے اور اس آنکھ کے لیے رونا ہی سزاوار ہے۔

على الفياض شيبة ذي المعالي — أبيك الخير ليس له كفاء

بلند رتبوں والے فیاض شیبہ پر جو تیرا بہترین باپ تھا جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

ومعقل مالك وربيع فهر — وفاصلها إذا التمس القضاء

جو بنی مالک کے لیے پناہ کی جگہ اور بنی فہر کے لیے بہار کی بارش تھا۔ جب جھگڑوں کے فیصلے کے لیے تلاش ہوتی تو وہی ان میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تھا۔

وكان هو الفتى كرما وجودا — وبأسا حين تنسكب الدماء

جود و سخا میں وہ ایک جوانمرد تھا اور دبدبے میں بھی وہی یکتا تھا جب خون بہتے تھے۔

إذا هاب الكماة الموت حتى — كأن قلوب أكثرهم هواء

اور جب زرہ پوش بہادر موت سے یہاں تک ڈرتے کہ ان میں سے اکثروں کے دلوں کا یہ حال ہوتا گویا وہ ہوا ہیں۔

ابن اسحٰق نے کہا، محمد بن سعید بن مسیب نے بیان کیا ہے کہ جب زبان بند ہو گئی تو عبدالمطلب نے سر سے اشارہ کر کے کہا: ہاں، مجھ پر ایسے ہی بین کرو۔

پسرانِ عبدالمطلبؑ

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا جناب عبدالمطلبؑ کے بارہ فرزندان تھے اور بقول شبلی نعمانی "عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ بیٹوں یعنی ابوطالبؑ عبداللہؑ حمزہؑ عباس اور عبدالعزیٰ (ابولہب) کو اسلام یا کفر کی وجہ سے شہرتِ عام حاصل ہوئی"[1] لہٰذا ہم ان پانچ فرزندان کی بابت علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے جبکہ بقیہ فرزندان یعنی حارث، زبیر، ضرار، مقوم، حجل، قثم اور جہم کی بابت اسی عنوان کے تحت صرف ان مختصر واقعات پر ہی اکتفا کریں گے جو کتب تواریخ میں کہیں اتفاقیہ ذیل میں کہیں کہیں ملتے ہیں۔

حارث بن عبدالمطلبؑ : یہ جناب عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اپنی ماں صفیہ بنتِ جندب بن حجیر بن رئاب بن حبیب (بنی صعصعہ) کے بطن سے پیدا ہونے والی اکلوتی اولاد تھے۔ بقول جسٹس امیر علی انکی ولادت ۵۲۸ء میں ہوئی تھی[2] کتب تواریخ میں جناب حارث کا ذکر ابتداً چاہِ زمزم کی کھدائی کے وقت ملتا ہے جب یہ اپنے پدرِ بزرگوار جناب عبدالمطلب کے شانہ بشانہ زمزم کی کھدائی میں مصروف تھے۔ جب چشمۂ زمزم برآمد ہوا اور قریش آمادۂ فساد ہوئے تو یہی باپ بیٹے انکے مقابل تھے جس پر قریش میں سے چند افراد نے جناب عبدالمطلب کو بے اولادی کا طعنہ دیا۔ اس فساد کو تو جناب عبدالمطلب نے اپنی خداداد صلاحیت و بصیرت سے ٹال دیا لیکن اللہ ربّ العزت کے حضور دُعا گو ہوئے کہ انکی حیات میں دس بیٹے جوان ہو جائیں گے تو وہ انمیں سے ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمزم کی کھدائی کے وقت صرف جناب حارث ہی اپنے باپ کے واحد بیٹے تھے۔

[1] سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۸ ج۔۱ [2] اسپرٹ آف اسلام صفحہ

کُتبِ تواریخ میں جناب حارث کا تذکرہ اسوقت بھی نمایاں طور پر کیا گیا ہے جب عبداللہ پدرِ بزرگوار پیغمبرِ اسلام تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام سے واپسی پر علیل ہو کر مدینہ میں قیام پذیر ہوئے اور قافلہ والوں نے جناب عبدالمطلب کو انکی علالت سے آگاہ کیا اس وقت جناب عبدالمطلب نے جناب عبداللہ کو لانے کیلئے جناب حارث کو مدینہ بھیجا۔ جب جناب حارث مدینہ پہنچے تو جناب عبداللہ انتقال فرما چکے تھے۔ جناب عبداللہ کے ننھیالی رشتہ داروں نے انکی علالت وفات اور تجہیز و تکفین کی بابت تمام کیفیت بیان کی۔ جناب حارث نے واپس مکہ پہنچکر اپنے والد کو تفصیل سے آگاہ کیا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جناب حارث نے اپنے والد کی حیات میں وفات پائی۔ جملہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ آپکے اولاد تھی جبکہ ابن سعد نے تو یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "بنی ہاشم میں کثرتِ تعداد پہلے تو حارث بن عبدالمطلب کی اولاد میں ہی پھر ابوطالب کی اولاد میں منتقل ہو گئی لیکن آخر میں بنی عباس میں کثرت آگئی"[1]

حارث بن عبدالمطلب کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی بابت تحقیق کے نتیجہ میں جو کچھ معلوم ہو سکا اسکی تفصیل درجِ ذیل ہے :-

حارث کے چار بیٹے نوفل، عبداللہ، ابوسفیان، ربیعہ اور ایک بیٹی اروی تھی۔ جبکہ ابن سعد نے آنحضرتؐ کی وفات پر مرثیہ کہنے والوں میں دخترانِ عبدالمطلب کے علاوہ ہند بنتِ حارث بن عبدالمطلب کا مرثیہ بھی نقل کیا ہے[2]

۱) **نوفل بن حارث :** نوفل کو قریش دیگر بنی ہاشم کیطرح جبراً جنگ بدر میں لے گئے تھے اور یہ ان بنی عبدالمطلب میں سے تھے جو بدر کی جنگ میں اسیر ہوئے، غزوۂ اُحد سے قبل ایمان لائے صحابی تھے جنگ حنین و طائف میں شریک ہوئے ۱۵ھ میں وفات پائی۔ انکی ماں غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزیٰ (بنی فہر) تھیں۔ انکی اولاد میں مغیرہؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، سعید

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۶ ج۔۱ [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۴۵ ج۔۲

اور حارثؓ تھے۔ انمیں مغیرہؓ صحابی تھے یہ بھی اپنے باپ نوفل کیساتھ شوال ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔ ۸ھ میں مدینہ ہجرت کی، مغیرہ اور عبداللہ ماں جائے بھائی تھے انکی ماں ضربیہ بنتِ سعید بن جندب الازدی تھیں۔ مغیرہ کی اولاد میں عبدالملکؓ (ماں اُم ولد) یحییٰ (اما مہ بنتِ زینب) ابوسفیان (ماں آمنہ بنت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب) عبدالواحد، سعید، لوط، صالح وغیرہ مختلف امہات الولد سے تھے۔

عبداللہؓ بن نوفل صحابی تھے انکی اولاد میں صلت (ماں اُم ولد) یہ فقیہہ و عابد تھے انکے ایک بیٹے کا نام یحییٰ تھا جنکی ماں اما مہ بنتِ مغیرہ بن نوفل تھی۔ ایک بیٹی فاطمہ (ماں اُم ولد) ایک بیٹا حمید تھا جنکی ماں زینب بنتِ عبداللہ بن جحش تھی۔

عبیداللہ بن نوفل تابعی تھے انکی اولاد کا علم نہیں اور سعیدؒ بن نوفل تھے جنکی اولاد میں اسحاق، خنظہ، ولید، سلیمان اور اُم سعید تھے جنکی ماں اُم ولید بنت ابی خرشہ خزاعی تھی۔ ایک بیٹی رُقیہ جنکی ماں اُم کلثوم بنتِ جعفر بن ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھیں۔

حارثؒ بن نوفل انکی ماں بھی ضربیہ بنتِ سعید تھی۔ انکی اولاد کثیر تھی۔ انکی وفات ۴۵ھ میں ہوئی۔

۲) **عبداللہ بن حارث :** یہ صحابی تھے۔ پیدائشی نام عبدشمس تھا ہجرت کے وقت آنحضرتؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھا، غزوۂ خیبر کے بعد اور فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور اسی زمانہ میں ہجرت کی انکی ماں بنو فہر کی خاتون غزیہ بنتِ قیس تھی۔

۳) **اروی بنتِ حارث :** یہ صحابیہ تھیں انکے شوہر کا نام حارث اور کنیت ابو وداعہ بن صبیرہ جو بنی سہم سے تھے انکی اولاد میں مطلبؓ ابوسفیانؓ ام جمیلؓ ام حکیمؓ اور رابعہ تھے۔

۴) **ابوسفیان بن حارث :** انکا نام مغیرہ تھا انکے کسی بیٹے کا نام سفیان نہیں تھا پھر مورخین نے انکی کنیت ابوسفیان کیوں لکھی یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ حلیمہ سعدیہ کا دُودھ پینے کیوجہ سے آنحضرتؐ کے دُودھ شریک بھائی بھی تھے۔ یہ شاعر تھے مسلمان ہونے سے قبل انہوں نے آنحضرتؐ کی ہجو کہی۔ مگر جب فتح مکہ کے موقع پر آنحضرتؐ مدینہ سے مکہ کیجانب سفر فرما رہے تھے تو یہ ابواء اور نیق عقاب کے مقام پر جو مکہ و مدینہ

کے درمیان واقع ہے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی خطاؤں کی معافی مانگی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے کچھ اشعار کہے جو انکے حسبِ حال تھے ان اشعار کو ابن ہشام نے نقل کیا ہے[1] یہ صحابی تھے۔ غزوۂ طائف و حنین میں شریک ہوئے۔ انکی ماں بھی غزیہ بنتِ قیس فہری تھی۔ ۲۰ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ انکی اولاد میں جعفرؓ تھے جو باپ کیساتھ ہی ایمان لائے صحابی تھے۔ غزوۂ طائف و حنین میں شریک رہے۔ انکی ماں جمانہ بنتِ ابیطالب بن عبدالمطلب تھیں انکے علاوہ عبداللہؓ، حمانہؓ، حفصہؓ اور حمیدہؓ تھے۔ حمیدہ زوجہ تھیں محمد بن عبداللہ بن نوفل بن حارث کی ان چاروں کی ماں نعمہ بنتِ ہمام تھی۔ ایک بیٹی عاتکہ تھی جنکی ماں اُم عمرو بنتِ مقوم بن عبدالمطلب تھیں اور عاتکہ زوجہ تھیں معتب بن عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی ایک اور بیٹی آمنہ تھی جو زوجہ تھی مغیرہ بن نوفل بن حارث کی۔

۵) **ربیعہ بن حارث :** یہ صحابی تھے۔ بیعتِ رضوان سے قبل ایمان لائے، ہجرت فرمائی۔ انکی ماں بھی غزیہ بنتِ قیس فہری ہی تھیں انکی ولادت ۵ سال قبل عام الفیل ہوئی۔ فتح مکہ و طائف میں شریک تھے۔ جنگِ حنین میں ثابت قدم رہے۔ خلیفہ دوئم کے عہد میں وفات پائی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ ربیعہ کے شیرخوار بچے کو دشمنوں نے مار ڈالا تھا حضور نے فتح مکہ کے خطبہ میں فرمایا کہ یہ مطالبۂ خون ہے جسے میں ملیامیٹ کرتا ہوں یہ ربیعہ بن حارث کا ہے۔ ربیعہ کی اولاد میں عبدالمطلبؓ صحابی تھے بیعتِ رضوان سے قبل ایمان لائے ہجرت کی۔ خلیفہ دوئم کے زمانہ میں مدینہ سے دمشق چلے گئے وہیں پر بعہد یزید پلید فوت ہوئے۔ انکی ماں اُم الحکم بنتِ زبیر بن عبدالمطلب تھیں۔ محمدؐ، عبداللہؓ، حارثؓ، امیہؓ، عبدشمسؓ اروی کبریٰ، ہند صغریٰ یہ سب عبدالمطلب بن ربیعہ کے ماں جائے بھائی بہن تھے۔ ربیعہ کے ایک بیٹے کا نام محمد تھا جو تابعی تھے انکی ماں جمانہ بنتِ ابیطالب تھیں۔ انکی اولاد کثیر تھی۔ ربیعہ کے ایک بیٹے آدم تھے جنہیں بنو لیث بن بکر نے شیرخوارگی میں مار ڈالا تھا۔ ربیعہ کے بیٹوں میں سے مطلب صحابی تھے اور عباس تابعی تھے۔

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۷ ج۔۲

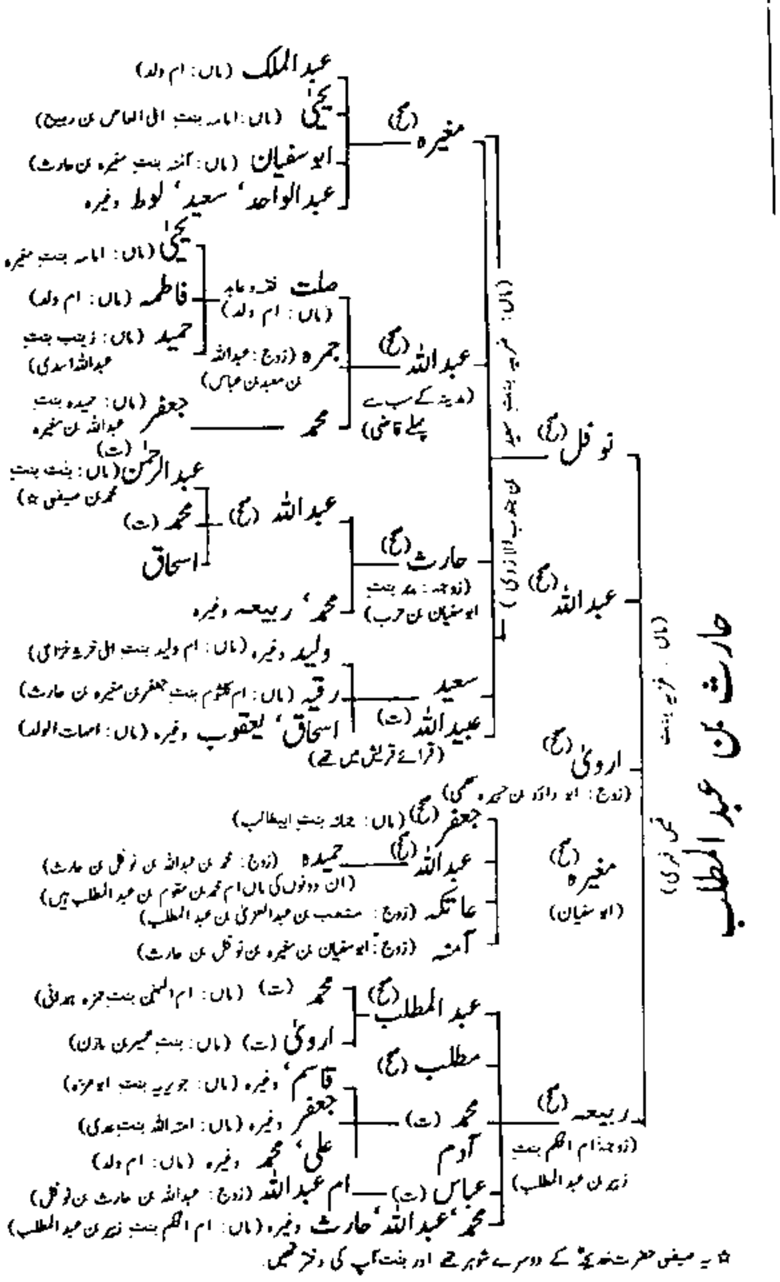

☆ یہ صیفی حضرت خدیجہؓ کے دوسرے شوہر تھے اور ہندؓ آپ کی دختر تھیں۔

زبیر بن عبد المطلب: یہ ایک شریف شاعر تھے اور درد مند دل رکھتے تھے انکے درد مندانہ رویہ کا ایک واقعہ تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ شمار کیا گیا جسے جملہ کتب سیر و تواریخ میں بیان کیا گیا ہے اور یہ حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس واقعہ کا پس منظر اسطرح ہے کہ قبیلۂ قریش اور قبیلۂ قیس کے درمیان جنگ ہوئی۔ چونکہ یہ جنگ ان ایام میں ہوئی جن میں دورِ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں جدال و قتال اور لشکر کشی وغیرہ قطعی ممنوع تھی یعنی ایام الحرام میں اسلئے اس جنگ کا نام حرب الفجار رکھا گیا۔ اس جنگ میں ہونے والی خونریزی سے اہل مکہ کے درد مند دل تڑپ اٹھے بنی ہاشم نے اس خونریزی کا کچھ زیادہ اثر قبول کیا لہٰذا انکی کوششوں سے قبائل کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جسے حلف الفضول کہتے ہیں۔ ابن سعد نے اس معاہدہ کی بابت بنی ہاشم کی تخصیص ان الفاظ میں کی ہے۔ " لا تعلم احدا اسبق بنی هاشم بهذا الحلف" یعنی میری تحقیق کیمطابق اس معاہدہ میں بنی ہاشم پر کسی کی سبقت ثابت نہیں ہوتی۔

بنی ہاشم میں سب سے پہلے اس معاہدہ کا خیال زبیر بن عبد المطلب کو آیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ فجار میں بنی قیس و بنی کنانہ کی خونریزی سے بے دریغ جانیں ضائع ہوئی ہیں تو انہوں نے سوچا کہ کم سے کم مکہ جیسے مرکزی مقام کو عربوں کی سفاکی و درندگی سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور ایسی وقت ممکن ہے جب قبائل کے درمیان باہمی اتحاد کا معاہدہ ہو لہٰذا زبیر بن عبد المطلب نے دیگر اکابر و عمائد قریش کو اس تجویز پر اپنا ہم خیال بنایا۔ ابن سعد نے زبیر بن عبد المطلب کی تجویز و تدبیر کے عملی مظاہرہ کو اس طرح ظاہر کیا۔

كان حرب الفجار فى شوال وهذا الحلف فى ذى القعدة وكان اشرف حلف كان قط اول
من دعا اليه الزبير بن عبد المطلب فاجتمعوا بنو هاشم و زهرة و
تيم فى دار عبد الله بن جدعان فصنع لهم طعاما فتعاقدوا
و تعاهدوا بالله القائل لنكون مع المظلوم حتى يودى اليه حقه۔

(طبقات ابن سعد صـ۸۲، ج-۱، مطبوعہ برلن)

ترجمہ: جنگ فجار شوال میں واقع ہوئی اور حلف الفضول ذیقعدہ میں اور یہ معاہدہ تمام سابق معاہدوں سے اشرف و افضل تھا سب سے پہلے اس معاہدہ کی زبیر بن عبد المطلب نے ابتداء کی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی۔ بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی تیم اس معاہدہ کی غرض سے عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے۔ پہلے حاضرین کی ضیافت کی گئی پھر سب نے مجلسِ مجوزہ کا انعقاد کیا اور خدا کو درمیان دیکر آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ لوگ مظلومین کیطرف سے ظالموں کے ساتھ اس وقت تک مقابلہ کریں گے جبتک کہ ظالم اپنے مظالم کی دیت و معاوضہ مظلوم کو نہ دیدے۔

(اسوۃ الرسول صـ۱۷ ج۲)

اس معاہدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے چنانچہ اس بابت آپؐ نے فرمایا کہ

ما احب ان لى بحلف حضرته فى دار عبد الله بن جدعان حمر النعم وانى اعذرته
هاشم و زهرة و تيم و تحلفوا ان يكونوا مع المظلوم ولو دعيت به لاجبت وهو
حلف الفضول۔ (طبقات ابن سعد صـ۸۲ ج-۱)

ترجمہ: اس معاہدہ کے عوض میں جو عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ہوا اور جس میں بنی ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تیم نے اس امر پر حلف اٹھایا کہ وہ مظلوموں کی اعانت و حمایت کریں گے مجھے سرخ رنگ والے اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں نہ لوں اور آج بھی اگر ایسے معاہدہ کیلئے مجھے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔ وہ معاہدہ حلف الفضول تھا۔

زبیر بن عبد المطلب نے سانپ کے واقعہ کے متعلق جس کے سبب سے قریش تعمیر کعبہ سے ڈرتے تھے چند اشعار کہے ہیں جنہیں ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔[1]

اولاد زبیر بن عبد المطلب: زبیر کا انتقال چھ یا سات سال قبل بعثت ہوا۔ انکی اولاد میں عبداللہ جو صحابی تھے یہ خلیفہ اول کے دورِ خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔ ایک بیٹی ضباعۃ تھی یہ بھی صحابیہ تھیں۔ انکے شوہر مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن بہرار تھے انکی اولاد

[1] سیرۃ ابن ہشام صـ۲۲۲ ج۔۱

میں کریمہ اور عبداللہ تھے۔ جنکی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ کی جانب سے لڑے۔ دوسری بیٹی کا نام ام الحکم تھا یہ بھی صحابیہ تھیں انکے شوہر ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب تھے انکی اولاد کا ذکر ربیعہ بن حارث کے ذیل میں درج ہے۔ انکے علاوہ دو بیٹیاں صفیہ اور ام الزبیر تھیں یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں۔ زبیر بن عبد المطلب کی مذکورہ اولاد عاتکہ بنت ابی وہب بن عمرو مخزومی کے بطن سے تھی۔

ضرار بن عبد المطلب: یہ از روئے جمال و سخاوت نوجوانانِ قریش میں ممتاز تھے اللہ تعالیٰ نے جس زمانہ میں رسول اللہ پر وحی نازل فرمائی انہی دنوں یہ لاولد فوت ہوئے۔

قثم بن عبد المطلب: یہ لاولد فوت ہوئے (بچپن میں)۔ قثم، ضرار اور عباس ان تینوں کی ماں نتیلا بنت جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو خثمی تھیں۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے تین سال قبل قثم کا نو سال کی عمر میں انتقال ہوا جس کا جناب عبد المطلب کو سخت صدمہ ہوا۔ جب آنحضرتؐ پیدا ہوئے تو جناب عبد المطلب نے انکا نام قثم رکھا لیکن جناب آمنہ نے بتایا کہ انکو خواب میں حکم دیا گیا ہے کہ بچہ کا نام محمدؐ رکھیں تب جناب عبد المطلب نے آپکا نام محمدؐ رکھا۔[1]

جہم بن عبد المطلب: مورخین نے انکا ایک نام مصعب بھی تحریر کیا ہے انکا لقب الغیداق تھا جسکے معنی فیاض کے ہیں۔

حجل بن عبد المطلب: انکا ایک نام مغیرہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ انہی کی ایک دختر قراۃ نے فرزندان عبد المطلب کی بابت اشعار کہے تھے جو گذشتہ صفحات میں نقل کئے گئے ہیں۔

المقوم بن عبد المطلب: انکی بابت بھی کہا جاتا ہے کہ لاولد فوت ہوئے۔ جبکہ انکی ایک بیٹی ہند تھی جو صحابیہ تھیں اور زوجہ تھیں بشر بن عمرو کی انکے بطن سے عبداللہ اور عبد الرحمن پیدا ہوئے۔ دوسری بیٹی اروی تھی اور تیسری بیٹی ام عمرو تھی یہ تینوں بہنیں صحابیہ تھیں چونکہ انکے نرینہ اولاد نہ تھی اسلئے مورخین نے انہیں لاولد فوت لکھا ہے۔

[1] سیرۃ الحلبیہ صـ۷۶ ج۔۱

دختران عبد المطلب : البیضا (اُم الحکم) یہ صحابیہ تھیں انکے شوہر کریز بن ربیعہ بن حبیب تھے۔

اولاد عامر (صحابی) فتح مکہ کے دن ایمان لائے انکے بیٹے عبد اللہ بن عامر (صحابی) والئ خراسان بعہد عثمانؓ خلیفہ سوئم۔ اروٰی (صحابیہ تھیں) بیعت رضوان کے بعد ایمان لائیں۔ ہجرت کی انکے علاوہ عمارہ، خالد، اُم حکیم اور ہند تھے

عاتکہ : صحابیہ تھیں انکے شوہر ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم تھے۔ عاتکہ کے معنی طائرہ کے ہوتے ہیں۔

برہ : یہ بھی صحابیہ تھیں انکے شوہر عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھے۔ اولاد میں سفیان، اسود اور عبد اللہ تھے۔

امیمہ : یہ بھی صحابیہ تھیں۔ شوہر جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ (ددوانی) تھے اولاد میں اُم المومنین زینب بنت جحش، عُبید اللہ، حمنہ، اُم حبیبہ تھے۔

اروٰی : صحابیہ تھیں۔ شوہر عُمیر بن وہب بن کثیر بن عبد مناف تھے اولاد میں طلیب (صحابی) تھے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کی جنگ بدر میں شرکت کی اور جنگ اجنادین میں ۱۳ھ شہید ہوئے عمر ۳۵ سال تھی۔ مندرجہ بالا پانچوں دختران عبد المطلب کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں۔

صفیہ : صحابیہ تھیں شوہر عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزّا اسدی تھے یہ بہادر خاتون تھیں۔ ایک یہودی کو ڈنڈے سے مار ڈالا تھا یہ حضرت حمزہ کی ماں جائی بہن تھیں۔ انکے بیٹے زبیر بن عوام تھے۔

حضرت حمزہؓ بن عبد المطلبؓ

ولادت و ابتدائی حالات : مورخین نے حضرت حمزہ کی تاریخ ولادت تو تحریر نہیں کی البتہ زرقانی، ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ نے یہ ضرور لکھا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپکی عمر اٹھاون برس تھی۔ چونکہ جنگ بدر رمضان ۲ھ مطابق ۶۲۳ء اور مارچ ۶۲۴ء میں ہوئی تھی اس حساب سے آپکی ولادت واقعہ عام الفیل سے تین سال قبل ہونی چاہیئے اسطرح آپکا سن ولادت ۵۶۶ء قرار پاتا ہے اور یہ ابن سعد وغیرہ کے اس بیان سے بھی مطابقت رکھتا ہے کہ حضرت حمزہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰؐ سے دو یا تین سال بڑے تھے۔ آنحضرتؐ کی مادر گرامی حضرت آمنہ بنت وہب اور حضرت حمزہ کی والدہ محترمہ جناب ہالہ بنت وہیب چچا زاد بہنیں تھیں اور ان دونوں خواتین باتمکین کا عقد مبارک ایک ہی محفل میں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جناب عبد المطلب کو آنحضرتؐ کی پرورش و پرداخت میں مادر حمزہ کی جہت خاص سے بڑی مدد ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جناب حمزہ نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ثوبیہ آنحضرتؐ کے چچا عبد العزیٰ بن عبد المطلب (جنہیں مورخین نے ابولہب کے نام سے بڑی شہرت دی ہے) کی کنیز تھیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حمزہ کی والدہ نے آنحضرتؐ کو اپنا دودھ پلایا تھا۔[1] اس طرح پیغمبر اسلام اور حضرت حمزہ میں جو قرابت قریبہ ہے وہ انہیں باہمی محبت خاص کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت حمزہ آنحضرتؐ کے سب سے چھوٹے چچا خالہ زاد بھائی ہم عمر اور ساتھ پلے بڑے تھے۔ اس صورتحال میں لازماً ایک دوسرے پر جاں نثار کرنے والے اور دُکھ درد میں شریک رہنے والے تھے جسکا عملی مظاہرہ بعد کے حالات سے ثابت ہے۔

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۹۶ ج ۱۔

حضرت حمزہ جوان ہوئے تو فن سپاہ گری میں مہارت حاصل کی اور سیر و شکار آپکا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ بڑے جری و بہادر تھے اسلئے اہل قریش میں آپکی بڑی قدر و منزلت تھی۔ حضرت حمزہ کی کنیت انکے بیٹے عمارہ کی نسبت سے ابو عمارہ تھی۔ بقول طبری حضرت خدیجہؓ نے رسول مقبولؐ سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے اپنے چچاؤں سے اسکا ذکر کیا لہٰذا حضرت حمزہ اپنے بھتیجے کے ہمراہ خویلد بن اسد کے پاس گئے اور شادی کا پیغام دیا۔[1] پیغمبر اسلام سے یوں تو انکے تمام چچا محبت کرتے تھے لیکن حضرت حمزہ کی اُنسیت و محبت سب سے بڑھ کر تھی۔ چونکہ انکا مذاق سپہ گری اور شکار افگنی تھا لہٰذا انکا معمول تھا کہ صبح سویرے تیر کمان لیکر نکل جاتے۔ سارا سارا دن شکار کھیلنے میں مصروف رہتے۔ شام میں جب واپس آتے تو پہلے حرم میں طواف کیلئے جاتے پھر قریش کے رؤسا جو صحن کعبہ میں الگ الگ دربار جمائے بیٹھے ہوتے ان سے صاحب سلامت کرتے کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے اور کبھی کسی کے۔ اسطرح سب سے انکا یارانہ تھا اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے۔

قبول اسلام : ویسے تو بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے لیکن حضرت حمزہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا انداز یگانہ تھا۔ پُرخلوص جذبات میں آنحضرتؐ سے جس والہانہ محبت کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ اسلام کے اس اہم ترین واقعہ کو جملہ مورخین نے کم و بیش یکساں طور پر بیان کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ بعض نے عربی سے اُردو ترجمہ کرتے وقت اپنی سرشت کے مطابق قطع و برید سے کام لیا اور واقعہ کو اسطرح بیان کرنے کی کوشش کی جس سے حضرت حمزہ کے جذبۂ محبت و اخلاص کی شدت ماند پڑ جائے اسلئے ہم یہاں پر اس واقعہ سے متعلق ابن ہشام کی عبارت کا ترجمہ تحریر کرتے ہیں۔

ترجمہ : ایک بار ابوجہل نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوہ صفا پر دیکھا اس بدبخت نے آپکو ایذا پہنچائی (بروایت طمانچہ مارا) اور سخت کلامی کی اور بعض کہتے ہیں کہ دین اسلام کی عیب جوئی کی۔ رسول خدا صلعم نے اسکی بدزبانیوں کا کچھ جواب نہ دیا اور قطعاً خاموش رہے۔ عبد اللہ بن جدعان

[1] تاریخ طبری ص ۶۳ ج ۱

کی لونڈی جس کا گھر قریب تھا یہ تمام واقعات دیکھ رہی تھی۔ اسکے بعد ابوجہل واپس آیا اور حسب معمول رؤسائے قریش کیساتھ کعبہ میں بیٹھ گیا۔ حمزہ بن عبد المطلب کا یہ دستور تھا کہ ہر روز شکار کیلئے باہر جاتے تھے مگر شکار پر جانے سے پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کر لیتے تھے اسکے بعد امراء قریش سے جو وہاں موجود ہوتے تھے صاحب سلامت کرتے تھے اور تھوڑی دیر تک انکے پاس بیٹھ جاتے تھے اور باتیں کرتے تھے آپ مردمان قریش میں معزز اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔

پس اس واقعہ کے دن عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی اتفاقاً حضرت حمزہ کے گھر آئی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں موجود تھے۔ اس کنیز نے حضرت حمزہ کو مخاطب کر کے کہا اے ابو عمارہ (یہ حضرت حمزہ کی کنیت ہے) کیا تمھیں معلوم نہیں جو الحکم ابن ہشام (ابوجہل کی کنیت) نے تمھارے بھتیجے محمد صلعم کیساتھ کیا کیا ہے دیکھو پوچھ لو وہ تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں اس نے ان کو ایذا دی (طمانچہ مارا) اور سخت گالیاں دیں اور جو کچھ نہیں کہنا چاہیئے وہ سب کچھ کہا اور پھر وہاں سے چلا گیا لیکن محمدؐ نے اس کا جواب تک نہیں دیا۔ یہ سنکر حضرت حمزہ کو سخت غصہ آیا اور یہی غصہ انکے لئے کرامت ایزدی کا باعث ہوا۔ حضرت حمزہ نہایت تیزی سے گھر سے نکلے اور راہ میں کہیں نہیں ٹھہرے۔ کعبہ میں داخل ہوئے ابوجہل کو دیکھا قوم کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اسی غیظ کی حالت میں آگے بڑھتے چلے گئے یہانتک کہ اسکے سر کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی آہنی کمان اُٹھا کر اس کے ضرب شدید لگائی اور مارنے کے بعد اس سے کہا کہ جس مذہب کو بُرا کہتا ہے میں اسی دین میں داخل ہو گیا ہوں اب اگر تیری مجال ہے تو مجھے اس دین میں داخل ہونے سے باز رکھ۔ یہ سنکر بنی مخزوم کا ایک شخص ابوجہل کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہکر اسے فوراً روک دیا کہ ابو عمارہ سے تعرض نہ کرو قصور میرا ہے میں نے حقیقتاً انکے بھتیجے کو بہت بُری بُری گالیاں دیں۔

(ابن ہشام ص ۹۹ طبع مصر کا اردو ترجمہ اسوۃ الرسول ص ۲۲۹ ج ۲)

اس واقعہ کی مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے صبر و سکوت نے حضرت حمزہ کے جذبۂ قرابت و یگانگی میں ایسا مفید و شدید اثر پیدا کر دیا جو حضرت حمزہ کیلئے رشد و ہدایت کا باعث

ہوا اور بدبخت ابوجہل کیلئے اسکی سزا وعقوبت کا سبب بنا۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے اگر ایک طرف اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف کفارِ قریش جو ابتک غریب مُسلمانوں ہی پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے اب انکی بدبختی آنحضرتؐ کو بھی جسمانی ایذا پہنچانے لگی۔ ان بدبختوں میں ابوجہل، عقبہ بن ابی مُعیط اموی، اُمیہ بن خلف، نوفل بن خویلد، ابوسُفیان بن حرب، ابوالبختری اور عاص بن وائل بہت مشہور تھے۔ بقول طبری حضرت حمزہ کے ایمان لانے کا واقعہ ۳ نبوی مُطابق ۶۱۲ء میں دعوتِ قریش کے بعد پیش آیا۔ لیکن فوق بلگرامی نے یہ واقعہ نبوت کے چھٹے سال کے تحت بیان کیا ہے۔

سریہ حضرت حمزہؓ: آنحضرتؐ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد قریشِ مکہ نے اہلِ مدینہ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں اور اہلِ مدینہ پر قریش کے حملوں کا ڈر اتنا بڑھ گیا کہ اکثر راتوں کو آرام کی نیند سونا ممکن نہیں رہا لہٰذا ان خطرات کے پیشِ نظر پیغمبرِ اسلام کو مدینہ اور اہلِ مدینہ کے دفاع کی تیاریاں کرنی پڑیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپؐ صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹکریوں کو ادھر ادھر بھیجتے رہتے تھے تاکہ دشمنانِ اسلام یہ جان لیں کہ مُسلمان انکے عزائم سے بے خبر نہیں ہیں۔ ایسی مہم جو کسی صحابی کی سرکردگی میں بھیجی جائیں انکو "سریہ" کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے سرایا میں سریہ عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب اور سریہ حمزہ بن عبد المطلب ہیں۔

واقدی کے حوالے سے طبری نے بیان کیا ہے کہ ہجرت کے تیرویں مہینے رسول اللہ صلعم نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو سفید نشان دیا اور تیس شتر سواروں کیساتھ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کیلئے بھیجا۔ اس جماعت میں سب کے سب مہاجرین تھے۔ بقول ابنِ سعد یہ لوگ (یعنی مہاجرین) عیص کیجانب سے سمندر کے ساحل تک پہنچ گئے۔ فریقین کی مڈبھیڑ ہوئی۔ کفارِ قریش کا سردار ابوجہل بن ہشام تھا جسکے ساتھ تین سو شتر سوار تھے۔ فریقین نے لڑنے مرنے کیلئے صفیں باندھ لیں مگر مجدی بن عمرو الجہنی جو کہ فریقین کا حلیف تھا درمیان میں حائل ہو گیا اور اسطرح فریقین میں جدال و قتال نہیں ہوا۔ ابوجہل اپنے قافلہ کیساتھ مکہ کیطرف چل پڑا اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ واپس آئے۔

غزوات میں علمبرداری: مکہ سے ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ ہی میں قیام فرمایا اور سرایا کی مدد سے قریش کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہے حتیٰ کہ ربیع الاول ۲ھ میں غزوۂ ابوا میں بنفس نفیس تشریف لے گئے اسی لئے اسے غزوہ کا نام دیا گیا۔ اس غزوہ میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب آپؐ کے علمبردار تھے اور یہ علم سفید (لوائے ابیض) تھا اسطرح حضرت حمزہ اسلامی لشکر کے سب سے پہلے علمبردار تھے۔

اسکے علاوہ جمادی الآخر ہجرت کے سولہویں مہینے غزوۂ ذوالعشیرہ ہوا اس غزوہ میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہی نے علمِ نبوی جو سفید تھا اُٹھایا۔[1] بقول طبری غزوہ بنی قینقاع میں بھی آنحضرتؐ کا سفید علم حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے پاس تھا۔[2]

جنگِ بدر میں حضرت حمزہؓ: جنگِ بدر کے موقع پر لشکرِ اسلام نے چشمۂ بدر پر جنگی اعتبار سے موزوں مقام کا انتخاب کیا اور چشمہ کے پانی کو اپنے مصرف میں لانے کیلئے مٹی کی منڈیر باندھ کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے تاہم رحمتِ عالم نے اس فیضِ رواں سے کفارِ قریش کو بھی فیضیاب ہونے سے نہیں روکا۔ دشمنوں کو بھی دوستوں کیطرح سیراب ہونے کی اجازت دی۔ حکیم بن حزام جو رؤسائے قریش میں سے تھا مسلمانوں کے حوض پر آیا بعض صحابہ نے اسے روکنا چاہا لیکن سرورِ عالم نے انہیں منع فرمایا۔ حکیم نے حوض سے پانی لیا اور چلا گیا۔ اسکے بعد اسود بن الاسد مخزومی آیا۔ اس نے حوض سے پانی لیا کسی نے کوئی تعرض نہیں کیا تب اس نے شرارتاً حوض کی منڈیر کو پیروں سے توڑنا شروع کر دیا اسکی اس حرکت پر حضرت حمزہ اسکی طرف دوڑے تو وہ بدبخت ان پر تلوار کھینچکر قتل پر آمادہ ہوا۔ اس نے حضرت حمزہ کے سر پر وار کیا حضرت حمزہ نے اپنے آپکو بچاتے ہوئے ایسا وار کیا کہ اسود کی ٹانگیں کٹ گئیں۔ حضرت حمزہ اس شریر کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے تو اس نے حوض کے پانی کو خراب کرنے کی نیت سے آہستہ آہستہ حوض کی طرف گھسٹنا شروع کیا جونہی وہ مردود حوض کے قریب پہنچا تو حضرت حمزہ جو دور سے اسکی حرکات دیکھ رہے تھے اس پر جھپٹے اور اسکا کام تمام کیا۔ اسود اپنے لشکر میں یہ اعلان کر کے آیا تھا کہ وہ مُسلمانوں کا جمع کیا ہوا پانی یا تو بہا دیگا یا اپنے خون سے اسے استعمال کے قابل نہیں چھوڑے گا۔[3]

---

[1] طبقات ابنِ سعد صفحہ ۳۴ ج۔ ۱ [2] طبری صفحہ ۲۰۸ ج۔ ۱ [3] طبری صفحہ ۱۸ ج۔ ۱

جب بدر کے میدان میں جنگ کیلئے صف بندی ہوئی تو ایک طرف لشکرِ اسلام کے تین سو تیرہ مجاہدین سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند انتہائی نظم وضبط کے ساتھ صف بستہ ہوئے جبکہ دوسری جانب کفارِ قریش کے ایک ہزار سُورما اپنی کثرت وطاقت کے نشہ میں چور حملہ کرنے کے لئے بے چین تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جوشِ شجاعت میں اپنے بیٹے اور بھائی کے ہمراہ میدان کارزار میں مقابلہ کیلئے نکلا۔ جیسا کہ عبیدہ بن الحارث کے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انکے مقابلہ کیلئے اسلامی لشکر میں سے جوانانِ انصار میدان میں آئے تو عتبہ نے خانوادۂ قریش کی نسبتی برتری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان سے مقابلہ کو حقیر جانا اور باآوازِ بلند اپنے کفو والوں کو لڑنے کیلئے طلب کیا لہٰذا آنحضرتؐ نے جناب حمزہ بن عبد المطلبؓ جناب عبیدہ بن الحارث بن المطلب اور جناب علی بن ابی طالب بن عبد المطلب کو مقابلہ کیلئے روانہ کیا انہوں نے عتبہ، شیبہ اور ولید تینوں کا کام تمام کیا اسکے بعد عام مقابلہ شروع ہو گیا۔ عتبہ شیبہ اور ولید کے یکبارگی مارے جانے سے کفار کے لشکر میں مُسلمانوں کا خوف اور رعب طاری ہو گیا تھا چونکہ ہر طرف لڑائی شروع ہو چکی تھی اسلئے متعدد مبارزانِ اسلام جن میں حضرت حمزہؓ، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ انصاری کے نام خصوصیت سے لئے جاتے ہیں شمشیریں کھینچکر لشکرِ کفار میں گھس گئے۔

گھمسان کی جنگ ہوئی اور اللہ نے مشرکین کو شکست دی انکے ستر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی اسیر ہوئے۔ جنگِ بدر میں مشرکین کے مقتولین میں قریش کے نامور اشراف اور رؤساء شامل تھے ان سردارانِ قریش کا قتل ہی جنگِ احد کا سبب بنا۔

جنگِ احد میں حضرت حمزہؓ: بدر کے میدان میں کفارانِ قریش کو جو ہزیمت اُٹھانا پڑی تھی اسکا بدلہ چکانے اور مُسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے رؤسائے قریش کا قصاص لینے کیلئے قریشِ مکہ نے اعلیٰ پیمانہ پر تیاریاں کیں اور ابوسُفیان اور ابوجہل نے فوج کی ترتیب میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا نیز لوگوں نے بھی فراغ دلی سے جانی ومالی امداد فراہم کی تجارتی قافلہ سے ہونے والی کُل آمدنی کو مقتولینِ بدر کا بدلہ لینے کیلئے مختص کیا گیا۔ اس لشکر کی تیاری میں اشیائے تزئین وآرائش کے ساتھ ساتھ ممتازینِ قریش کی بہت سی خواتین کو بھی ہمراہ لیا گیا تاکہ وہ اپنے جمالِ جہاں آراء و

نغمہائے دلرُبا سے جوانانِ قریش کے جوش وجذبہ کو اُبھارتی رہیں۔ ان میں سے چند مشہور خواتین یہ تھیں:۔ ہند۔ یہ عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور معاویہ بن ابوسُفیان کی ماں، اُمِ حکیم۔ یہ عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ، فاطمہ۔ یہ خالد بن ولید کی بہن، برزہ۔ یہ طائف کے ایک رئیس مسعود ثقفی کی بیٹی، ریطہ۔ عمرو بن العاص کی زوجہ، خناس۔ مصعب بن عمیر کی ماں تھی۔ جنگ میں خواتین کی ہمراہی کے باعث عرب اپنی جانوں پر کھیلنے پر آمادہ تھے۔ چونکہ ابوسفیان کی زوجہ ہند کے باپ عتبہ بن ربیعہ کو اور جبیر بن مطعم کے چچا کو حضرت حمزہ نے جنگِ بدر میں قتل کیا تھا لہٰذا حضرت حمزہ کا قتل ہند کا مطمعِ نظر تھا اپنی اس آرزو کی تکمیل کیلئے ہند نے روانگی سے پہلے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو جسکا شمار مکہ کے نامور جنگجو بہادروں میں ہوتا تھا حضرت حمزہ کے قتل پر آمادہ کر لیا اور یہ قرار پایا کہ اگر وہ حضرت حمزہ کو قتل کر دیگا تو اسکو غلامی سے آزاد کر دیا جائیگا اور انعام واکرام سے بھی نوازا جائیگا۔

بہرحال ساتویں شوال ۳ھ کو احد کے دامن میں دونوں لشکر صف آراء ہوئے۔ قریش کو بدر میں تلخ تجربہ ہو چکا تھا لہٰذا انہوں نے نہایت احتیاط سے اپنی صفوں کو ترتیب دیا۔ آنحضرتؐ نے احد کی پہاڑی کو پشت پر رکھکر صف بندی فرمائی۔ حضرت حمزہ کو فوج کے اس حصّہ کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھا جنگ کا آغاز ہوا طبلِ جنگ بجا۔ خواتینِ قریش دف کی تال پر اشعار گاتی ہوئی بڑھیں۔ ابوسفیان کی زوجہ ہند چودہ عورتوں کیساتھ یہ اشعار گاتی ہوئی آگے آگے تھی۔

ترجمہ: ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں — ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
اگر تم بڑھکر لڑوگے تو ہم تم سے گلے ملیں گے — اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائینگے[1]

لڑائی کا آغاز ہوا قریش کا علمبردار طلحہ مقابلے کے لئے نکلا تو حضرت علیؑ نے آگے بڑھکر ایک ہی وار میں اسکا کام تمام کیا اسکے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا تو حضرت حمزہ نے اسکا مقابلہ کیا اور یہ کہہ کر کہ "میں ساقیٔ حجاج کا بیٹا ہوں" تلوار کا ایک ایسا وار کیا جو شانے سے چیرتا ہوا کمر تک آگیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ لشکرِ کفار میں گھس گئے

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۳۸۳ ج۔ ۱

اور صفیں کی صفیں صاف کردیں۔ حضرت حمزہ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور کفر کے بادل چھٹتے جاتے تھے جسطرف رُخ کرتے لاشوں کے ڈھیر لگادیتے تھے اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آگیا وہ آپکو دیکھ کر بھاگنے لگا تو آپ پکارے کہ "او ختانتہ النساء کے بچے کہاں جاتا ہے" قریب پہنچ کر تلوار کا وار کیا اور وہ ڈھیر ہوگیا۔ حبشی غلام وحشی کا ہدف ہی حضرت حمزہ تھے وہ انکی تاک میں لگا ہوا تھا جونہی حضرت حمزہ اسکے قریب آئے اس نے چھوٹا نیزہ جسکو حربہ کہتے ہیں اور حبشیوں کا خاص ہتھیار ہوتا ہے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہوگیا حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور آپکی روح پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

لاش کی بے حُرمتی : حضرتِ حمزہ کی لاش کی بے حُرمتی کی بابت جُملہ مورخین نے یہی لکھا ہے کہ جب آپ شہید ہوگئے تو آپکے قاتل وحشی نے ابوسُفیان کی زوجہ ہندہ کو اطلاع دی تاکہ وہ اپنے وعدے کے مُطابق انعام واکرام سے نوازے اور اسے غلامی سے آزاد کرنے کا عہد پورا کرے۔ محدث شیرازی نے اپنی کتاب روضتہ الاحباب صفحہ ۲۸۰ میں اس واقعہ کو وحشی کی اپنی زبانی پوری تفصیل سے تحریر کیا ہے جسکا خلاصہ جناب نوق بلگرامی صاحب نے بیان فرمایا ہے [1] ہند کو جب یہ اطلاع ملی تو بے انتہا خوش ہوئی اور اپنے ساتھ والیوں کو لیکر وحشی کے ہمراہ حضرت حمزہ کی لاش پر پہنچی۔ اس بے رحم نے آپکے مُردہ جسم سے پہلے ناک کاٹی پھر دونوں کان کاٹ کر انکے ہار بنائے اور اپنے گلے میں پہنے اور اپنے بدن کے زیورات وحشی کو بطور انعام دیدیئے۔ ہند نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حضرتِ حمزہ کا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور چبا گئی مگر وہ نگل نہ سکی۔ بقول علامہ شبلی نعمانی "اسی بناء پر تاریخوں میں ہند کا لقب جگر خوار لکھا جاتا ہے" [2] ۔ ہند کی ساتھ والیوں نے دیگر شہدائے اسلام کی لاشوں کو مثلہ کیا انکے ناک وکان کاٹ کر ہند کیطرح ہار بنا کر پہنے ان شہداء میں حضرت عبداللہ بن جحش بھی تھے جو اُمیمہ بنتِ عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ "بنو الحارث بن عبد مناۃ کے حلیس بن زبان نے جو اس وز جیوس کا افسر تھا خود ابوسفیان بن حرب کو حمزہؓ کے

[1] اسوۃ الرسول جلد دوم صفحہ ۱۷۹ • [2] سیرۃ النبیؐ صفحہ ۳۸۳ ج ۱

جبڑے میں نیزے کی انی بھونک کر یہ کہتے سُنا اسکا مزہ چکھ"۔ [1]

حضرت حمزہؓ کا سوگ : کفارِ قریش کے چلے جانے کے بعد شہدائے احد کی لاشوں کی تلاش شروع کی گئی سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی لاش تلاش کرنے کا حُکم دیا گیا۔ ایک مرد انصار تلاش میں نکلا جب اسکے آنے میں دیر ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا جب آپ حضرت حمزہ کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عقیدتمند مرد انصار اس پیکر شگافتہ پر کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔ عم محترم کی لاش صد پارہ کو دیکھکر حضرت علیؑ بھی دیر تک اشکبار رہے پھر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوکر تفصیل بیان فرمائی۔ جنابِ رُسولِ خدا کے حزن وملال کی کوئی انتہا نہ رہی آپ بہ نفسِ نفیس لاش پر تشریف لے گئے اور مظلوم چچا کی لاش پر اشکباری فرمائی۔ اپنے محبوب چچا کی لاش کی بیحُرمتی دیکھکر ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ مجھے قریش پر فتح عطا کی تو میں انکے تیس مقتولوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردونگا۔ آپکے اس بیان پر سورۂ النحل کی یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) "تم بھی اگر ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی تو برابری ہوجائے گی لیکن صبر کرلو تو صبر کرلینا صبر کرنے والے کیلئے بہتر ہے" آپ نے حکمِ الٰہی کی اطاعت کی اور صبر فرمایا۔

صفیہ بنتِ عبدالمطلب کو بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو وہ حالت اضطراب میں بھائی کی لاش پر پہنچی جونہی آنحضرتؐ نے انکو دیکھا تو انکے صاحبزادے زبیر بن العوام سے کہا کہ وہ اپنی مادرِ گرامی کو روکیں وہ بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں گی۔ زبیر دوڑے ماں کو روکنا چاہا مگر وہ نہ رکیں اور بیٹے سے کہا میں کچھ بھی نہ کروں گی صرف بھائی کو آخری بار دیکھکر چلی جاؤں گی چنانچہ وہ معظمہ بھائی کی لاش پر آئیں اور بھائی کے پیکر شگافتہ کو نگاہِ حسرت سے دیکھا اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر واپس ہوئیں لاش پر سے ہٹنا تھا کہ غم والم سے دل بھر آیا دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور انکے ساتھ جنابِ سیدہ ودیگر خواتین ہاشمیہ ملکر فریاد وزاری کرنے لگیں اب رُسولِ خدا سے بھی ضبط نہ ہوسکا آپؐ نے صدائے غم آلود کیساتھ فرمایا "اے صفیہ اے فاطمہ تم

[1] طبری صفحہ ۱۴۳ ج ۱

کو بشارت ہو کہ جبرائیل نے مجھے یہ مژدہ دیا ہے کہ ملائکہ ملاءاعلیٰ نے حمزہ کو اسد اللہ اور اسدِ رُسول اللہ کے القاب خاص سے مشہور ومرقوم کیا ہے۔ [1]

تمام شہدائے اسلام کے دفن سے فراغت پاکر جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو شہر بھر میں کُہرام مچا تھا ہر گھر سے صدائے ماتم بلند تھی تو آپؐ کی زبان مُبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ "حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں" جونہی انصار نے یہ الفاظ سُنے بیتاب ہوگئے گھروں کی طرف دوڑے اور اپنی نوحہ خوال عورتوں کو دولت سرائے رسالت کی طرف بھیج دیا تاکہ رسولِ خدا کے عم محترم کا ماتم کریں خوش عقیدہ خواتین انصار اپنے شہیدوں کی صف ماتم چھوڑ کر فوراً عصمت سرائے نبوت میں حاضر ہوئیں اور اپنے عزیزوں سے زیادہ حضرت حمزہ پر نوحہ وگریہ وزاری کرنے لگیں۔ انکی گریہ وزاری سُن کر آپؐ نے دُعائے خیر فرمائی۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں اس واقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہ سے شروع کیجاتی تھی یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہ کی حقیقی محبت تھی"۔ [2]

اولاد حمزہؓ بن عبدالمطلب : حضرت حمزہ صحابی تھے انکی اولاد میں یعلیٰ جو صحابی تھے انکے بیٹے فضل، زبیر، عقیل اور محمد یہ سب لاولد رہے۔ دوسرے بیٹے عمارہؓ صحابی تھے انکے بیٹے حمزہ تھے انکی نسل آگے نہیں چلی۔ یعلیٰ اور عمارہ دونوں کی ماں ایک انصاریہ خاتون تھیں۔ حمزہ کی ایک بیٹی ام الفضل (صحابیہ) اور دوسری امامہ (صحابیہ) تھیں۔ ان دونوں کی ماں سلمیٰ بنتِ عمیس جو اسماء بنتِ عمس کی بہن تھیں۔ امامہ کے شوہر سلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد بن بلال مخزومی تھے۔

[1] روضتہ احباب صفحہ ۲۷۲ • [2] سیرۃ النبیؐ صفحہ ۲۸۳ ج ۱

عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب

عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی بابت بحیثیت ابولہب کتب سیر وتواریخ میں مندرج واقعات وروایات متعدد بار پڑھے اور سورۃ اللہب کے مُطالعہ کا بھی شرف میسر آیا۔ ابولہب سے متعلق روایات وواقعات پر مفسرین ومورخین کا اندازِ بیان اور سُورۃ اللہب میں مذکور لفظ "ابی لہب" کی موجودگی کے باعث عبدالعزیٰ عمِ رسولِ خدا صلعم کو بحیثیت ابولہب ہمیشہ دشمنِ خدا ورسولؐ جانا اور ابوجہل ابوسفیان، عتبہ، شیبہ، ولید وغیرہ کی طرح قابلِ نفرت گردانا۔ مگر اب جبکہ پسرانِ عبدالمطلب کے باب میں عبدالعزیٰ کے واقعات قلمبند کرنے بیٹھا تو رفتارِ قلم سُست پڑگئی کتب سیر وتواریخ میں عبدالعزیٰ کے جو افعال واعمال آنحضرتؐ کے باب میں بیان کئے گئے ہیں وہ تضادات کا مجمُوعہ ہیں۔ ایک طرف وہ اپنے یتیم بھتیجے سے اظہار محبت کرتا ہے اور اس کی ولادت کے وقت اس کی خدمت کے لئے اپنی ایک کنیز کو آزاد کردیتا ہے تو دُوسری طرف اس کی مخالفت پر آمادہ نظر آتا ہے۔ ایک طرف جب اس بھتیجے کی وجہ سے پُورا خاندان مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ سب سے علیحدگی اختیار کرتا ہے جبکہ دوسری طرف جناب ابوطالب کی وفات کے بعد اسی بھتیجے کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کرتا ہے۔ ایک طرف وہ اپنے لڑکوں کے لئے انتہائی خلوص سے حضرت خدیجہؓ کی دختران کا رشتہ طلب کرتا ہے تو دُوسری طرف بیٹوں پر زور ڈال کر انہیں طلاق دلوا دیتا ہے۔ ایک طرف خاندان کے بزرگ کی حیثیت سے بھتیجے کے گھر جاکر اسکی اور اسکے اہلِ خانہ کی خبر گیری کرتا تو دُوسری طرف اسی بھتیجے

کے صحن میں دیوار کے باہر سے غلاظت پھینکتا ہے۔ ایک طرف بھتیجے سے بدکلامی کرنے پر ابن الغیطلہ کی پٹائی کرتا ہے تو دوسری طرف اسی بھتیجے کو خود پتھر مار مار کر لہولہان کر دیتا ہے۔

بہرحال عبدالعزیٰ کی تضادات سے بھرپور زندگی کو قلمبند کرنے کے لئے طویل بحث درکار ہے جسکی اس کتاب میں قطعی گنجائش نہیں۔ اگر اللہ نے کبھی موقع فراہم کیا تو کتبِ سیرۃ و تواریخ کی روشنی میں مدلل و مفصل بحث کی جائیگی۔ فی الحال تو غلط یا صحیح روایات کے تحت عبدالعزیٰ کے بحیثیتِ ابولہب جو بھی حالات و واقعات تاریخوں میں تحریر کیئے گئے ہیں ان کو مختصراً بیان کر رہے ہیں۔

<u>مختصر حالاتِ زندگی</u>:۔ جناب عبدالمطلب کی ایک بیوی لبنیٰ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام عبدالعزیٰ رکھا گیا۔ اس کی وِلادت کی بابت مورخین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ اولادِ عبدالمطلب میں حارث کے بعد سب سے بڑا تھا جبکہ دوسرے گروہ کا قول ہے کہ یہ ابو طالب سے چھوٹا تھا۔ عبدالعزیٰ کے اپنے ایک بیان سے دوسرے گروہ کا قول درست ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح اس کا سنِ ولادت ۵۳۹-۴۰ء قرار پاتا ہے۔ ماں کی نسبت سے اسکی کُنیت "ابن لبنیٰ" اور بڑے بیٹے کی مناسبت سے "ابو عتبہ" تھی۔ مگر تاریخ میں "ابولہب" نے بڑی شہرت حاصل کی یہانتک کہ نام کی جگہ لے لی گو کہ خاندان کے کسی فرد نے کبھی اسے ابولہب کہکر مخاطب نہیں کیا۔

عبدالعزیٰ جب جوان ہوا تو اروٰی بنت حرب پر مائل ہو گیا۔ اروٰی کی کنیت ام جمیل تھی اور یہ ابوسفیان کی سگی بہن تھی۔ چونکہ عبدالعزیٰ اپنی ماں کی اکلوتی اولاد تھا اسکی ماں نے کوشش کر کے اس کی خواہش کے مُطابق اسکی شادی ام جمیل خواہر ابوسفیان سے کرادی۔ گو کہ خاندانِ بنی ہاشم اور خاندانِ بنی اُمیہ ایک دوسرے کے

حریف تھے لیکن اس زمانہ میں دشمنی کے باوجود قبائل میں آپس کی شادی بیاہ کا رواج عام تھا۔

مالی اعتبار سے اولادِ عبدالمطلب میں عباس اور عبدالعزیٰ مالدار تھے ان دونوں میں بھی عبدالعزیٰ زیادہ دولتمند تھا اور عباس کے مقابلہ میں زیادہ فیاض و سخی بھی تھا۔ وہ ظاہر و پوشیدہ اپنے بھائیوں کی مدد کرتا تھا اور قبائل قریش کے حاجتمند افراد کی مالی معاونت بھی کیا کرتا تھا۔ اسکی اسی خوبی کا ذکر شعرا نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عبدالعزیٰ قریش کے ان چار دولتمند ترین افراد میں سے تھا جنکے پاس ایک قنطار سونا تھا۔ (ایک قنطار دو سو اُوقیہ کا ہوتا ہے جبکہ اُوقیہ سوا تین تولہ کا ہوتا ہے۔ اسطرح عبدالعزیٰ کے پاس چھ سو پچاس تولہ سونا تھا۔)

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے اچانک انتقال سے دیگر اہلِ خاندان و برادران کی طرح عبدالعزیٰ کو بھی سخت صدمہ پہنچا جو ایک فطری عمل تھا۔ عربوں میں افرادی قوت کو بڑی اہمیت تھی گھر کے ایک نوجوان کی موت کا سب ہی خاندان والوں کو قلق ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت ہُوئی تو خاندان کے تمام افراد بیحد خوش ہوئے کیونکہ آپؐ اپنے مرحوم باپ کی نشانی تھے۔ جب عبدالعزیٰ کی ایک کنیز ثوبیہ نے عبدالعزیٰ کو بھتیجے کی وِلادت کی خبر دی تو وہ اسقدر خوش ہوا کہ اس نے بھتیجے کی خدمت کے لئے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ جس نے نہ صرف حضورؐ کی خدمت کی بلکہ حلیمہ سعدیہ سے پہلے آپؐ کو اپنا دُودھ پلایا۔

جناب عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے سے جس پیار و محبت اور حُسنِ سلوک کا برتاؤ کرتے تھے اس کا مشاہدہ آپکے تمام بیٹے کیا کرتے تھے جن میں عبدالعزیٰ بھی شامل تھا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد جب آنحضرت کی تربیت و کفالت جناب ابو طالب کے ذمّہ ہوئی تو عبدالعزیٰ نے انکے برتاؤ اور حُسنِ سلوک کا بھی مشاہدہ کیا جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ دیگر برادران کی طرح

عبدالعزیٰ بھی اپنے یتیم بھتیجے سے پیار و محبت سے پیش آئے اور عربوں کے دستور کے مُطابق صلہ رحمی کا مظاہرہ کرے یہی وجہ ہے کہ جب ابو طالب کو اپنے بھتیجے کی محبت و حفاظت کی خاطر تجارتی سفر ترک کرنا پڑے تو ان کی آمدنی بہت کم ہو گئی چنانچہ سقایہ و رفادہ کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے جہاں دوسرے بھائی مالی مدد کرتے تھے وہاں عبدالعزیٰ بھی بدرجہ اتم اپنی ذمہ داری نبھاتا تھا۔

جب آنحضرتؐ جوان ہوئے تو آپؐ نے اپنے آبائی پیشہ تجارت کو اپنایا اور پہلی مرتبہ مالِ تجارت لیکر دوسرے شہروں کے سفر کا قصد کیا تو عبدالعزیٰ نے بھی اپنا مالِ تجارت دیکر بھتیجے کی مدد اور ہمت افزائی کی۔

جب آنحضرتؐ کی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے طے پائی تو عبدالعزیٰ نے اس سلسلہ میں اپنے بھائی ابو طالب کی بھرپور مدد کی۔ حالانکہ اس رشتہ سے سردارانِ قریش بڑے چراغ پا تھے۔ شادی کے بعد جب آنحضرتؐ بی بی خدیجہ کے گھر منتقل ہو گئے تو عبدالعزیٰ ایک بزرگ کی حیثیت سے خبرگیری کے لئے اکثر و بیشتر وہاں جایا کرتا تھا۔ وہ اپنی بھتیج بہو کے اخلاق و عادات، گفتار و کردار سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کی دونوں بیٹیوں رقیہ اور اُم کلثوم کا رشتہ اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لئے مانگ لیا۔ جناب خدیجہ نے کہا "یہ تو ابھی بچیاں ہیں" اس پر عبدالعزیٰ نے جواب دیا کہ "اب ان بچیوں کی پرورش میرے گھر میں ہوگی" الغرض رشتہ طے پایا اور نکاح ہو گیا بعض کا کہنا ہے کہ نکاح کے وقت ہی رخصتی ہو گئی تھی جبکہ بعض کا قول یہ ہے کہ بعثت کے بعد رخصتی ہوئی۔

چاہِ زم زم کی کُھدائی کے موقعہ پر جو تبرکات برآمد ہوئے ان میں سے دو عدد سونے کے ہرن اور تلواریں جناب عبدالمطلب نے خانۂ کعبہ کی نذر کیں۔ بعد میں قریش کے چند افراد نے طلائی ہرن چُرا لیئے اور انہیں شراب فروش کے ہاتھوں فروخت

کر کے شراب خرید لی۔ کہا جاتا ہے کہ اس چوری کرنے والی جماعت میں ابولہب بھی شامل تھا۔

روایت ہے کہ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے جب حضرت علیؑ کے ذریعہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو مدعو کیا تو ابولہب نے آپؐ کی مخالفت کی جبکہ دیگر تمام حاضرین اس انکشاف پر حیران و ششدر تھے۔ عرصہ تین سال بعد جب آنحضرتؐ نے قریش کے مجمعِ عام کے روبرو کوہِ ابوقبیس سے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو بقولِ راوی، اسی ابولہب نے کہا "تیرا ستیاناس جائے کیا اسی لئے ہمیں جمع کیا تھا" جبکہ تمام قریش خاموشی سے لوٹ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابولہب مکہ میں حضورؐ کا ہمسایہ تھا اور آپ کو طرح طرح سے تنگ کیا کرتا تھا۔ اسکی بیوی اُم جمیل جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور کانٹے آپؐ کے گھر کے سامنے ڈالدیتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابولہب قریش کے دیگر لوگوں مثلاً حکم بن العاص، عقبہ بن ابی مُعیط، جمرا الثقفی، ابن الاصداء الھذلی وغیرہ کے ساتھ مل کر آپؐ کے گھر میں غلاظت پھینکتا تھا۔ اس طرح یہ بدترین ہمسایہ تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے تبلیغِ دین شروع کی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں پر دباؤ ڈال کر ان کی بیویوں کو طلاق دلوادی۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کے دوسرے صاحبزادے جناب عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب بہت خوش ہوا اور اس نے قریش سے جا کر کہا "لو آج محمد بے نام و نشان ہو گیا" یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب بنی ہاشم کا معاشی و معاشرتی مقاطعہ ہوا تو تمام بنی ہاشم شعب ابیطالب میں چلے گئے مگر ابولہب انکے ہمراہ نہیں گیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابو طالب کی وفات کے بعد ابولہب نے آنحضرتؐ کو اپنی امان میں لے لیا تاکہ آپؐ دشمنوں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہ سکیں۔ ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بنی سہم کے ایک فرد ابن الغیطلہ نے آنحضرتؐ

سے بدکلامی کی۔ جب ابو لہب کو اس کا علم ہوا تو اس نے ابن غیطلہ کو مارا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ باہر سے آئے ہوئے قبائل میں تبلیغِ دین کرتے تو یہی ابولہب ان لوگوں کو آنحضرتؐ سے بات کرنے سے منع کرتا اور ایک روایت کے مطابق یہ آپؐ کے پیروں پر پتھر مارتا جاتا تھا جس سے آپؐ کے پیر زخمی ہو جاتے تھے۔

تواریخ میں یہ بھی رقم ہے کہ جب قریش نے ۲ھ میں مدینہ پر لشکرکشی کی تیاری کی تو اس لشکر میں قریش کے تمام قبیلوں کے افراد نے شرکت کی حتیٰ کہ ابوسفیان کے زور دینے پر آپؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی اس لشکر میں شریک ہوئے مگر نہ تو ابولہب خود اس لشکر میں شامل ہوا اور نہ ہی اپنے بیٹوں کو جانے دیا۔

عبدالعزیٰ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹوں کے نام عتبہ، عتیبہ اور معتب تھے جبکہ بیٹی کا نام دُرّہ تھا، عتیبہ کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ تجارتی سفر کے دوران ایک رات اسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا۔ جبکہ دُرّہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد مدینہ ہجرت کر گئی جہاں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر عتبہ اور معتب بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

جنگِ بدر میں شکست خوردہ لشکرِ قریش کی مکہ واپسی کے تقریباً دس روز بعد عبدالعزیٰ نے ۲ھ مطابق ۶۲۴ء میں چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر (۸۵) پچاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبدالعزیٰ یا ابوعتبہ کے یہی مختصر حالاتِ زندگی ہیں جنکو مختلف مؤرخین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

اولادِ عبدالعزیٰ: عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی اولاد میں عتبہ صحابی تھے یوم فتح مکہ ایمان لائے۔ غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے۔ ان کی اولاد میں ابوعلی، ابوالہیثم اور ابوغلیط تھے۔ جن کی ماں اُم عباس بنت شراحیل حمیری

تھی اور عبیداللہ، محمد، شیبہ (یہ تینوں لاولد تھے) اور ایک بیٹی اُم عبداللہ تھی ان چاروں کی ماں امِ عکرمہ بنت خلیفہ الازدی تھی، عامر کی ماں بالہ احمریہ تھی۔ ابو وائلہ کی ماں بنی خولان سے تھی، عبید، اسحاق، ام عبیداللہ تینوں مختلف امہات الولد سے تھے۔ عبدالعزیٰ کا دُوسرا بیٹا عتیبہ تھا جسے دورانِ سفر درندے نے پھاڑ کھایا۔ اور تیسرے بیٹے معتب تھے۔ یہ صحابی تھے اور فتح مکہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہوئے حنین میں ثابت قدم رہے۔ عتبہ اور معتب کی بابت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا کے ان بیٹوں کو رب سے مانگا تھا، اس نے مجھے دونوں عطا کر دیئے۔ دونوں بھائی مکہ ہی میں رہے ہجرت نہیں کی۔ معتب کی اولاد میں عبداللہ، محمد، ابوسفیان، موسیٰ، عبیداللہ سعید، خالد، ان سب کی ماں عاتکہ بنتِ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھیں۔ ان کے علاوہ مسلم، عباس، مختلف امہات الولد سے تھے اور عبدالرحمٰن کی ماں حمیری خاتون تھیں۔ عبدالعزیٰ کی ایک بیٹی درّہ تھی جو صحابیہ تھیں انہوں نے ہجرت کی انکے شوہر الحارث بن عامر تھے اولاد میں ولید، ابوالحسن اور مسلم تھے۔ دوسری بیٹی عزہ تھی یہ بھی صحابیہ تھیں ان کا شوہر اوفی بن حکیم سلمی تھا تیسری بیٹی، خالدہ بھی صحابیہ تھیں ان کے شوہر عثمان بن لعاص بن بشر تھے۔ ان کے بھی اولاد تھی۔ عبدالعزیٰ کی مذکورہ اولاد کی ماں ام جمیل بنت حرب تھیں۔

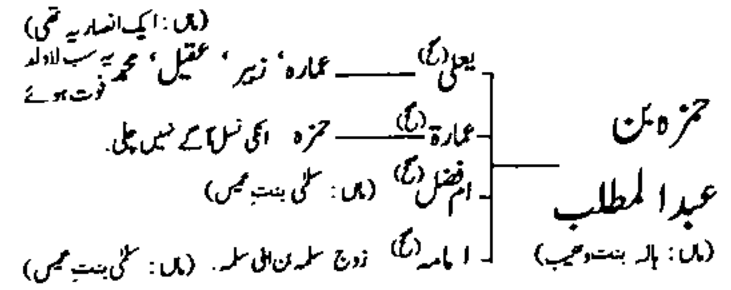

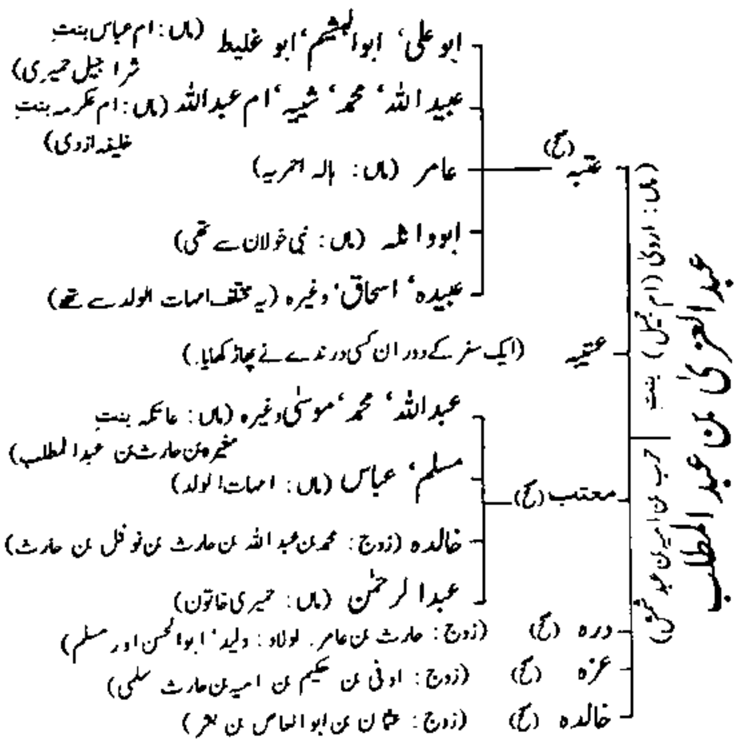

عبّاس بن عبدالمطلبؓ

مختصر حالات: عبّاس بن عبدالمطلب کی ولادت کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ عام الفیل سے تین سال قبل یعنی ۵۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ایک روایت کے مطابق یہ حضرت عبداللہ کے علاوہ بقیہ پسرانِ عبدالمطلب میں سب سے چھوٹے تھے۔ جبکہ جسٹس امیر علی نے انکی ولادت ۵۶۶ء میں اور وفات ۶۵۲ء میں بیان کی ہے۔[1] اس طرح انکی عمر تقریباً چھیاسی برس ہوتی ہے انکا مدفن جنت البقیع میں ہے۔ انکے سب سے بڑے فرزند فضل کی مناسبت سے انکی کنیت ابوالفضل بھی۔ انکی ماں کا نام نتیلہ بنت جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو بن عامر خشمی تھا۔ اور ان کی زوجہ لبابہ کبریٰ کی کنیت اُم الفضل تھی جنکا نسب لبابہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہرم بلالی تھا۔ اور یہ اُم المومنین میمونہ بنت حارث کی حقیقی بہن تھیں۔ عبّاس بن عبدالمطلب اپنے زمانہ کے مشہور تاجر تھے۔ اور بقول ابن سعد یہ ایک شریف دانشمند اور ہیبت والے ورعب والے بزرگ تھے۔[2] ایک اچھے تاجر کی حیثیت سے نفع ونقصان کو پیشِ نظر رکھتے تھے اور ہر قدم ناپ تول کر اُٹھاتے تھے۔ بھاری بھرکم جسم کے مالک تھے۔ ان کو فنِ سپہ گری سے رغبت نہ تھی۔ یہ بنی ہاشم کے دو دولتمند ترین افراد میں سے ایک تھے مگر بخل سے کام لیتے تھے۔ بقول شبلی نعمانی "ابوطالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے لیکن فیاض نہ تھے"[3] ایک حد

---

[1] اسپرٹ آف اسلام ص۸، [2] طبقات ابن سعد ص۱۴۶، ج۱، [3] سیرۃ النبیؐ ص۲۱۶، ج۱

تک ان کی شہرت کا باعث انکے بیٹے عبداللہ بن عباس تھے جن سے کثیر احادیث منقول ہیں اور ان ہی عبداللہ بن عباس کی نسل نے بنی اُمیہ سے حکومت خلافت حاصل کر کے خلافتِ عباسیہ قائم کی جس کے سبب اس خاندان کی عزت و شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ حصولِ اقتدار تک یہ بنی ہاشم ہی کہلاتے تھے لیکن حکومت و اقتدار حاصل ہونے کے بعد یہ بنو عباس مشہور ہوئے۔ عربی عصبیت اور قبائلی روایت کے مطابق عباس بن عبدالمطلب کی ہمدردیاں بنو ہاشم سے وابستہ تھیں اور یہ خاندانی اخوت ہی کا نتیجہ ہے کہ اسلام لانے سے قبل بھی وہ آنحضرتؐ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ ویسے تاریخ میں بیان کردہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ زعمائے قریش جو بدترین دشمن پیغمبر تھے اُن سے بھی انکے گہرے مراسم تھے اور یہ کفارانِ مکہ سے کچھ خائف بھی رہتے تھے۔

تجارت کے سلسلہ میں یہ دُور دراز کا سفر کیا کرتے تھے جسکی وجہ سے مکے کے علاوہ دیگر شہروں کے لوگوں سے بھی اچھی خاصی واقفیت تھی اور وہاں کے تاجروں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ جن کا اندازہ اُن واقعات سے ہوتا ہے جو آنحضرتؐ کے باب میں منقول ہیں۔ مثلاً یمن کے ایک تاجر عفیف نے خود بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر وہ تجارت کی غرض سے مکہ گئے اور عباس بن عبدالمطلب کے ہاں جو کہ ان کے دوست تھے قیام کیا۔ ایک روز وہ اپنے عطر کی فروخت کیلئے منیٰ میں موجود تھے اور عباس ان کے ہمراہ تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک جوان، ایک نوجوان اور ایک خاتون یکے بعد دیگرے وہاں آئے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگے۔ عفیف کو یہ منظر دیکھکر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے عباس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرہ ہے؟ عباس نے جواب دیا کہ "یہ جوان میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے جو مدعی ہے کہ اللہ نے اسے رسُول بنا کر بھیجا ہے، دوسرا میرا بھتیجا علیؑ ابن

ابیطالب بن عبدالمطلب ہے جو اس کے دین میں اس کا پیرو کار ہے اور یہ عورت اس کی بیوی خدیجہ بنتِ خویلد ہے یہ بھی اس کی پیرو کار ہو گئی ہے"۔ عفیف مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اکثر کہا کرتے تھے "کاش میں بھی اس دن ایمان لے آیا ہوتا تو ایمان لانے والوں میں تیسرا ہوتا"۔[1] یا مثلاً کعب بن مالک کی وہ روایت جس میں براء بن معرور کا آنحضرتؐ سے ملاقات کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی جب انہوں نے مکہ والے ایک شخص سے آنحضرتؐ کی بابت دریافت کیا تو اُس نے پوچھا "کیا تم ان کو پہچانتے ہو" انہوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر اس شخص نے معلوم کیا "کیا تم عباس کو پہچانتے ہو" تو انہوں نے کہا ہاں۔ اور ہم عباس کو اس لئے پہچانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ تجارت کے لئے ہمارے یہاں آیا کرتے تھے"۔ تب اس شخص نے کہا "مسجد میں جاؤ اور جو شخص عباس کے پاس بیٹھا ہے وہی رسُولؐ ہیں"۔[2]

خزرج سے خطاب: بیعت عقبہ اولیٰ کے دوسرے سال حج کے موقعہ پر اہلِ مدینہ کے پچھتر نفوس پر مشتمل عقیدتمندوں کا ایک وفد حضرت مصعب بن عمیر کی سربراہی میں مکہ آیا۔ بظاہر یہ حج کی غرض سے آئے تھے لیکن ان کا خاص مقصد آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا اور آپؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دینا تھا۔ اس وفد میں دو خواتین نسیبہ بنت کعب (اُمِ عمارہ) اور اسماء بنتِ عمر بن عدی بھی شامل تھیں۔ یہ وہ پرآشوب دور تھا جب مشرکینِ مکہ کے مظالم کے باعث اسلام لانا یا اسلام سے متعلق کُھلے عام بات کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لہٰذا اس معاملہ میں پوری احتیاط و رازداری سے کام لیا جاتا تھا معتبرینِ خاص کے علاوہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہوتی تھی۔ جب یہ وفد مکہ پہنچا

[1] تاریخ طبری صفحہ ۸، ج-۱، [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۲، ج-۱-

تو آنحضرتؐ سے ملاقات کی اور اپنا مقصد بیان کیا۔ حالات کے پیشِ نظر رسول اللہ صلعم نے رات کی تاریکی میں عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہونے کی ہدایت فرمائی حضرت کعب کی روایت کے مطابق جب تین حصہ رات چلی گئی تو یہ لوگ اپنی قیام گاہ سے ایک ایک کر کے دبے پاؤں نکلے اور پرندوں کے مانند ایک قطار میں گھاٹی کی طرف چلدیئے اور وہاں پہنچکر آنحضرتؐ کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد رسُول اللہ صلعم بھی اپنے عم محترم جناب عباس بن عبدالمطلب کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے۔ جناب عباس اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے بلکہ اپنے آبائی دین پر قائم تھے۔ اس اہم اور خفیہ ملاقات میں جناب عباس کی شرکت و ہمراہی اگر ایک جانب خاندانی اخوت، قبائلی روایت اور عربی عصبیت کا مظہر تھی تو دوسری جانب اس امر کی نشاندہی بھی کرتی ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلعم کے نزدیک بمقابلہ دیگر مسلمین عباس بن عبدالمطلب زیادہ معتمد و معتبر تھے۔

بہرحال گفتگو کا آغاز ہوا۔ عباس بن عبدالمطلب نے اہلِ مدینہ کو مخاطب کر کے کہا "محمدؐ ہمارے ہیں تم بھی واقف ہو! ہم نے ان کو اپنے قوم والوں سے جو میرے مسلک پر ہیں بچایا ہے۔ اپنی قوم کی وجہ سے انکی خاص عزت و وقعت ہے۔ وہ اپنے وطن میں امن و حفاظت کے ساتھ ہیں مگر اب وہ اس بات پر بالکل تل گئے ہیں کہ تمہارے یہاں جائیں اور وہیں سکونت اختیار کریں اگر تم سمجھتے ہو کہ جس غرض سے تم نے ان کو دعوت دی ہے اسے پورا کر دو گے اور ان کے مخالفین سے انکی حفاظت کرو گے تو بے شک تم اس بار کو اٹھا لو ورنہ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد تم انکا ساتھ چھوڑ دو گے اور ان کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ گے تو بہتر یہ ہے کہ اسی وقت ان کو انکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہاں بھی اپنی قوم کی وجہ سے وہ معزز ہیں اور اپنے وطن میں بحفاظت و اطمینان رہ رہے ہیں"

بنو خزرج نے یقین دہانی کرائی اور ابوالہیثم نے کہا "یا رسُول اللہؐ ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں بیعت کے بعد یہ ٹوٹ جائیں گے"۔ اسکے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب سے بیعت لی۔

قبول اسلام: عباس بن عبدالمطلب کے مشرف بہ اسلام ہونے کی بابت کسی خاص وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مشرکینِ مکہ کے خوف سے انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا یعنی تقیہ کیا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ جنگِ بدر سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے جیسا کہ آنحضرتؐ کے مولیٰ ابورافع کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابورافع نے کہا "میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا اور اسلام ہم گھر والوں میں داخل ہو چکا تھا۔ عباس، اُم الفضل اور میں تینوں نے اسلام اختیار کر لیا تھا۔ عباس اپنی قوم سے ڈرتے، انکی مخالفت ناپسند کرتے اور اپنا اسلام چھپاتے تھے۔ وہ بہت مالدار تھے اور ان کا مال لوگوں میں پھیلا ہوا تھا"۔[1]

لشکرِ قریش میں بنی ہاشم: جب اہلِ مکہ کو ابوسفیان کی ارسال کردہ یہ اطلاع ملی کہ ان کے تجارتی قافلہ کو مسلمانوں سے خطرہ ہے تو مکہ والوں نے نہایت تیزی سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور حالت یہ تھی کہ ہر شخص خود بھی اس مہم پر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا اور دوسروں کو بھی آمادہ کر رہا تھا۔ یہانتک کہ پیغمبرِ اسلامؐ کے خاندان یعنی بنی ہاشم کے لوگوں کو بھی مجبور کیا گیا کہ وہ اس مہم میں ان کے ساتھ نکلیں لہٰذا بنی ہاشم کے چند افراد بادلِ نخواستہ انکے ساتھ بدر کے میدان میں گئے۔ انہیں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔

بنی ہاشم کی بابت آنحضرتؐ کی ایک روایت ابنِ اسحٰق نے بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ بدر کے موقع پر اپنے اصحاب سے فرمایا "مجھے معلوم ہوا ہے

[1] سیرۃ ابنِ ہشام صفحہ ۴۶، ج-۱-

کہ بنی ہاشم اوران کے علاوہ بعض اور لوگوں کو زبردستی (جنگ کے لئے) باہر نکالا گیا اور انہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے تم میں سے کوئی شخص بنی ہاشم کے کسی شخص سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو ابوالبختر بن ہشام بن الحارث بن اسد سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا العباس بن عبدالمطلب سے ملے تو انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ زبردستی نکالے گئے ہیں"۔ آنحضرتؐ کی اس ہدایت پر ابوحذیفہ بہت برافروختہ اور کہا "ہم اپنے باپ، دادا، بیٹوں، پوتوں، بھائیوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل کریں اور العباس کو چھوڑ دیں۔ واللہ! اگر میں اس سے ملوں تو ضرور تلوار کا نوالہ بنا دوں گا۔[2]

عباس کی اسیری اور رہائی: جنگِ بدر کے موقع پر گرفتار ہونے والوں میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے جب انہیں اسیر کر کے مدینہ لایا گیا تو آنحضرتؐ نے ان سے زرِ فدیہ طلب کیا اس پر انہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں مگر قریش کے مجبور کرنے پر اس مہم میں شریک ہوئے لہٰذا ان سے فدیہ نہ لیا جائے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا "تمہارے اسلام سے اللہ زیادہ واقف ہوگا۔ اگر تمہارا بیان سچا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزائے خیر دے گا۔ مگر بظاہر تم ہم پر چڑھ کر آئے تھے لہٰذا تم اپنا فدیہ دیدو" بہرحال عباس بن عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق اپنا، اپنے بھتیجوں عقیل بن ابیطالب بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔[3] اور انہوں نے رسول اللہ صلعم و صحابۂ کرام کے

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۴۲۲ ج۱، [2] سیرۃ ابن ہشام ص۴۲۳ ج۱، [3] تاریخ طبری ص۱۹۳ ج۱

رُوبرو بہ آوازِ بلند کلمہ پڑھا جس پر صحابہ کرام نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اسکے بعد عباس بن عبدالمطلب مکہ چلے گئے اور وہیں قیام کیا حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلعم فتح مکہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تو اثنائے راہ میں عباس بن عبدالمطلب لشکرِ اسلام سے آملے۔

عباس اور ابوسفیان: ویسے تو جناب عباس بن عبدالمطلب کے تمام سردارانِ قریش سے اچھے تعلقات تھے مگر ابوسفیان سے ان کے گہرے مراسم تھے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب ۱۰ رمضان ۸ھ کو لشکرِ اسلام مقامِ مرالظہران جو مکہ معظمہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے، فروکش ہوا تو جناب عباس اپنے ہمراہ ابوسفیان کو لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی معافی کے خواستگار ہوئے۔ اس پر چند اصحاب خصوصاً حضرت عمرؓ نے سخت مخالفت کی اور آنحضرتؐ سے ابوسفیان کی گردن زدنی کی درخواست کی۔ اس سے پہلے کہ آنحضرتؐ کوئی حکم صادر فرماتے جناب عباس بن عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو بتایا وہ ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لے چکے ہیں لہٰذا آنحضرتؐ نے ان کے قول کا پاس کرتے ہوئے اور جذبۂ عفوِ نبوی کے باعث اپنے دشمنِ جانی کو معاف فرما دیا، درآں حالِ کہ اس کا ہر فعل قتل کا دعویدار تھا۔[1]

ازواج و اولاد: جناب عباس بن عبدالمطلب کی زوجۂ اوّل لبابہ کبریٰ بنتِ حارث تھیں انکی کُنیت ام الفضل تھی۔ ان کے بطن سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جنکے نام تھے، فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، عبدالرحمٰنؓ، قثمؓ اور ام حبیب۔

[1] تاریخ طبری ص۳۹۴، ج۱، سیرۃ النبیؐ ص۵۱۳، ج۱،

دُوسری زوجہ کا نام حجیلہ بنت جندب تھا ان کے بطن سے حارثؓ پیدا ہوئے۔

تیسری زوجہ رومیہ یعنی رومی علاقہ کی تھیں انکے بطن سے تمامؓ، کثیرؓ، صفیہ اور امیمہ تھے۔ جناب عباس بن عبدالمطلب کی اولاد کے مختصر حالات یہ تھے۔

فضل بن عباسؓ: فضل جناب عباس کے فرزندِ اوّل تھے۔ یہ صحابیٔ رسولؐ تھے۔ حجۃ الوداع میں ردیفِ رسولؐ تھے۔ فتح مکہ اور جنگِ حنین میں شریک ہوئے۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میت کو غسل دینے والوں میں شامل تھے۔ انکی وفات کی بابت شاہ معین الدین ندوی نے واقعہ حرہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ "اس جنگ میں بہت سے اکابر واشرافِ قریش اور انصار کام آئے، فضل بن عباس، ابن ربیعہ، عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن مطیع ایک ایک کر کے قتل ہوئے۔"[1]

عبداللہ بن عباس: یہ بھی صحابیٔ رسولؐ تھے۔ انکی ولادت ۱۰ نبوی میں یعنی بعثت کے دسویں سال ہوئی۔ اسی سال بنی ہاشم شعبِ ابیطالب سے واپس آئے اور اسی سال جناب ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے وفات پائی تھی۔ انکی کنیت ابوالعباس اور لقب خیرالامۃ تھا۔ یہ تفسیرِ قرآن اور مفتیانِ مدینہ میں درجۂ اولیٰ پر فائز تھے امیرالمومنین حضرت علی ابنِ ابیطالب کے ظاہری دورِ خلافت میں بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ اہلِ حجاز بنی ہاشم کے لوگوں سے اہم معاملات میں مشورہ کرتے تھے۔ عبداللہ بن زبیر کی تمام اہلِ حجاز نے بیعت کی مگر عبداللہ بن عباس

[1] تاریخ اسلام ص۶۰، ج۲۔

اور محمد بن حنفیہ نے انکی بیعت نہیں کی۔ سفیان بن عوف ازدی کی سربراہی میں قسطنطنیہ پر ہونے والی فوج کشی میں عبداللہ بن عباس شریک تھے۔ آخری عمر میں انکی بینائی جاتی رہی تھی۔ خلفائے بنی عباس انہی کی نسل سے تھے۔ یعنی عباسیوں کا پہلا حکمران ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا۔ جو ان کا پڑپوتا تھا۔ ان کے دو بیٹے علی اور عباس تھے۔

عُبیداللہ بن عباس: یہ اپنے بھائی عبداللہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ یہ بھی صحابیٔ رسولِ مقبولؐ تھے۔ یہ سخی و مالدار شخص تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؑ کے ظاہری دورِ خلافت میں عبیداللہ کو یمن کا حاکم مقرر کیا گیا اور حضرت علیؑ کے حکم سے ۳۵ھ اور ۳۶ھ میں امیرالحج مقرر ہوئے۔ شاہ معین الدین ندوی نے تحریر کیا ہے کہ اپنے ولایت کے زمانہ میں ایک مرتبہ ان کا کوفہ جانا ہوا۔ انہوں نے عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام کیا اسی اثناء میں اموی لشکر بسر بن ابی ارطاط کی سربراہی میں حملہ آور ہوا جس نے عبداللہ بن عبدالمدان اور اس کے دو بیٹوں کے ساتھ عبیداللہ کے دو صغیرسن بچوں کو بھی قتل کر دیا۔[1] عبیداللہ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔ انکی اولاد میں عبداللہ، عباس، عالیہ، اُم محمد تھے۔

معبد بن عباس: یہ بھی صحابیٔ رسولؐ تھے۔ یہ افریقہ میں ۳۵ھ میں شہید ہوئے۔ انکا ایک بیٹا عبداللہ تھا۔

عبدالرحمٰن بن عباس: یہ بھی صحابی تھے اور افریقہ میں شہید ہوئے۔

قثم بن عباس: صحابیٔ رسولؐ تھے۔ جناب علیؑ مرتضیٰ کے ظاہری

[1] تاریخ اسلام ص۲۵۶، ج۲،

دورِ خلافت میں یہ مکّہ کے حاکم رہے اور یہ سمرقند میں شہید ہوئے۔

تمام اور کثیر پسرانِ عبّاس: یہ دونوں بھائی صحابیٔ رسُولؐ تھے۔ ان میں تمام بہادر و حملہ آور تھے جبکہ کثیر فقیع و محدّث تھے۔

اُمِ حبیب بنتِ عبّاس: یہ صحابیہ تھیں اور یہ زوجہ تھیں اسود بن سفیان مخزومی کی۔

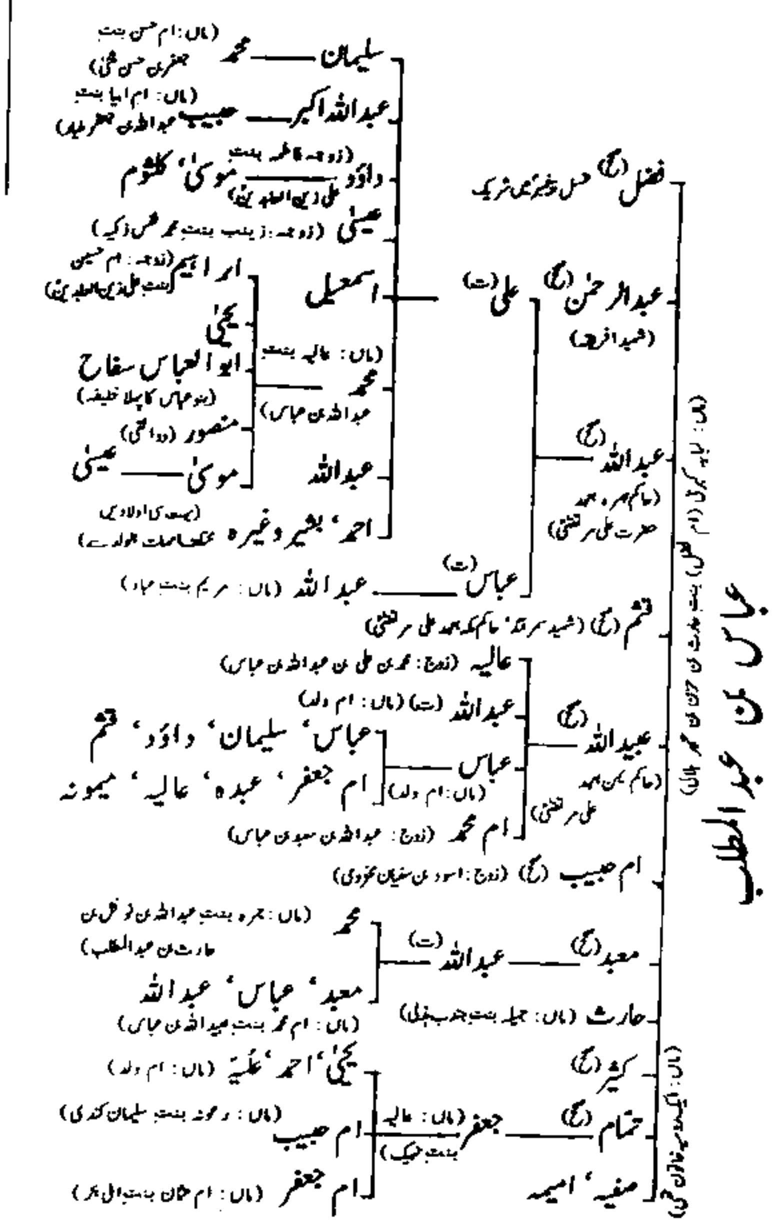

ابو طالب بن عبد المطلب

نام و کنیت :- مفسرین و مورخین نے آپکے مختلف نام تحریر کیے ہیں مثلاً صاحبِ عمدۃ الطالب جناب احمد بن علی کا قول ہے کہ آپ کا اسم گرامی عبد مناف تھا کیونکہ جناب عبد المطلب نے اپنی وصیت میں اسی نام سے یاد کیا ہے۔ جبکہ ابوبکر طرطوسی' جمال الدین داؤدی' شرف الدین موسوی وغیرہ نے آپ کا نام عمران تحریر کیا ہے۔ اسکے علاوہ قرآن کریم میں مذکورہ آیات (ترجمہ) "بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا آدمؑ و نوحؑ اور اولاد ابراہیم و اولاد عمران کو تمام عالموں پر' بعض کی اولاد کو بعض سے (بلند مرتبہ بنایا) اور اللہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔"[1] کی تفسیر میں مولانا ظفر حسین صاحب نے جو کچھ بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آلِ عمران سے مراد بعض کے نزدیک حضرت موسیٰؑ اور بعض کے نزدیک حضرت مریم ہیں۔ لیکن یہ دونوں پہلے ہی مقام اصطفائیہ فائز ہو چکے ہیں لہٰذا دوبارہ انتخاب کی چنداں ضرورت نہ تھی۔[2]

ان کے علاوہ جناب سید ظفریاب ترمذی کا بیان ہے کہ اگر نبی اسرائیل کے ان دونوں عمران کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ایک عمران کے صرف موسیٰؑ ہی تھے اور دوسرے عمران کے جناب مریم تھیں اور ان دونوں کا سلسلۂ نسب ختم ہو گیا۔ جبکہ اللہ جل شانہ اولاد عمران کے مرتبہ کو بلند فرما رہا ہے اور آیت کا مفہوم بتا رہا ہے کہ عمران وہ ہے جس کا سلسلۂ نسب رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ لہٰذا حضرت ابراہیم کی نسل کے عمران جناب ابو طالب ہیں اور آلِ عمران سے مراد علیؑ ابن ابی طالب اور ان کی اولاد ہے جس کا سلسلۂ تاقیامت باقی رہیگا۔[3]

[1] سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۳۳ : ۳۴ [2] تفسیر قرآن ص : ۲۲۰ ج : ۱ [3] تاریخ انوار السادات ص : ۳۸

جناب عبد المطلب کی اولاد میں ابو طالب' زبیر اور عبداللہ ماں جائے بھائی تھے۔ ان کی مادر گرامی فاطمہ بنتِ عمرو بن عائذ بن مخزوم تھیں۔ جسٹس امیر علی کے بیان کے مطابق جناب ابو طالب ۵۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۲۰ء میں فوت ہوئے۔[1] اسطرح آپ کی مدتِ حیات اکیاسی سال ہوتی ہے۔ چونکہ آپ کے بڑے بیٹے کا نام طالب تھا لہٰذا آپ کی کنیت ابو طالب قرار پائی۔ اور یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ لوگ اسے نام کی جگہ استعمال کرنے لگے۔

حالات و واقعات :- کتب سیرۃ و تواریخ میں جناب ابو طالب سے متعلق جو بھی حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب جناب رسالتمآبؐ کے ضمن میں مرقوم ہیں۔ اگر ہم حیات ابو طالب پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپکی زندگی کا مقصد ہی حفاظتِ پیغمبرؐ اور نصرتِ رسولؐ تھا۔ جنابِ ابو طالب کی زندگی کو ہم دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور ۵۴۰ء تا ۵۷۹ء یعنی ان کی ولادت سے عبد المطلب کی وفات تک اور دوسرا دور ۵۷۹ء تا ۶۲۰ء یعنی عبد المطلب کی وفات سے ابو طالب کی اپنی وفات تک۔

جناب ابو طالب کا ابتدائی دور اُن کے اپنے پدربزرگوار کے زیرِ تربیت گزرا۔ اس دوران آپ نے اپنے والد گرامی قدر کے اخلاق و محاسن، جود و سخا، فیاضی و کرم نوازی، پاکبازی و بلند نفسی کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا جو آپ کی آئندہ زندگی میں مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ جناب ابو طالب نے اپنے پدربزرگوار کی وہ مناجات بھی سنی جو عبد المطلب نے اسوقت کی جب اللہ نے آپ کو دس بیٹے عطا فرمائے اور ایفائے عہد کیلئے آپ نے قرعہ ڈالنا شروع کیا۔ جناب ابو طالب نے اپنے والد کے وہ مواعظ بھی سنے جو ترک ظلم و جور اور مکارم اخلاق کی تعلیم سے متعلق تھے۔ آپ نے اپنے والد کے وہ اشعار بھی سنے جو انہوں نے اپنے مرحوم بیٹے کے فرزند کی ولادت باسعادت پر بارگاہِ الٰہی میں اس فضل و کرم اور نعمت و احسان کا شکریہ ادا کرنے کو کہے۔ واقعہ

[1] اسپرٹ آف اسلام ص : ۷

اصحابِ فیل کے موقعہ پر آپ نے اپنے جد نامدار کا خانہ کعبہ میں جاکر مناجات کرنے اور اسکے نتیجہ میں ابابیلوں کے نمودار ہونے کے مناظر کا بھی مشاہدہ کیا. اور جناب ابوطالب نے اپنے والد محترم کو یہ کہتے بھی سنا کہ

> "اے ابوطالب! اس بچے کی بڑی شخصیت ہے اس کو چاؤ' اس سے تمسک کرو' یہ تنہا ہے اس کو ماں کی طرح سے پرورش کرو' دیکھو کوئی ناگوار خاطر بات نہ ہونے پائے." (المجالس السنیہ ص: ٣٦ ج: ٤)

الغرض جناب ابوطالب اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں اپنے والد محترم کے شریک کار رہے اور رسالتمآبؐ کی ولادت باسعادت سے لیکر جناب عبدالمطلب کی وفات تک آنحضرتؐ کی پرورش وحفاظت میں اپنے پدربزرگوار کا ہاتھ بٹاتے رہے.

کفالت کی ذمہ داری :- وفات سے قبل جناب عبدالمطلب نے اپنے مرحوم بیٹے عبداللہ کے فرزند حضرت محمد ﷺ کی پرورش وتربیت اور حفاظت ونصرت کیلئے اپنی کثیر اولاد میں سے جناب ابوطالب کا انتخاب کیا. بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ثابت کردیا کہ جناب عبدالمطلب کا انتخاب بہترین وبے مثال تھا. باپ نے مرنے سے قبل بیٹے کو کچھ وصیتیں اور کچھ نصیحتیں کیں اور اسطرح ذمہ داری منتقل ہوگئی. عبدالمطلب نے فرمایا: " اے عبدمناف! تمہیں ایک یتیم وبیکس کے بارے میں وصی بنائے جاتا ہوں اسکے بعد جناب عبدالمطلب نے چند اشعار کہے جو غالبًا اُن کی زندگی کے آخری اشعار تھے.

وصّیة من کنیة بطالب عبد مناف وھوز وتجارب

بابن الحبیب الاکرام الاقارب با بن الذی قد غاب غیر آئب

> ترجمہ :"میں نے ابوطالب جیسے تجربہ کار شخص کو وصی بنایا ہے اس کے بیٹے کا جو مجھے عزیز ومحبوب تھا اور اب جس کے واپس آنے کی کوئی امید نہیں." [1]

[1] عمدۃالطالب ص: ٦' جلد ص : ٣٤٧ ج: ٢' ابوطالب مومنِ قریش ص: ١٠٥

تاریخ کی یہ ایک مسلمہ ومصدقہ حقیقت ہے کہ جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی کفالت وپرورش جناب ابوطالب نے فرمائی لیکن دورِحاضر میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسے مضامین شائع کئے جارہے ہیں جن سے مسلمہ ومصدقہ حقائق بھی مشکوک نظر آنے لگتے ہیں. انہی دروغ بیانیوں میں سے ایک بیان یہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ کی پرورش زبیر بن عبدالمطلب نے کی. مضمون نگار اپنے دعوے کے ثبوت میں بلاذری کی عبارت کا ایک ٹکڑا پیش کرکے اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنیکی ناکام کوشش کرتا ہے اور وہی تیکنک اختیار کرتا ہے جو آریہ سماج والوں نے نماز سے روکنے کیلئے استعمال کی تھی. یعنی وہ لوگ قرآن کریم کی آیت لاَ تقرَبُو الصلواۃ (نماز کے نزدیک مت جاؤ) تو پڑھتے تھے لیکن اسکا اگلا حصہ وانتم سکٰرٰی (جب حالت نشہ میں ہو) کو چھوڑ دیتے تھے. اس بیان میں بھی بلاذری کی تفصیلی عبارت میں سے صرف یہ ٹکڑا بعضھم ان الزبیر اکفل النبی حتی مات ثم کفلہ ابوطالب بعدہ یعنی بعض نے روایت کی ہے کہ زبیر نے آپؐ کی پرورش کی یہانتک کہ وہ انتقال کر گئے اسکے بعد ابوطالب نے پرورش کی. اس غلط بیانی کی بابت ہم کچھ لکھیں' بہتر ہوگا کہ بلاذری کے اصل بیان کا ترجمہ پیش کردیں تاکہ آپ خود فیصلہ کریں کہ مفسدین نے تاریخ میں کس طرح قطع وبرید کی ہے. بلاذری لکھتے ہیں کہ

> " جب حضرت عبدالمطلب کی وفات کا وقت ہوا تو (انہوں نے) اپنے چچوں کو بلایا. ان کو آنحضرتؐ کے بارے میں وصیت فرمائی اور زبیر بن عبدالمطلب اور ابوطالب' حضرت عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے اور زبیر دونوں سے بڑے تھے. آپ (عبدالمطلب) نے قرعہ اندازی کی کہ رسول اللہ کی پرورش کون کرے. تو قرعہ حضرت

> ابوطالب کے نام نکلا. اور انہوں نے (رسول اللہ کو پرورش کیلئے) اپنے پاس رکھ لیا. یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود رسول اللہ نے ابوطالب کو زبیر پر ترجیح دی اور وہ (ابوطالب) چچاؤں میں سب سے زیادہ آنحضرتؐ پر مہربان تھے. اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے ہی ان (ابوطالب) کو آپ کی پرورش کے بارے میں وصیت فرمائی. یہ بھی بعض نے روایت کی ہے کہ زبیر نے آپ کی پرورش کی یہانتک کہ ان (زبیر) کا انتقال ہوگیا. اس کے بعد ابوطالب نے پرورش کی اور یہ بات غلط ہے کیونکہ زبیر حلف الفضول کے زمانہ میں زندہ تھے اور اس وقت رسول اللہؐ کا سنِ مبارک بیس سال سے زیادہ تھا اور اس میں علماء میں اختلاف نہیں کہ جنابِ رسول خدا حضرت ابوطالب کے ساتھ شام گئے اور یہ (واقعہ) عبدالمطلب کے انتقال کے پانچ سال کے اندر کا ہے." (انساب الاشراف ص: ٨٥ ج: ١)

غور فرمایا آپ نے مذکورہ عبارت کے درمیان سے اپنے مطلب کے ایک ٹکڑے کو لیکر کس تیکنک سے اختلاف کی راہ نکالی گئی. اسی مفہوم کی عبارت زرقانی نے بھی شرح مواہب لدنیہ ص: ٢٢٨ ج: ١ میں درج کی ہے. ان ہر دو بیانات کا مقصد کفالت پیغمبر میں زبیر کی شرکت کے قیاسی اور بے بنیاد دعوے کو رد کرنا ہے. بہر حال یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ افراد بنی ہاشم کے ساتھ تو یہ کھیل صدیوں سے کھیلا جارہا ہے. ہر ہر مقام پر کتربونت کے ذریعہ تاریخ کو مسخ کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں. لیکن مشکل ترین بات یہ ہے کہ اس قسم کی حرکتیں کرنے والے نواصب اپنے آپکو اہلسنت ہی ظاہر کرتے ہیں. حالانکہ ان کا اہلسنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں سنی سنی ہیں اور ناصبی ناصبی ہیں. سنی اہلبیت رسول کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں جبکہ نواصب اہلبیت کرام سے بغض ودشمنی رکھتے ہیں اور اس قسم کے پروپیگنڈے میں مشغول رہتے ہیں.

الغرض جناب ابوطالب کی زندگی کے دوسرے دور کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے جب آپ اپنے والد کی وفات کے بعد انکے وصی وجانشین ہوئے. کعبہ کی تولیت اور مکہ کی سرداری آپ کو ورثہ میں ملی اور آپ خاندانی تبرکات کے امین مقرر کئے گئے. جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی مدد وکفالت میں بہترین قیام کیا. آپ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے اور بے حد پیار کرتے تھے. اپنی اولاد پر فوقیت دیتے اور آپکو اپنے پہلو میں سلاتے تھے. رسالتمآبؐ سے فرمایا کرتے تھے کہ "بیٹا تمہارا چہرہ بابرکت ہے" یہودیوں کی دشمنی اور قریش کی عداوت کے باعث آپؐ کی پوری طرح نگرانی کرتے تھے اور انکی زوجہ فاطمہ بنتِ اسد رسالتمآبؐ کی پرورش ماں کی طرح کرتی تھیں. جناب ابوطالب کے جو بھی واقعات سیرۃ وتاریخ کی کتب میں پائے جاتے ہیں وہ بلاواسطہ رسالتمآبؐ کی حیات طیبہ سے منسلک ہیں لہٰذا ہم بھی ان واقعات کو آنحضرتؐ کے باب میں ان کے مقام پر تحریر کریں گے البتہ چند ایک واقعات کو یہاں مختصرا بیان کررہے ہیں.

ابوطالب کا پیشہ : جناب ابوطالب کا پیشہ بھی تجارت تھا جس کی بابت جسٹس امیر علی نے بیان کیا ہے کہ :

> "Abu Talib, like his father and grandfather, carried on a considerable trade with Syria and Yemen. He transported to Damascus, to Basra, and other places in Syria the dates of Hijaz and Hijr and the perfumes of Yemen, and in return brought back with him the products of the Byzantine empire."
>
> (Sprit of Islam P.# 11)

ترجمہ : ابوطالب بھی اپنے آباء واجداد کی طرح مالِ تجارت لیکر شام

> اور یمن جاتے تھے. وہ حجاز و ہجر کی کھجوریں اور یمن کی خوشبویات فروخت کیلئے دمشق بصرہ اور شام کے دیگر مقامات میں لیجاتے تھے. اور واپسی پر وہاں سے بازنتینی مصنوعات اپنے ہمراہ لاتے تھے.

تاریخ کے مطالع سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب شام کے تجارتی سفر پر آنحضرتؐ کو ساتھ لیکر روانہ ہوئے تو راستہ میں بحیرہ راہب کا واقعہ پیش آیا. بحیرہ کی نشاندہی پر ابو طالب نے اپنا سفر موقوف کیا اور فوراً آنحضرتؐ کو لیکر واپس مکہ آگئے. اسکے بعد سے پیغمبر اسلام کی حفاظت و نگہداشت میں ایسے منہمک ہوئے کہ سب کچھ بھلا بیٹھے. تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ بحیرہ کے واقعہ کے بعد آپ کسی قافلہ کے ساتھ سامانِ تجارت لیکر گئے ہوں. جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آپکی آمدنی کم سے کم تر ہوتی گئی اور نوبت یہانتک پہنچی کہ حاجیوں کی سقایت کے انتظام کیلئے بھی خاطر خواہ رقم نہ رہی. چنانچہ اپنے بھائی عباس سے دس ہزار درہم قرض لیکر اس آبائی فریضہ کو انجام دیا. آئندہ سال پھر یہی صورتحال پیش آئی لہذا ایکبار پھر عباس بن عبد المطلب سے چودہ ہزار درہم کے طلبگار ہوئے. عباس نے یہ رقم اس شرط پر دی کہ اگر قرض کی کل رقم سال کے اندر ادا نہ کی تو سقایت عباس کے حوالہ کریں گے. چنانچہ ایسا ہی ہوا.[1] اس طرح سقایت ابو طالب سے عباس کو منتقل ہو گئی. اور ابو طالب مفلسی کی زندگی بسر کرنے لگے مگر بھتیجے کی رفاقت و حمایت میں فرق نہیں آنے دیا.

دعائے استقاء:- جناب ابو طالب کے ساتھ بھی دعائے استقاء کا ایک واقعہ بالکل اسی طرح پیش آیا جسطرح جناب عبد المطلب کے زمانہ میں ہوا تھا. اسکی بابت ابن عساکر کے حوالہ سے زرقانی نے جھلمہ ابن عرفطہ کا بیان نقل کیا ہے کہ :

> "قریش سخت مصیبت قحط سے پریشان تھے. ان میں سے ایک نے صلاح دی کہ لات و عزیٰ سے مدد لیجائے. دوسرے نے کہا منات سے جو ثالثہ اخریٰ ہے چارہ جوئی کیجائے. ان میں سے ایک معزز و ذی وجاہت اور

[1] شرح النہج ص: ۶۱ ج: ۳' سیرۃ الحلبیہ ص: ۱۸۷ ج: ۱ حوالہ ابو طالب مومن قریش ص: ۱۰۹.

> صاحب الرائے بزرگ بول اٹھے کہ مجھے اس امر کا کامل یقین ہے ابھی تم لوگوں میں ایک ایسا بزرگ قوم موجود ہے جو سلسلہ ابراہیمی کا بقیہ اور نسل اسمٰعیل کا خلاصہ ہے اس کی طرف کیوں نہ رجوع کیا جائے. سب نے کہا تمہارا اشارہ ابو طالب کی طرف ہے؟ اس نے جواب دیا. ہاں انھیں کی طرف ہے. جھلمہ کا بیان ہے کہ یہ سن کر سب کے سب کھڑے ہو گئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا. ہم سب ملکر ابو طالب کے مکان پر پہنچے. دروازہ کھٹکھٹایا. ابو طالب آئے. سب لوگوں نے عرض کی. اے ابو طالب ہر طرف سے قحط عظیم آگیا اور اہل و عیال کی بربادی کا وقت پہنچ گیا. سبکو سیراب کیجئے. یہ سنتے ہی ابو طالب باہر نکلے آپکے ساتھ ایک کمسن بچہ تھا. اور وہ نبیؐ تھے. ان کا چہرہ مبارک آفتاب کی طرح روشن تھا. ابو طالب نے اس صاحبزادے کو انگلی پکڑائے دیگر لڑکے اس بچہ کو گھیرے ہوئے خانہ کعبہ میں آئے اور رکن کعبہ سے پیٹ لگا کر بیٹھ گئے. اس بچہ کی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کر دیا اور طلب باراں کی دعا کی. ابر آسمان پر نمودار ہوئے اور کچھ ہی دیر بعد پانی برسا اور خوب برسا. تمام صحرا و بیاباں سرسبز و شاداب ہو گئے."
>
> (شرح مواہب الدنیہ ص: ۲۲۹ ج: احوالہ اسوۃ الرسول ص: ۳۹ ج: ۲)

حمایت حق:- ابن ہشام نے ابن اسحاق کا بیان کردہ ایک واقعہ اسطرح تحریر کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو رسول اللہؐ اپنی قوم سے چھپ کر مکہ کی گھاٹیوں کی جانب نکل جاتے. حضرت علیؑ بھی آپ کے ہمراہ ہوتے. وہاں دونوں نمازیں پڑھا کرتے تھے جب شام ہوتی تو لوٹ آتے اور اللہ تعالیٰ نے جتنے دنوں تک چاہا یہ دونوں اسی حالت میں رہے. ایک روز دونوں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو طالب نے دیکھ لیا. انہوں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا. "اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ کونسا دین ہے جسے تم نے اختیار کیا ہے." آنحضرتؐ نے جواب دیا' چچا جان!

یہ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اسکے رسولوں اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے اللہ نے مجھے اس دین کا رسول بنا کر لوگوں کی جانب بھیجا ہے. چچا جان! جن جن لوگوں کی خیر خواہی میں نے کی ہے اور جنہیں سیدھی راہ کی جانب دعوت دی ہے ان سب میں آپ زیادہ حقدار ہیں اور اس دعوت پر مجھے قبول کرنے اور میری امداد کے بھی آپ ہی زیادہ حقدار ہیں." جناب ابو طالب نے جواب دیا "اے میرے بھائی کے بیٹے! آباؤ اجداد کے دین اور اس طریقہ کو جس پر وہ تھے. میں چھوڑ نہیں سکتا لیکن اللہ کی قسم جب تک میں ہوں تم پر کوئی بات نہ آئے گی جسے تم ناپسند کرو" ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ابو طالب نے علیؑ سے کہا. "اے میرے پیارے بیٹے! یہ کونسا دین ہے جس پر تم ہو؟" "انہوں نے کہا بابا جان! میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لایا ہوں اور جو چیزیں رسول اللہؐ نے پیش کی ہیں. میں نے ان میں آپؐ کو سچا جانا ہے. میں نے اللہ کیلئے آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپکی پیروی کی ہے." ابو طالب نے حضرت علیؑ سے کہا. "انہوں نے تمہیں بہتری ہی کی جانب دعوت دی ہے. اس پر جمے رہو."[1] سیرۃ النبویہ' اصابہ' الغدیر اور شرح النہج وغیرہ کے حوالوں سے علامہ عبد اللہ الخنیزی نے ایک روایت یوں بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ ابو طالب کی نظر رسولؐ کی نماز پر پڑ گئی. دیکھا کہ آپؐ کے داہنی طرف علی ہیں اور بائیں طرف خالی ہے. فوراً جعفر کو آواز دی اور کہا بیٹا جاؤ بائیں طرف کھڑے ہو جاؤ. اسکے بعد اپنے دونوں فرزندوں کی مدح میں ارشاد فرمایا:

> ترجمہ "علیؑ و جعفرؑ مصائب زمانہ اور شدائد روزگار میں میرے معتمد علیہ ہیں. میرے بیٹو اپنے بھائی کی کمک کرو یہ میرے حقیقی بھائی کا فرزند اور اسکی یادگار ہے. خدا کی قسم نہ میں اسے چھوڑ سکتا ہوں اور نہ میری اولاد میں سے کوئی شریف اسکا ساتھ چھوڑے گا." (ابو طالب مومن قریش ص: ۱۳۹)

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۷۱ ج: ۱

بھتیجے کی تلاش:- جیسے جیسے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی عظمت و شوکت میں اضافہ ہوا ویسے ویسے قریشِ مکہ کی دشمنی و عداوت کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا گیا. نوبت یہاں تک پہونچی کہ جناب ابو طالب ہر وقت قریش مکہ کی جانب سے ایک نئے خطرہ کا اندیشہ محسوس کرنے لگے اور ہر آن بھتیجے کی حفاظت و نگرانی پر خصوصی توجہ دینے لگے. اتفاقاً ایک روز آنحضرتؐ جناب ابو طالب کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تلاش کروایا کہیں پتہ نہ چلا. ابو طالب پریشان ہو گئے طرح طرح کے خیالات ذہن میں گردش کرنے لگے کیونکہ جناب ابو طالب کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قریش مکہ انکے بھتیجے کو دھوکے سے قتل کرنیکی منصوبہ بندی کر چکے ہیں. اس تشویشناک صورتحال میں جناب ابو طالب نے جوانان بنی ہاشم کو جمع کیا اور آنحضرتؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے روانگی سے قبل انہوں نے اپنے تمام ہمراہیوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے کپڑوں میں اسلحہ چھپا کر رکھیں اور اس انداز سے پھیل جائیں کہ اگر محمدؐ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو تو اشارہ پاتے ہی سرداران قریش کا کام تمام کر دیں تاکہ محمدؐ کا خون رائیگاں نہ جائے. تلاش شروع ہوئی لوگ ہر طرف پھیل گئے. ایک مقام پر رسالتمآبؐ کو صحیح سلامت موجود پایا. ابو طالب نے آپؐ کو گلے لگایا. اپنے ہمراہ لیا اور قریش کو مخاطب کر کے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا. قریش نے جب ان مسلح بنی ہاشم کو دیکھا تو انکی ہوائیاں اڑ گئیں. چلتے ہوئے جناب ابو طالب نے اعلان کیا کہ ' اگر آج تم نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہتا.[1]

ابو طالب اور ابن زبعری:- ایک مرتبہ رسالتمآبؐ نماز میں مشغول تھے. قریش کے بد قماش لوگوں نے آپ کا اور آپ کی عبادت کا مذاق اڑانے کی تدبیر سوچی اور ابن زبعری کو اس کی تکمیل پر معمور کیا. جب حبیب خداؐ سجدے میں

[1] الحجر ص: ۹۱' ابو طالب مومنِ قریش ص: ۱۵۲

گئے تو اس ملعون نے غلاظت آپؐ کے سر اطہر پر ڈالدی. آنحضرتؐ کے قلب مبارک پر اس اذیت کا بے حد اثر ہوا. آپؐ مضطرب دل اور ڈبڈبائی آنکھوں سے چچا کے پاس پہنچے. جناب ابو طالب نے آپؐ کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ اٹھے. تلوار سنبھالی' بھتیجے کا ہاتھ پکڑا اور غصہ کے عالم میں گھر سے نکلے. قریش کے مجمع میں پہنچ کر آپؐ سے دریافت کیا. "بیٹا! یہ کس کی حرکت تھی" آنحضرتؐ نے ابن زبعری کیطرف اشارہ کیا. جناب ابو طالب نے پہلے تو اسکی ناک کو زخمی کیا اور پھر غلاظت منگوا کر وہاں موجود بد قماش قریش کے چہروں پر مل دی اور فرمایا.

"اچھا اے قریش والو! اب اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو اٹھو' میں بھی موجود ہوں اور تم تو مجھے پہچانتے ہی ہو. (الغدیر ص: ۳۵۹ ج: ۷)

<u>نجاشی کو ترغیب</u>:- مشرکین قریش کی سختیوں سے تنگ آکر مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت جعفر بن ابیطالب کی سربراہی میں حبشہ ہجرت کر گئی تو قریشِ مکہ بڑے چراغ پا ہوئے. وہ کسطرح برداشت کر سکتے تھے کہ دین اسلام کے پیروکار کسی جگہ بھی امن وسکون سے زندگی بسر کریں. لہٰذا انھوں نے اپنے مکار ترین لوگوں میں سے عمرو بن عاص بن وائل اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو منتخب کر کے نجاشی اور اسکے وزراء کیلئے تحائف دیکر حبشہ روانہ کیا تاکہ وہ اپنی مکاری وعیاری سے مسلمانوں کو وہاں سے نکلوا دیں. جناب ابو طالب کو جب قریش کی اس مکاری کا علم ہوا تو آپ نے نجاشی کو پڑوسیوں سے اچھے سلوک اور انکی حفاظت پر آمادہ کرنے کیلئے مندرجہ ذیل اشعار ارسال کئے.

اَلاَ لَیتَ شَعری کَیفَ فِی النَّأی جَعفَرٌ   وَعَمرَ وَاعداُءِ العَدُوِ الاَقَارِبُ

اے کاش مجھے کوئی خبر ملتی کہ جعفر اور عمرو دوری میں کیسے ہیں. اکثر سخت ترین دشمن وہ ہوتے ہیں جن سے قریب کا خونی رشتہ ہوتا ہے.

فَهَل نَالَ اَفعَالُ النَجَاشیُّ جَعفَراً   وَاَصحَابه اُوعَاقَ ذَالِكَ شَاغِبُ

کیا نجاشی کے حسن سلوک نے جعفر اور انکے ساتھیو کو اپنا مطلوب سمجھ کر حاصل کرلیا یا کسی شرانگیز نے اس میں کوئی رکاوٹ ڈالدی؟

تَعَلَّم اَبیَتُ اللَّعنَ اَنَّكَ مَاجِدٌ   کَرِیمٌ فَلاَیَشقُی لَدَیكَ المُجَانِبُ

اللہ تعالیٰ آپ کو (نجاشی کو) بدنامی سے بچائے. یاد رہے کہ آپ کی ہستی عزت و شرف والی ہستی ہے آپ کے سائے میں پناہ لینے والے کو محرومی نہ نصیب ہونی چاہیے.

تَعَلَّم بِاَنَّ اللهَ زَادَكَ بَسطَةً   وَاَسبَابَ خَیرٍ کُلُّهَا بِكَ لاَزِبُ

آپ کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی فضیلت دی ہے اور بہتری کے تمام ذریعے آپ کو حاصل ہیں.

وَاَنَّكَ فَیضٌ ذُوسِجَالٍ غَزِیرَةٍ   یَنَالُ الاَعَادِی نَفعَهَاوَ الاَقَارِبُ

اور یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کی ذات لبریز کناروں والا دریا ہے جس سے دشمن و دوست دونوں فیض پاتے ہیں. سیرۃ ابن ہشام ص: ۳۲۲ ج: ۱

<u>مقاطعہ</u>:- مشرکین مکہ اپنی تمام تر شعلہ سامانیوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود جناب ابو طالب کو راہ سے نہ ہٹا سکے تو آخری حربہ کے طور پر ان ابلیس کے چیلوں نے سرد جنگ کا آغاز کیا تاکہ وہ بنی ہشام و بنی مطلب کو کمزور کر کے محمدؐ کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کر سکیں. گو کہ انکی یہ اسکیم کوئی نئی تجویز نہ تھی بلکہ ظلم وستم کی قدیم ترکیب تھی جسے مقاطعہ' ترک موالات یا سوشل بائیکاٹ کہتے ہیں اور ہماری معاشرتی زبان میں حقہ پانی بند کرنا کہا جاتا ہے. بہر حال قریش نے اپنی تجویز کو عملی شکل دینے کیلئے باقاعدہ ایک عہد نامہ مرتب کیا جسکی دفعات یہ تھیں. ۱) بنی ہاشم کے مقابلہ میں تمام قریش متحد رہیں گے. ۲) ان سے صلح نہ کریں گے. ۳) ان سے شادی بیاہ نہ کریں گے. ۴) ان سے خرید وفروخت نہ کریں گے. ۵) ان پر کسی قسم کی رحمدلی نہیں کریں گے. حتیٰ کہ وہ محمدؐ کو قریش کے حوالے نہ کردیں. رائج الوقت دستور کے مطابق دستاویز تیار ہوئی' دستخط کئے گئے' مہریں لگائی گئیں

اور بعد تکمیل اسے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا. تاکہ اس معاہدہ پر سختی سے عملدرآمد ہو اور تمام قبائل قریش شرائط معاہدہ کے پابند رہیں.

اس واقعہ کی بابت بعض مورخین کے بیانات سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کو شعب میں محصور کر دیا تھا. یہ ایک غیر ذمہ دارانہ انداز بیان کا نتیجہ ہے وگرنہ حقیقت میں واقعہ یہ ہے کہ جناب ابو طالب کو جب قریش کے اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کے اس حربہ کو بے اثر بنانے کیلئے تمام نبی ہاشم اور نبی مطلب کو جمع کیا اور انہیں معاہدہ قریش سے پیدا ہونے والی صورتحال سے آگاہ کیا نیز یہ تجویز پیش کی کہ اگر ہم یہاں اپنے گھروں میں رہیں گے تو قریش کا مقابلہ نہ کر سکیں گے لہٰذا ہم سب بمعہ اہل وعیال کچھ دنوں کیلئے شعب میں منتقل ہو جائیں تاکہ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہیں اور انفرادی طور پر قریش کے ظلم وجور کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکیں. جناب ابو طالب کی اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور اس طرح ماسوائے ابو عتبہ (ابولہب) تمام نبی ہاشم و نبی مطلب بمعہ اہل وعیال شعبِ ابیطالب میں منتقل ہو گئے. جہاں انہوں نے زندگی کے بدترین و مشکل ترین تین سال گزارے. شعبِ ابیطالب پہاڑی کا ایک درہ تھا جو خاندان نبی ہاشم کا موروثی اور جناب ابو طالب کی ملکیت تھا.

ویسے بھی قریش کے معاہدہ کی رُو سے نبی ہاشم کا مقاطعہ کیا گیا تھا اس معاہدہ کی کسی بھی شق سے نبی ہاشم کی محصوری کا عندیہ نہیں ملتا اور نہ ہی مشرکین مکہ کی کوئی ایسی تجویز تھی. یہ تو مشرکین مکہ کے مکارانہ حربوں اور ذلت آمیز رویوں سے بچنے کیلئے خود جناب ابو طالب کی اپنی تجویز تھی. جس پر عملدرآمد ہوا اور مشرکین کی شکست وشرمندگی کا باعث بنی. مزید برآں نبی ہاشم کے کسی فرد پر شعب سے باہر آنے کی کوئی پابندی نہیں تھی. واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دوران حضرت حمزہ اور جناب ابو طالب خانہ کعبہ میں آتے رہتے تھے.

<u>فسخ معاہدہ</u>:- چونکہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے نبی ہاشم کی رشتہ داری نہ ہو لہٰذا جب شعب ابیطالب میں نبی ہاشم پر شدائد و مصائب کا غلبہ ہوا' فلاکت وہلاکت نے گھیرا تنگ کرنا شروع کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ درختوں کے پتوں پر گزارہ ہونے لگا تو بچوں کے رونے اور آہ وفغاں کرنے کی صدائیں شعب سے باہر بھی سنی جانے لگیں تو دردمند دل تڑپ اٹھے لہٰذا (۱) ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث العامری جو نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کا اخیافی بھائی تھا نے مقاطعہ کے خلاف کوشش کی اور اسکی حمایت میں (۲) زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی جو عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا' (۳) ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث بن اسد اور (۴) زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد یہ دونوں حضرت خدیجہ کے قریبی رشتہ دار تھے اور (۵) مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف نے صدائے احتجاج بلند کی. ان پانچوں نے باہمی طور پر طے کرنے کے بعد معاہدہ کے خلاف تحریک چلائی' تقریریں کیں اور لوگوں کو شرم دلائی جس سے قریش میں پھوٹ پڑ گئی اور بہت سے لوگ انکے حامی ہو گئے. جب یہ معاہدہ کو چاک کرنے گئے تو اسے دیمک کھا چکی تھی. اس کے بعد یہ لوگ ہتھیار لگا کر شعب ابیطالب پہنچے وہاں سے تمام نبی ہاشم و نبی مطلب کو اپنے ساتھ لائے اور انکے گھروں تک پہنچایا. اسطرح تین سال بعد مقاطعہ کا خاتمہ ہوا.

قدرت کا یہ عجیب نظارہ تھا کہ وہی لوگ جنہوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک بنی ہاشم آنحضرتؐ کو انکے حوالے نہ کردیں اس معاہدہ سے انحراف نہ کریں گے خدا کی شان ہے کہ آج وہی لوگ معاہدہ کو چاک کر کے آنحضرتؐ کو تمام بنی ہاشم و بنی مطلب کے ہمراہ اپنی تلواروں کے سائے میں شعب سے لیکر آرہے ہیں اور بنی ہاشم کو نہایت تزک واحتشام سے انکے گھروں تک پہنچا رہے ہیں جبکہ رؤسائے مشرکین شرم سے منہ چھپائے پھر رہے ہیں. اور منصور بن عکرمہ بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار جس نے یہ معاہدہ لکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ شل کر دیئے.[۱]

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ طبری ص: ۱۰۲، ۱۰۶، ج: ۱؛ سیرت ابن ہشام ص: ۳۸۴ ج: ۱
سیرت النبی ص: ۲۴۵ ج: ۱

اس واقعہ کی بابت جناب ابو طالب نے جواشعار کہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

اَلاَ اَ بلِغَا عَنّی عَلٰی ذَاتِ بَینِنَا   لُؤَیاً دَ خصًا مِن لُؤَیٍ بَنِی کَعْبِ
سن لو ہمارے آپس کے تعلقات کی نسبت بنی لوی کو یہ پیام پہنچادو۔ اور بنی لوی میں سے بھی خاص کر بنی کعب کو یہ سنادو۔

اَلَمَ تَعلَمُوا اَنَّا وَجَدنَا مُحَمَّدًا   نَبِیاً لَمُوسٰی خُطَّ فِی اَوَّل الکُتبِ
کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا نبی پایا ہے کہ موسیٰ کی طرح اگلی کتابوں میں اس کا حال لکھا ہے۔

دَاَنَّ عَلَیہِ فِی العِبَادِ مُحبَّةً   وَ لاَ خَیرَ مِمَّن خَصَّہ اللهُ با لحُبِ
مدوں کا میلان محبت انھیں کی جانب ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے (اپنی) محبت کے لئے خاص کر دیا ہو' اسی سے بھلائی حاصل نہ ہو۔

وَاَنَّ الَّذِی اَنصَقتُم مِن کِتَابکُم   لَکُم کَائِنٌ نَحسًا کَرَاغِیَةِ السَّقبِ
اور تمہارا وہ نوشتہ' جسے تم نے چسپاں کیا ہے۔ وہ تمہارے ہی واسطے منحوس ثابت ہوگا۔ جس طرح (نوح علیہ السلام کی) اونٹنی کے بچے کی آواز۔

اَفِیقُوا اَفِیقُوا قَبلَ اَن یُحفَرَ الثَّرٰی   وَیُصبِحَ مَن لَم یَجنِ ذَنباً کَذِی الذَنبِ
تم مٹی (قبر) کھودی جانے سے پہلے اور جنھوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ وہ گناہ گاروں کی طرح ہو جانے سے پہلے ہوش میں آجائیں اور بیدار ہو جائیں۔

وَلاَ تَتبَعُوا اَمرَالوُشَاةِ وَ تَقطَعُوا   اَوَاصِرَنَا بَعدَ المَوَدَّةِ وَ القُربِ
چغل خوروں کی باتوں کی پیروی کر کے ہماری دوستی اور رشتہ داری کے اسباب دوستی اور رشتہ داری کے بعد قطع نہ کردو

وَتَستَجلِبُوا حَرباً عَوَانًا وَ رُبَّمَا   اَمَرَّ عَلٰی مَن ذَاقَہُ جَلَبُ الحَربِ
یکے بعد دیگرے جنگ کے اسباب نہ پیدا کرو۔ کیونکہ جنگ کی دھمکیوں کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا ہے۔ اکثر اس نے اسے کڑوا ہی محسوس کیا ہے۔

فَلَسنَا وَ رَبِّ البَیتِ نُسلِمُ اَحمَدَا   لِعَزَّاءَ مِن عَضِّ الزَّمَانِ وَلاَ کَربِ
رب البیت کی قسم! ہم وہ لوگ نہیں' جو زمانے کی کسی صبر طلب سختی یا کسی تنگی کے سبب سے احمد (ﷺ) کی مدد سے دست کش ہو جائیں۔

اَلَیسَ اَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ اَزرَہ   وَاَوصٰی بَنِیہِ بِا لطِّعَانِ وبِا لضَّربِ
کیاہاشم ہمارا باپ نہ تھا۔ جس نے اپنی قوت کو مستحکم کیا تھا۔ اور اپنی اولاد کو نیزہ زنی اور شمشیر زنی کی نصیحت کی تھی۔

وَلَسنَا نَمَلُّ الحَربَ حَتّٰی تَمَلَّنَا   وَلاَ نَشتَکِی مَا قَد یَنُوبُ مِنَ النَّکبِ
ہم جنگ سے بیزار ہونے والے نہیں۔ یہاں تک کہ خود جنگ ہم سے بیزار ہو جائے۔ جو آفت بھی آئے۔ ہم اس کے متعلق شکایت کرنے والے نہیں۔

وَلٰکِنَّنَا اَہلُ الحَفَا ئِظِ وَ النُّہٰی   اِذَا طَارَاَروَاحُ الکُمَاةِ مِنَ الرُّعبِ
لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ جب ہتھیار میں چھپے ہوئے بہادروں کی روحیں رعب اور خوف سے اڑی جارہی ہوں۔ اُس وقت بھی ہم قابل حفاظت چیزوں کی حفاظت کے لئے غصے میں بھر جانے والے اور باوجود اس کے عقل سے کام لینے والے ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام ص: ٢٨٢ ج: ١)

<u>صبر و سکوت کے پیکر</u> :- رسالتماب ﷺ کی حمایت و حفاظت کے باعث ہونے والے مقاطعہ کے موقعہ پر تمام بنی ہاشم نے نہایت صبر و سکوت کا مظاہرہ کیا اور مکمل تین سال تک انتہائی مصائب و شدائد کا سامنا کرتے رہے۔ کھانا پینا بند' آمدورفت موقوف اور خرید و فروخت متروک اس ترکِ موالات میں خورد سال بچے' شکستہ پا خواتین اور ضعیف العمر بزرگ سب ہی شامل تھے۔ نوجوانوں کا یہ حال تھا کہ خوراک کی تلاش میں اطراف مکہ میں دور دور تک نکل جاتے اور جو کچھ مل جاتا اس سے بچوں کی بھوک مٹاتے۔ اسکے باوجود ایسا وقت بھی آیا جب دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے کہ انکے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ [1]

آفرین صد آفرین ہے ان مظلومین کے صبر و سکوت پر' انکی جگہ اگر کوئی اور گروہِ انسانی ہوتا جس پر چند دن ہی ایسی مصیبتیں پڑ جاتی تو گھبرا کر یا تو جان دے ڈالتا یا ظالموں کی اطاعت قبول کر لیتا۔ چہ جائے کہ بنی ہاشم پر پورے تین

[1] زاد المعاد ص: ٢٩٩ ج: ١

سال یہ مصیبتیں قائم رہیں مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ آئی۔ اسکی صرف اور صرف یہی وجہ تھی کہ وہ خدا کے سچے رسول حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حمایت و رفاقت پر آمادہ تھے اور قادرِ مطلق کی نصرت و امداد پر توکل کئے ہوئے تھے۔ شکوہ شکایت تو کجا کسی فرد واحد نے منہ سے اُف بھی نہ کی۔

مولانا شبلی نعمانی نے آنحضرتؐ کی حمایت میں جناب ابو طالب کی جانثاریوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کے لئے جو جانثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ کے اوپر جانثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جانثاریاں سب ضائع ہو جائیں گی۔" (سیرۃ النبیؐ : ص ١٨٣' ج-١)

<u>مشہور قصیدہ</u> :- جناب ابو طالب کا ادبی ذوق نہایت اعلیٰ تھا اور وہ اپنے زمانہ کے بہترین شاعر تھے۔ تقریباً ہر اہم واقعہ کی بابت برجستہ اشعار کہے جو عربی ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام 'دیوان ابو طالب' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ویسے سیرۃ ابن ہشام میں آپکے کثیر اشعار موجود ہیں جن سے ہم نے بھی استفادہ کیا ہے۔ جناب ابو طالب کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے جس میں انہوں نے اپنے رتبہ اور اپنے خاندان کے بلند مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ سردارانِ قریش سے اپنے تعلقات' دوستی' دشمنی اور انکے بدلتے ہوئے رویہ کی نشاندہی کی ہے نیز یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ تو دشمنوں کے حوالے کرنے والے ہیں اور نہ ہی کسی بڑی چیز کے عوض انھیں چھوڑنے والے ہیں حتیٰ کہ وہ آپؐ کی حفاظت میں خود بھی ہلاک ہو جائیں۔ ابن ہشام نے اس قصیدے کے چورانوے ٩٤ اشعار تحریر کئے ہیں جن میں سے کچھ ذیل میں مرقوم ہیں :

وَ لَمَّا رَاَیتُ القَومَ لاَ وُدَّ فِیہِم   وَ قَد قَطَعُوا کُلَّ العُرٰی وَالوَسَائِلِ
جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت نہیں رہی اور انھوں نے تمام تعلقوں اور رشتوں کو توڑ دیا ہے۔

وَ قَد صَارَحُونَا بِالعَدَاوَةِ وَالاَذٰی   وَ قَد طَاوَعُوا اَمرَالعَدُوِّ المُزَایِلِ
انھوں نے ہم سے کھلی دشمنی اور ایذا رسانی شروع کی۔ ہم سے الگ ہو جانے والے دشمن کی بات مانی۔

وَ قَد حَالَفُوا قَومًا عَلَینَا اَظِنَّةً   یَعُضُّونَ غَیظًا خَلفَنَا بِالاَنَامِلِ
انھوں نے ہمارے خلاف تہمت زدہ لوگوں سے معاہدے کیے، جو غصے سے انگلیاں چباتے ہیں۔

صَبَرتُ لَهُم نَفسِی بِسَمرَاءَ سَمحَةٍ   وَاَبیَضَ عَضبٍ مِن تُرَاثِ المَقَاوِلِ
تو میں بذاتِ خود ایک لچکیلے نیزے اور شاہان سلف کی وراثت میں ملی ہوئی ایک چمکیلی تلوار لے کر ان کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔

وَ اَحضَرتُ عِندَ البَیتِ رَهطِی وَاِخوَتِی   وَاَمسَکتُ مِن اَثوَابِہ بِالوَصَائِلِ
اور میں نے اپنی جماعت اور اپنے بھائیوں کو بیت اللہ کے پاس بلایا اور اس بیت اللہ کی سرخ دھاریوں والی چادریں پکڑ لیں۔

اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِن کُلِّ طَاعِنٍ   عَلَینَا بِسُوءٍ اَو مُلِحٍّ بِبَاطِلِ
میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔ ہر ایک شخص سے جو ہم پر برائی کے الزامات لگانے والا اور ناحق پر اصرار کرنے والا ہے۔

وَ مِن کَاشِحٍ یَسعٰی لَنَا بِمَعِیبَةٍ   وَمِن مُلحِقٍ فِی الدِّینِ مَا لَم نُحَاوِلِ
اور ایسے کینہ ور شخص سے، جو ہم پر عیب لگانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور ہمیں ایسے دین میں ملا دیتا ہے جس کی جانب ہم نے کبھی قصد نہیں کیا۔

وَ ثَورٍ وَمَن اَرسٰی ثَبِیرًا مَکَانَہٗ   وَرَاقٍ لِیَرقٰی فِی حِرَاءٍ وَنَازِلِ
اور جبل ثور اور اس ذات کی پناہ، جس نے کوہ ثبیر کو اس کی جگہ گاڑ دیا، چڑھنے اور اترنے والے کی پناہ (جو کوہ ثبیر سے اس لیے اترتا ہے، تاکہ کوہ حرا پر چڑھ جائے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)۔

وَبِالبَیتِ حَقِّ البَیتِ مِن بَطنِ مَکَّةٍ   وَبِاللهِ اِنَّ اللهَ لَیسَ بِغَافِلِ
بیت اللہ کی پناہ اور حق بیت اللہ کی پناہ، جو مکہ کی وادی میں واقع ہے اور اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ بے شبہ اللہ غافل نہیں۔

وَبِالْحَجَرِ الْمُسْوَدِّ اِذْ يَمْسَحُوْنَهٗ ۔۔۔ اِذَا اكْتَنَفُوْهُ بِالضُّحٰى وَالْاَصَائِلِ

اور حجر اسود کی پناہ کہ لوگ اسے صبح و شام گھیرے رہتے اور اس پر ہاتھ پھیرتے رہتے ہیں۔

وَمَوْطِئِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الصَّخْرِ رَطْبَةً ۔۔۔ عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

اور ابراہیم کے پاؤں کے نشان والے پتھر کی پناہ، جو ان کے لیے بے نعل ننگے پاؤں کے لیے نرم تھا۔

فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِذٍ ۔۔۔ وَهَلْ مِنْ مُعِيْذٍ يَتَّقِى اللّٰهَ عَاذِلِ

کیا پناہ لینے والے کے لیے ان پناہ گاہوں کے سوا اور بھی کوئی پناہ گاہ ہے؟ اور کیا کوئی عدل وانصاف کرنے والا اللہ سے ڈر کر پناہ دینے والا بھی ہے؟

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نُبْزٰى مُحَمَّدًا ۔۔۔ وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ

بیت اللہ کی قسم، تم نے غلط خیال کیا کہ ہم محمد کے متعلق مغلوب ہو جائیں گے حالانکہ ابھی تک ہم نے ان کے بچاؤ کے لیے نہ نیزہ زنی کی ہے اور نہ ہی تیر اندازی۔

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ ۔۔۔ وَنَذْهَلَ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

تم نے غلط خیال کیا کہ ہم انھیں تمھارے حوالے کر دیں گے۔ ہرگز نہیں، حتّٰی کہ ہم ان کے اطراف میں پچھڑ جائیں گے اور اپنے بیوی بچّوں کو بھول جائیں گے۔

وَيَنْهَضَ قَوْمٌ بِالْحَدِيْدِ اِلَيْكُمْ ۔۔۔ نُهُوْضَ الرَّوَايَا تَحْتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ

تمھارے مقابلے کے لیے ہتھیار بند لوگ ایسے اٹھیں گے جیسے پانی پلانے والی اونٹنیاں آواز کرنے والی پکھالوں کے نیچے سے اٹھیں لے کر اٹھتی ہیں۔

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا اَبَالَكَ سَيِّدًا ۔۔۔ يَحُوْطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

تیرا باپ مر جائے، ایسے سردار کو چھوڑ دینا کیسی (بدترین) بات ہے جو حمایت کے قابل چیزوں کی نگرانی کرتا ہے۔ نہ فسادی ہے اور نہ اپنا کام دوسروں پر چھوڑنے والا ہے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۔۔۔ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

جو ایسے روشن چہرے والا ہے کہ اس کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے یتیموں کی سرپرستی کرنے والا اور بیواؤں کی پناہ۔

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ ۔۔۔ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِىْ رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

بنی ہاشم کے مفلس اس کے ہاں پناہ لیتے ہیں اور وہ اس کے پاس ناز و نعم میں اور اعلیٰ مراتب پر ہیں۔

فَعُتْبَةُ لَا تَسْمَعْ بِنَا قَوْلَ كَاشِحٍ ۔۔۔ حَسُوْدٍ كَذُوْبٍ مُبْغِضٍ ذِىْ دَغَاوِلِ

اے عتبہ! ہمارے متعلق ایسے کپٹ رکھنے والوں کی بات کی جانب توجہ نہ کر جو حاسد، جھوٹے، دشمنی رکھنے والے اور فسادی ہیں۔

وَمَرَّ اَبُوْ سُفْيَانَ عَنِّىْ مُعْرِضًا ۔۔۔ كَمَا مَرَّ قَيْلٌ مِنْ عِظَامِ الْمَقَاوِلِ

اور ابوسفیان میرے پاس سے منہ پھیر کر اس طرح گزر گیا، جس طرح بڑے نوابوں میں سے کوئی نواب۔

يَفِرُّ اِلٰى نَجْدٍ وَبَرْدِ مِيَاهِهٖ ۔۔۔ وَيَزْعُمُ اَنِّىْ لَسْتُ عَنْكُمْ بِغَافِلِ

اونچے مقامات اور سرد پانی کی جگہوں کی جانب بھاگ جاتا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ میں تم سے غافل نہیں۔

وَيُخْبِرُنَا فِعْلَ الْمُنَاصِحِ اَنَّهٗ ۔۔۔ شَفِيْقٌ وَيُخْفِىْ عَارِمَاتِ الدَّوَاخِلِ

اور خیر خواہوں کی طرح ہمیں بتاتا ہے کہ وہ مہربان ہے اور سخت فسادوں کو چھپائے رکھتا ہے۔

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا ۔۔۔ عُقُوْبَةَ شَرٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلِ

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے بنی عبدشمس اور بنی نوفل کو ایسا بدلا دے کہ اس سزا کی برائی فوری ہو، آئندہ کے لیے باقی نہ چھوڑی جائے۔

لَقَدْ سَفُهَتْ اَحْلَامُ قَوْمٍ تَبَدَّلُوْا ۔۔۔ بَنِىْ خَلَفٍ قَيْضًا بِنَا وَالْغَيَاطِلِ

ان لوگوں کی عقلیں ماری گئیں، جنھوں نے ہمارے بجائے بنی خلف اور بنی غیاطل کو اختیار کیا۔

شَبَابٌ مِنَ الْمُطَيَّبِيْنَ وَهَاشِمٌ ۔۔۔ كَبِيْضِ السُّيُوْفِ بَيْنَ اَيْدِى الصَّيَاقِلِ

ہم میں کے وہ نوجوان، جنھوں نے عطر میں ہاتھ ڈال کر معاہدہ کیا اور بنی ہاشم میں کے جوان ایسے ہیں۔ گویا صیقل گروں کے ہاتھ میں چمکتی تلواریں۔

حَدِبْتُ بِنَفْسِىْ دُوْنَهٗ وَحَمَيْتُهٗ ۔۔۔ وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرَا وَالْكَلَاكِلِ

اس کی مدافعت کی خاطر میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی (اپنی پیٹھ کی انتہائی بلندی اور سینے کے بڑے حصے سے اس کی حفاظت کی (اپنے تمام اعضا و جوارح سے)

لَعَمْرِىْ لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِاَحْمَدٍ ۔۔۔ وَاِخْوَتِهٖ دَاْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

اپنی عمر کی قسم! جس طرح دائمی محبت کرنے والوں کی حالت ہوتی ہے، میں بھی احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے بھائیوں کے عشق میں مبتلا کیا گیا ہوں۔

فَاَيَّدَهٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهٖ ۔۔۔ وَاَظْهَرَ دِيْنًا حَقُّهٗ غَيْرُ بَاطِلِ

پس بندوں کے پالنے والی ذات نے اس کی امداد کی اور اپنے سچے دین کو، جو جھوٹا نہیں غلبہ دیا۔

فَلَا زَالَ فِى الدُّنْيَا جَمَالًا لِاَهْلِهَا ۔۔۔ وَزَيْنًا لِمَنْ وَالَاهُ رَبُّ الْمَشَاكِلِ

ایک دوسرے سے مشابہ شکلیں بنانے والا پروردگار، احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے بھائیوں سے تعلقات رکھنے والوں کے لیے جمال و زیبائی ہمیشہ رکھے اور جن لوگوں کی اس نے سرپرستی کی ہے، ان کی زینت کو دوام عطا فرمائے۔

فَمَنْ مِثْلُهٗ فِى النَّاسِ اَىُّ مُؤَمَّلٍ ۔۔۔ اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سا لوگوں میں ہے کون؟ فیصلہ کرنے والوں نے جب فضائل کا مقابلہ کرنے کے لیے اس (کے مرتبے) کا اندازہ کیا تو اس کے لیے ان لوگوں میں جن سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، عجیب قسم کی برتری پائی۔

حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ ۔۔۔ يُوَالِىْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ

وہ بردبار سیدھی راہ پر چلنے والا منصف ہے، جلد باز نہیں، ایسے معبود سے تعلقات رکھنے والا ہے جو اس سے غافل نہیں۔

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اَنْ اَجِىْءَ بِسُبَّةٍ ۔۔۔ تُجَرُّ عَلٰى اَشْيَاخِنَا فِى الْمَحَافِلِ

واللہ اگر میری وجہ سے ہمارے بزرگوں پر مجلسوں میں (میرے اسلام اختیار کرنے کی وجہ سے) گالیاں پڑنے کا خوف نہ ہوتا (گمراہی کا الزام)

لَكُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰى كُلِّ حَالَةٍ ۔۔۔ مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَيْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ

تو ہم اس کی پیروی ضرور کرتے، خواہ زمانے کی حالت کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات میں نے حقیقت کے لحاظ سے کہی ہے، دل لگی یا مذاق کے طور پر نہیں کہی۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ ۔۔۔ لَدَيْنَا وَلَا يُعْنٰى بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

سب لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے لڑکے پر جھوٹ کا الزام لگانے والا ہم میں کوئی نہیں اور جھوٹے الزامات لگانے والوں کی باتوں پر توکوئی توجّہ نہیں کی جاسکتی۔

فَاَصْبَحَ فِيْنَا اَحْمَدُ فِىْ اَرُوْمَةٍ ۔۔۔ تُقَصِّرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

ہم میں احمدؐ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی جڑوں سے ظہور کیا ہے (ایسے ماں باپ سے پیدا ہوا ہے) کہ دست درازی کرنے والوں کی سختیاں اسے ضرر پہنچانے یا اس کا رتبہ اور منزلت حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

(سیرۃ ابن ہشام : ص ۳۰۰-۲۸۸، ج-۱)

__علالت__ :- اسلامی تاریخ میں نبوت کا دسواں سال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی سال افرادِ خاندانِ بنی ہاشم شعب ابی طالب کی تین سالہ سختیاں برداشت کر کے فاتحانہ انداز میں اپنے گھروں کو واپس آئے۔ اسی سال اللہ کے رسولؐ معراج پر تشریف لے گئے۔ اسی سال مسلمانوں پر پنج وقتہ نماز فرض ہوئی۔ اسی سال دائرہ اسلام میں وسعت کا آغاز ہوا۔ یہی وہ سال تھا جس میں محافظِ رسولؐ جناب ابو طالب نے رحلت فرمائی اور اسی سال آپؐ کی شریکۂ حیات صدیقۂ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے داغِ مفارقت دیا۔ کتب سیرۃ و تواریخ میں وفات ابو طالب کی بابت مذکورہ دو روایتوں کی روشنی میں تقریباً ایک جیسے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔ البتہ کسی نے قدرے تفصیل سے لکھا اور کسی نے اختصار سے کام لیا۔ ہم یہاں پر مولانا شبلی نعمانی اور ابن ہشام کے اقتباسات کو پیش کر کے مزید گفتگو کریں گے۔

شبلی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ :

> ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرتؐ انکے پاس تشریف لے گئے۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا "مرتے مرتے لآ اِلٰہ الّا اللہ کہہ لیجئے کہ میں خدا کے یہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں" ابو جہل اور ابن امیہ نے کہا "ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔" بالآخر ابو طالب نے کہا "میں عبد المطلب کے دین پر مرتا ہوں" پھر آنحضرتؐ کی طرف خطاب کر کے کہا "میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔" آپؐ نے فرمایا "میں آپ کیلئے دعائے مغفرت کروں گا۔ جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے۔" یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ جبکہ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے۔ کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ "تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں۔" اس بناء پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ

بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اسلئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں. لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیبؓ ہیں. جو فتح مکہ میں اسلام لائے' اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے. اس بناء پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھاہے کہ 'روایت مرسل ہے' ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں یہ دونوں ثقہ ہیں' لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیاہے اس بناء پر دونوں رواتیوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں. (سیرۃ النبیؐ ص: ۲۴۷ ج:۱)

تضادات میں ڈوبی ہوئی مذکورہ بالا عبارت کو پڑھنے سے ایک بات تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف ذاتی طور پر ایمان ابو طالب کے قائل تھے لیکن بخاری صاحب کے خوف سے اعلان نہیں کر سکے. شبلی صاحب نے متضاد مرویات یعنی بخاری و مسلم کی روایات جو ایمان ابو طالب کے خلاف ہیں اور ابن اسحاق کی روایت جو ایمان ابو طالب کی حمایت میں ہے جمع تو کر دی مگر کوئی فیصلہ کن رائے دینے سے قاصر رہے. مذکورہ ہر دو روایات کو تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو ابن اسحاق کی روایت درست ثابت ہو گی کیونکہ اسکے راوی عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس دونوں ثقہ ہیں جس کا اقرار مصنف نے خود بھی کیاہے. رہ گیا سوال کہ ' بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیاہے' درست نہیں کیونکہ ابن اسحٰق نے دونوں راویوں کے درمیان عن بعض اهله یعنی اپنے گھر والوں میں سے کسی کی زبانی کہہ کر سلسلہ روایت کو مربوط و مسلسل کر دیا. ایسی مثالیں اکثر وبیشتر روایات میں ملتی ہیں حتیٰ کہ ابنِ سعد تو اپنی اسناد کی نقل ' قال بعض اهل العلم' سے شروع کر دیتے ہیں اور یہ روایتیں نقل بھی ہوتی ہیں اور تسلیم بھی کی جاتی ہیں.

اس طرح ابن اسحاق کی روایت اول سے آخر تک متصل، مفصل اور مسلسل ہے. مزید برآں اصول تحقیق کی بناء پر اس واقعہ کی نسبت ابن اسحاق کی روایت

قابل اعتبار ہے. جبکہ بخاری و مسلم کی مرویات پر توجہ نہیں کیجا سکتی [illegible] اسحاق' بخاری و مسلم سے اتنی قدیم ہے کہ انکی تدوین کے وقت علم حدیث کا [illegible] ونشان بھی نہیں تھا. تو بخاری و مسلم کجا.

جہاں تک بخاری و مسلم کی روایت کا سوال ہے تو شبلی صاحب [illegible] کرتے ہوئے تحریر فرما دیاہے کہ بخاری کی روایت چنداں قابل حجت نہیں [illegible] راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات [illegible] نہیں تھے. اب ہم ابن اسحاق کی روایت نقل کرتے ہیں. ابن اسحاق نے کہا

"جب ابو طالب بیمار ہوئے اور انکی بیماری کی خبر قریش کو ہوئی تو ان میں سے بعض نے کہا حمزہؓ اور عمرؓ دونوں نے اسلام اختیار کر لیاہے اور قریش کے تمام قبیلوں میں محمدؐ کی تبلیغ پھیل چکی ہے. ہمیں چاہئے ابو طالب کے پاس جائیں ا[illegible] وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق (کوئی عہد) لیں اور ہم سے (کوئی عہد) لیکر اسے دیں. کیونکہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ یہ لوگ ہماری امارت چھین لیں گے ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عباس بن عبداللہ (بن معبد بن عباس) نے انھوں نے اپنے بعض خاندان والوں سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت بیان کی کہا: لوگ ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی. ان میں عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابو جہل بن ہشام' امیہ بن خلف' ابو سفیان بن حرب اور ان کے علاوہ قوم کے اور بر سرآوردہ افراد بھی تھے. ان لوگوں نے کہا: اے ابو طالب! آپ سے ہمارے جیسے تعلقات ہیں' آپ خود جانتے ہیں' اب آپکے پاس وہ چیز آچکی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں' اور ہمیں آپکے متعلق (مر جانے کا) خوف ہے' آپ کے بھتیجے کے اور ہمارے درمیان جیسے تعلقات ہیں' ان سے بھی آپ واقف ہیں' اس لئے انھیں بلایئے' ان کیلئے ہم سے (عہد) لیجئے اور ہمارے لئے ان سے عہد لیجئے. کہ وہ ہم پر (دست درازی) سے دست کش رہیں اور ہم ان (پر دست درازی) سے دست کش رہیں' ابو طالب نے آپ کو بلوایا. آپ

آئے تو کہا: اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ لوگ تمہاری قوم کے سر برآوردہ ہیں اور تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں کہ کچھ تم سے (عہد) لیں اور کچھ (عہد) تمہیں دیں. راوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اچھا ایک بات کا تم مجھے (قول) دو جس کے عوض تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور اسکے سبب سے عجم بھی تمہاری اطاعت کرنے لگیں گے. راوی نے کہا: ابو جہل بولا! بہت اچھا' تمہارے باپ کی قسم! (ایک نہیں) دس باتوں کا قول لو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '(اقرار کرو کہ) تم اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں کہو گے اور اسکے سوا جسکی (بھی) تم پوجا کرتے ہو اسے چھوڑ دو گے.' راوی نے کہا: وہ تالیاں بجانے لگے' پھر اسکے بعد کہا: اے محمدؐ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ سب معبودوں کو ایک معبود بنا دو؟ تمہاری بات تو عجیب ہے. راوی نے کہا: پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: واللہ ان باتوں میں سے جو تم چاہتے ہو کسی بات پر بھی یہ شخص تمہیں قول دینے والا نہیں' پس چلو اور اپنے بزرگوں کے دین پر چلتے رہو' یہاںتک کہ اللہ تم میں اور اس میں کوئی فیصلہ نہ کر دے. راوی نے کہا: پھر وہ لوگ ادھر ادھر چلے گئے اور ابو طالب نے رسول اللہؐ سے کہا: بھتیجے! واللہ! تم نے ان سے کوئی بعید (از عقل) بات کا سوال نہیں کیا' راوی نے کہا: جب ابو طالب نے یہ بات کہی تو رسول اللہ ﷺ کو خود ان کے متعلق امید پیدا ہو گئی' راوی نے کہا: آپؐ نے فرمایا: چچا جان! تو آپ وہی بات کہہ دیجئے تاکہ اسکے سبب سے قیامت کے روز میری سفارش آپکے لئے جائز ہو جائے." راوی نے کہا: جب انہوں نے اپنے متعلق رسول اللہ ﷺ کی خواہش دیکھی تو کہا: بھتیجے! اگر میرے بعد تم پر اور تمہارے بھائیوں پر طعنہ زنی کا اور قریش کی اس بدگمانی کا خوف نہ ہو تاکہ میں نے یہ الفاظ موت کی سختی پر صبر نہ کر کے کہہ دیئے ہیں تو ضرور کہتا' اور یہ الفاظ بھی تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان سے تمہیں خوش کروں. راوی نے کہا: جب موت ابو طالب

کے قریب ہو گئی تو عباس نے دیکھا کہ ہونٹ ہل رہے تھے. عباس نے کان لگا کر سنا اور کہا: اے میرے بھائی کے بیٹے! واللہ! بلاشبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ کہا' جس کے کہنے کا آپ نے انھیں حکم دیا تھا."

(سیرۃ ابن ہشام ص: ۳۶۵ ج: ۱)

مذکورہ بالا بیان سے بہت حد تک بات واضح ہو جاتی ہے اور واقعہ کے پس منظر کا پتہ چلتاہے کہ یہ واقعہ کسی ایک وقت یا ایک ہی نشست کا نہیں بلکہ جناب ابو طالب کی علالت کے زمانہ میں اکابرینِ قریش اکثر وبیشتر سردار بنی ہاشم کی خیریت دریافت کرنے آیا کرتے تھے. اسی دوران ایک نشست میں قریش نے رسول اللہؐ سے عہد و پیمان کی خواہش ظاہر کی. جب انکی خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ تالیاں بجانے لگے جناب ابو طالب انکی سرشت سے خوب واقف تھے لہٰذا معاملہ کی نزاکت کے پیشِ نظر جناب ابو طالب نے اکابرینِ قریش کو مخاطب کر کے ایک خطبہ کے ذریعہ انکو وصیت فرمائی جو نہ صرف ایک یادگار تقریر تھی بلکہ اس سے جناب ابو طالب کے ایمان و اسلام کا بھی پتہ چلتاہے.

ابو طالب کا خطبہ: اس خطبہ کو جناب فوق بلگرامی نے کتاب اسنیٰ المطالب ص: ۱۷۷ سے امام برزنجی کی اصل عبارت والفاظ میں نقل کیاہے. ہم یہاں صرف اردو ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں:

"اے گروہ قریش تم مخلوقات خدا میں برگزیدہ ہو اور عرب کے دل ہو. سردار قابلِ اتباع اور دلاور فراخ سینہ تم میں سے ہوتے ہیں. تم جانتے ہو کہ عرب کی خوبیوں میں سے کوئی ایسا حصہ نہیں چھوڑا کہ تم نے نہ جمع کر لیا ہو اور کوئی ایسی فضیلت نہیں باقی رہی جو تم کو نہ مل گئی ہو. اسی سبب سے تم لوگوں پر فضیلت رکھتے ہو اور لوگ تمہارا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں. لوگ تمہارے لئے لڑنے والے اور تمہارے لئے آلات حرب ہیں. میں تمہیں اس مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں. کیونکہ اس میں پروردگارِ عالم کی خوشنودی'

روزی کا سہارا اور سامان کی درستی ہے۔ اور صلہ رحم اختیار کرو کیونکہ صلہ رحم میں کشائش ہے۔ اپنی عمر کی زیادتی اور نسل کی کثرت بغاوت اور نافرمانی کو ترک کرو کہ ان دونوں کے سبب تم سے پہلے بہت سے قرن (قومیں) ہلاک ہوچکے (مذہب) حقہ کی دعوت کرنے والے کی سنو۔ اور سائل کی حاجت پوری کرو۔ کیونکہ ان دونوں میں شرفِ حیات و ممات ہے۔ اور تمہیں سچ بولنا اور امانت کا ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ ان دونوں باتوں کے سبب سے خواص سے محبت ہوتی ہے۔ اور عوام میں عزت اور میں محمدؐ کی نسبت سے تم کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ امین قریش ہے۔ اور صدیقِ عرب اور جن باتوں کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے۔ وہ ان تمام اوصاف کے جامع ہے وہ ایسا امر لیکر آیا جسے دل تو قبول کرتا ہے مگر زبان خوف طعن انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم میں گویا عرب کے فقیروں' قرب و جوار کے باشندوں اور کمزور لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اسکی منادی قبول کرلی ہے۔ ان لوگوں نے اسکے کلام کو برحق مان لیا ہے اور اسکے حکم کو بزرگ سمجھ لیا ہے۔ اور وہ ان کو لیکر موت کے بھنور میں کود پڑا ہے اور وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار سب ادنیٰ درجہ کے ہو گئے ہیں۔ ان کے مکان تک برباد ہو گئے ہیں۔ اور وہ جو زبردست تھے زیردست ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو محمدؐ سے بڑھ کر سمجھتے تھے وہ اسکے دوست بن گئے ہیں۔ اور جو اس سے دور تھے قریب آگئے ہیں۔ اعراب بادیہ نے اسکی خالص دوستی اختیار کرلی ہے۔ اور اپنے آپ کو اسکے اختیار میں دیدیا ہے۔ اے گروہ قریش اسکے دوست بن جاؤ۔ اور اسکے گروہ کے حامی بن جاؤ۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو لازم ہے کہ اسکے دوست بن جاؤ۔ اور اسکے گروہ کے حامی ہو جاؤ۔ اور قسم خدا کی کوئی ایسا نہیں جو اسکی راہ چلیں اور نیکی نہ پائے۔ اور ہدیہ قبول کرے اور سعید نہ ہوجائے اور اگر میری زندگی کچھ دیر رکھتی

اور میری عمر کچھ اور ہوتی تو میں ہر قسم کی تکالیف و مصائب و شدائد کو ان سے دور کرتا۔ اور ایک بار قریش سے یہ بھی کہا کہ جب تک تم محمدؐ کی سنتے رہو گے اور اسکے احکام کی پیروی کیے جاؤ گے۔ تمہارے لئے بہتری ہی بہتری رہے گی۔ لہٰذا اسکی اطاعت کرو کہ رشید ہو جاؤ۔ (اسوۃ الرسول ص: ۲۶۴ ج:۲)

جناب ابو طالب کے ایمان و اسلام میں ذرا بھی شک کرنے والے مذکورہ بالا خطبہ اور وصیت کا بغور مطالعہ کر کے اپنے ایمان سے کہیں کہ کیا اس سے بہتر تبلیغ اسلام کا کوئی اور انداز بھی ہو سکتا ہے۔

وصیت :- قریش کے چلے جانے کے بعد آپکے پاس صرف خاندان کے لوگ یعنی نبی ہاشم کے افراد ہی رہ گئے تھے۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے نبی ہاشم محمدؐ کی اطاعت اور انکی تصدیق کرو۔ اس میں فلاح بھی ہے اور عقلمندی بھی! اسکے بعد نبی ہاشم میں سے چار آدمیوں کو منتخب کر کے انہیں آنحضرتؐ کی حمایت و حفاظت کی تلقین کی اور درج ذیل اشعار کہے۔

اوصی بنصر نبی الخیر اربعة   ابنی علیاً و عمرالخیر عباسا

میں نے پیغمبر خیر و برکت کی نصرت کیلئے چار افراد منتخب کئے ان میں میرا بیٹا علی اور عباس

وحمزة الاسد المخشی صوله   وجعفراً ان تذردوا دونه الناسا

شیر بیشہ شجاعت حمزہ اور جعفر کو وصیت کرتا ہوں، ان کا فرض ہے کہ ان کا دفاع کریں۔

کوتوفداء لکم امی وما ولدت   فی نصراحمددون الناس اتراسا

میرے شیرو میں تم پر قربان! تم محمدؐ کیلئے ایک محکم سپر کے مانند بن جاؤ۔

بکل ابیض مصقول عوارضه   تخاله فی سواد اللیل مقیاسا

تمہارے ہاتھ میں ایسی چمکدار تلواریں ہیں جو تاریکئی شب میں مشعلِ راہ معلوم ہوں۔[1]

یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو شخص محمدؐ کے پیغام کو فلاح' رشید خیر اور سعادت قرار دیکر دنیا کو اتباع کی دعوت دے لیکن خود اسکا مخالف ہو۔ اس امر کو عقل تسلیم کرنے سے

[1] ابو طالب مومن قریش ص: ۱۹۰

قاصر ہے کہ ایک انسان کسی کی بات کو عقلمندی' فلاح و خیر مانے لیکن اسکا منکر ہو' دوسروں کو ہدایت پر راغب کرے اور خود گمراہی پر قائم رہے۔ یہ امر حقیقت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے نکاح کا خطبہ جناب ابو طالب نے پڑھا تھا۔ اسکی تفصیل ہم نے آنحضرتؐ کے باب میں تحریر کی ہے۔ یہاں ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں سے جو ابو طالب کے کفر پر مصّر ہیں صرف اتنا دریافت کرنا چاہیں گے کہ کیا کسی مسلمان کا نکاح کوئی کافر پڑھا سکتا ہے؟ اسکا لازمی جواب نفی میں ہو گا تو جب ایک عام مسلمان کا نکاح کوئی کافر نہیں پڑھا سکتا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ رحمت اللعالمین' خاتم النبین کا صیغہ نکاح کوئی کافر پڑھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ پیغمبر خدا کا نکاح پڑھانے والا فرد مرد مومن ہی تھا۔

علامہ برزنجی نے تحریر کیا ہے کہ اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ ابو طالب رسول اکرمؐ کو چاہتے تھے۔ ان کی نصرت و حفاظت چاہتے تھے۔ انکی نصرت و حفاظت کرتے تھے۔ تبلیغ دین میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ خود انکے اقوال کی تصدیق کرتے تھے اور اپنے بیٹے علیؑ و جعفرؑ کو انکے اتباع کا حکم دیا کرتے تھے۔ ان اخبار سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کا سینہ مکمل طور پر نورِ ایمان و عقیدہ توحید سے معمور و منور تھا۔[1]

جناب ابو طالب سے آنحضرتؐ کا لاالہ الا اللہ کہنے پر اصرار کرنے والی بخاری و مسلم کی حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مذکورہ نشستوں کا نہیں بلکہ اس وقت کا ہے جب جناب ابو طالب پر نزاع یا سکراتِ موت کا عالم طاری تھا۔ اسی وجہ سے اس حدیث کو 'حدیث احتضار' کہا جاتا ہے۔ وقت احتضار آنحضرتؐ کا دعوت اسلام پر زور دینا اور دشمنانِ رسول عبداللہ بن امیہ اور ابو جہل بن ہشام کا وہاں پر موجود ہونا کسی طرح بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔

[1] الغدیر ص: ۳۵۸ ج:۷

وفات ابو طالب :- واقعات کے تسلسل سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعب میں قیام کے دوران جن مصائب و شدائد میں جناب ابو طالب نے فرائض منصبی ادا کیے ان سے قوائے جسمانی مضمحل ہو گئے تھے یہی وجہ ہے کہ شعب سے واپسی کے بعد آپ علیل رہنے لگے۔ ابن سعد نے محمد بن عمر الاسلمی کی روایت اسطرح بیان کی ہے۔ "نبوت کے دسویں سال ماہ شوال کا نصف تھا کہ ابو طالب نے انتقال کیا۔ اس وقت کچھ اوپر اسی ۸۰ سال کے تھے۔ انکی وفات کے ایک مہینہ پانچ دن بعد خدیجۃ الکبریٰؑ پینسٹھ ۶۵ برس کی عمر میں انتقال کر گئیں۔"[1]

تجہیز و تکفین :- جب جناب ابو طالب کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو آپکی تجہیز و تکفین کی بابت ابن سعد نے حضرت علیؑ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو ابو طالب کے انتقال کی خبر دی تو آپ رونے لگے اور پھر فرمایا! اذهب دفاعله و کفنه و واره غفرالله له رحمه جاکے انہیں غسل دو' کفن پہناؤ' اللہ تعالیٰ انکی مغفرت کرے اور ان پر رحم فرمائے۔ چنانچہ میں نے یہی کیا' رسول اللہ ﷺ کئی دن تک ابو طالب کیلئے استغفار کرتے رہے اور گھر سے نہ نکلے۔"[2]

حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق جناب ابو طالب کی تجہیز و تکفین کی اور جنازہ تیار ہونے پر آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ رسولِ خداؐ جنازے میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے۔ اسلام کے ناصر اول کا جنازہ مسلمانوں کے کاندھوں پر اٹھا۔ آگے آگے جنازہ اور پیچھے پیچھے اسلام کا پیغمبر یہ قصیدہ پڑھتا ہوا۔ "چچا آپ نے صلہ رحم کیا' خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے مجھے پالا' میری ذمہ داری لی اور بڑا ہونے کے بعد میری نصرت کی اور میرا ہاتھ بٹایا"[3] جنازہ قبر کے قریب پہنچا اللہ کے رسولؐ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے۔ 'خدا کی قسم میں استغفار بھی کروں گا اور شفاعت بھی۔ چچا ایسی شفاعت جس سے جن و انس دونوں متحیر رہ جائیں۔[4]

[1] طبقات ابن سعد ص: ۱۹۱ ج:۱ [2] طبقات ابن سعد ص ۱۸۹ ج:۱ [3] الحدیدی ص: ۳۱۴ ج ۳
[4] مجمع القبور ص: ۲۰۴ ج:۱

ابو طالب کا مرثیہ :- سدی کہتے ہیں کہ وقتِ وفات جناب ابو طالب کی عمر اسی ۸۰ سال سے چند سال اوپر تھی۔
حضرت علیؑ نے آپ کی وفات پر مرثیہ کہا جسکے اشعار یہ ہیں۔

ابا طالب عصمة امستجير   و غيث الحول و نور الظلم
لقد هد فقدك اهل الحفاظ   فصلى عليك ولى النعم
و لقاك ربك رضوانه   فقد كنت للطهر من خير عم

ترجمہ: اے ابو طالب آپ پناہ ڈھونڈھنے والے کی پناہ، قحط زدہ کیلئے ابر باراں تاریکیوں کیلئے روشنی تھے۔ آپ کے مفقود ہونے سے محافظینِ رسول کی کمر ٹوٹ گئی۔ آپ پر نعمتوں کا مالک رحمت کرے اور آپکا رب اپنی رضا آپ کو دے کیونکہ آپ طاہر و مطہر رسول کے بہترین چچا تھے۔

(تذکرہ الخواص: ص: ۳۱)

ابو طالب کی وفات کے بعد :- جب محمدؐ کی حفاظت کرنے والا، مشرکینِ مکہ کے حملوں سے بچانے والا، رسول اکرمؐ کا مربی و سرپرست چچا دنیا سے اٹھ گیا۔ تو کفارانِ قریش کی دلی مرادیں بر آئیں مخالفین ایذا رسانی میں پوری طرح آزاد ہو گئے۔

علی بن ابراہیم حلبی نے تحریر کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بعد وفاتِ ابو طالب قریش کے فاسد ارادوں کو دیکھا تو فرمایا: اے چچا ابو طالب! افسوس آپ ہمیں کس قدر جلد داغ مفارقت دے گئے۔ جب ابو لہب کو اس کی خبر پہنچی تو وہ آپ کی نصرت کیلئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: "اے محمدؐ! جو تم چاہتے ہو کرو اور جو کچھ تم ابو طالب کی زندگی میں کیا کرتے تھے وہ اب بھی شوق سے کرتے رہو۔ قسم ہے لات و عزیٰ کی جب تک میرے دم میں دم باقی ہے کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" اسی بات کو ابن سعد نے عبداللہ بن ثعلبہ بن عصیر سے بیان کیا ہے۔
عبدالعزیٰ کی حمایت کے اعلان سے آنحضرتؐ کو قدرے سکون میسر آیا اور آپؐ نے

خانہ کعبہ میں جانا اور مکہ معظمہ میں گھومنا پھرنا شروع کر دیا مگر یہ سلسلہ کچھ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ اسی دوران ابن الغیطلہ کا واقعہ پیش آیا جسکی بابت ابن سعد نے تحریر کیا ہے کہ!

"ابن غیطلہ☆ نے نبیؐ کو برا بھلا کہا، ابو لہب اسکے پاس آیا اور اسے برا بھلا کہا تو وہ چلاتا ہوا بھاگا کہ اے گروہ قریش ابو عتبہ (ابو لہب) بے دین ہو گیا۔ قریش آگئے اور ابو لہب کے پاس کھڑے ہو گئے، ابو لہب نے کہا: میں نے دینِ عبدالمطلب کو ترک نہیں کیا مگر میں ظلم سے اپنے بھتیجے کی حفاظت کرتا ہوں یہاں تک کہ یہ جس کام کا ارادہ کرتے ہیں اسکے لئے چلے جائیں۔ قریش نے کہا تم نے اچھا کیا، خوب کیا اور صلہ رحم کیا۔"

(طبقات ابن سعد ص: ۲۱۰ ج: ۱)

عبدالعزیٰ نے پیغمبر اسلامؐ کی حمایت و سرپرستی کا اعلان بھی کیا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی مگر جلد ہی دشمنانِ رسول کی چالبازیوں کا شکار ہو گیا۔ چونکہ عبدالعزیٰ جناب ابو طالب کی طرح نہ تو دور اندیش و معاملہ فہم تھا اور نہ ہی اتنا دلیر و ہر دلعزیز کہ اپنے قول پر قائم رہتے ہوئے اپنے بھتیجے کی حفاظت و حمایت مانند ابو طالب کر سکے۔ عبدالعزیٰ کے دست کش ہونے کے بعد کفارانِ قریش کو ایک بار پھر آپؐ کو اذیتیں دینے کا موقع مل گیا۔ اس مرتبہ ایذا رسانی کا سلسلہ نہایت شدید تھا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جناب ابو طالب کی وفات تک اچھی خاصی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ان مسلمانوں میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عمرؓ بن خطاب جیسے جری و بہادر اور صاحبِ رعب و دبدبہ شامل تھے پھر بھی دشمنانِ اسلام نے پیغمبر اسلام کو ایسی اذیتیں دیں جنکا جناب ابو طالب کی حیات میں تصور بھی ممکن نہ تھا اور یہ مسلمان اپنے پیغمبر کی کوئی مدد و حفاظت نہیں کر سکے چار و ناچار آپؐ کو گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔

(☆ اسکا نام حارث بن قیس بن عدی بن سہم تھا اور اسکی ماں کا نام غیطلہ تھا جسکی نسبت سے اسکی کنیت ابن غیطلہ ہوئی)

حدیث احتضار :- جناب ابو طالب کے ایمان کی بابت حدیث احتضار کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اس حدیث کو ہم ایکبار پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مرقومات کی روشنی میں زیر بحث لاتے ہیں۔ ذیل میں بخاری کی روایت کا وہ ترجمہ جو مرزا حیرت دھلوی نے پیش کیا ہے درج ہے:

امام بخاری کہتے ہیں: ہم سے اسحاق نے اُن سے یعقوب بن ابراہیم نے، اُن سے ابی نے، اُن سے صالح نے، اُن سے ابن شہاب زہری نے، اُن سے سعد ابن مُسیّب نے اور اُن سے اُنکے والد مُسیّب نے بیان کیا کہ جب ابو طالب کی وفات قریب ہوئی تو رسول خدا ﷺ اُنکے پاس تشریف لائے۔ پس آپ نے اُنکے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ کو پایا۔ رسولؐ نے ابو طالب سے فرمایا! "اے چچا لا الٰہ الا اللہ کہدو میں تمہارے لئے اللہ کے ہاں اسکی گواہی دونگا۔" ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے طریق سے پھرے جاتے ہو۔ پھر رسول خداؐ متواتر کلمہ شریف پر ان کو دعوت دیتے رہے اور وہ دونوں وہی بات کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو طالب نے سب سے آخری گفتگو جو ان سے کی اس میں کہا کہ وہ عبدالمطلب کے طریقہ پر ہیں اور انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر وہ مر گئے) تو رسول خداؐ نے فرمایا کہ: ہاں میں تمہارے لئے استغفار کروں گا جب تک کہ مجھے اس سے ممانعت نہ کیجائے۔ (چنانچہ آپ استغفار کرنے لگے) جس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (سورہ توبہ آیت ۱۱۳) یعنی نبی اور مسلمانوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں۔

(صحیح بخاری ص: ۳۰۳ ج: ۱، پارہ پانچ حدیث ۱۲۵۹)

بالکل یہی روایت مزید دو مرتبہ صحیح بخاری جلد ۲، ص: ۲۶۸ پارہ ۱۵ حدیث ۱۰۵۹ اور جلد ۲، ص: ۴۹۱ پارہ ۱۹ حدیث ۱۷۷۷ میں بیان کی گئی ہیں۔

اسی واقعہ کو امام مسلم نے اس سند کے تحت بیان کیا ہے۔ امام مسلم سے حرملہ بن یحییٰ نے اُن سے عبداللہ بن وھب نے، اُن سے یونس نے، اُن سے ابن شہاب زہری نے، اُن سے سعد ابن میتب نے اور اُن سے میتب نے کہا۔[1] مذکورہ احادیث میں یہ قدرِ مشترک ہے کہ ان سب میں آخری راوی سعید ابن میتب تابعی کے والد میتب ہیں جو صحابی رسول ہیں لیکن بقول امام عبدالبر یہ میتب بیعت رضوان کے موقع پر ۶ ہجری میں مسلمان ہوئے۔[2] اور بقول ابن حجر عسقلانی انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا۔[3] اس دوسرے قول کو علماء نے درست قرار دیا ہے۔ مورخین کے متفقہ قول کے مطابق جناب ابو طالب کا انتقال ۱۰ نبوی یعنی ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔ گویا میتب کے مشرف بہ اسلام ہونے سے قریب دس سال پہلے جناب ابو طالب کی وفات ہو چکی تھی۔ میتب کی بیان کردہ کسی بھی حدیث سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ جناب ابو طالب کی وفات کے وقت وہ خود وہاں پر موجود تھے اور نہ ہی انہوں نے کسی عینی شاہد کا نام بتایا جس سے انہوں نے یہ واقعہ سنا ہو۔ ایسی صورت میں علماء نے میتب کی بیان کردہ احادیث کو مرسل قرار دیا ہے جیسا کہ سیرۃ النبیؐ کے اقتباس سے بھی ظاہر ہے۔ لہٰذا جناب ابو طالب کا حالتِ شرک میں وفات پانا ثابت نہیں ہوتا۔

مزید برآں محدثین کی بتلائی ہوئی علامات وضع حدیث کی روشنی میں اگر ہم ان احادیث کو روایت کی کسوٹی پر جانچیں تو یہ احادیث صاف طور پر موضوع قرار پاتی ہیں۔ وضع حدیث کی علامت کو ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے عجالہ نافعہ میں اور شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم ملا علی قاری کی بیان کردہ دو علامات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں:-

۱) ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ "حدیث کے موضوع ہونے کی علامات میں سے ایک علامت

[1] صحیح مسلم ص: ۳۱ ج: ۱ طبع مصر، [2] استیعاب ص: ۲۶۹ ج: ۱ [3] اصابہ ص: ۴۰۲ ج: ۳

یہ بھی ہے کہ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ حدیث باطل ہے۔" [1] قرآن پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ توبہ کا نزول ۹ھ ہجری میں غزوہ تبوک میں اور تبوک سے واپس ہوتے ہوئے ہوا۔ اور جناب ابو طالب کا انتقال ہجرت سے تین سال قبل ہوا پس معلوم ہوا کہ آیہ کریمہ مَاكَانَ لِلنَّبِي جو سورۃ توبہ یا سورۃ برات کی آیت ہے جناب ابو طالب کی وفات سے تقریباً بارہ سال بعد نازل ہوئی لہٰذا اس آیت کا وفات ابو طالب کے مزعومہ واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اسلئے حدیث احتضار قطعی طور پر موضوع ہے۔ امام واحدی نے بھی اپنی تفسیر میں اس دلیل کو پیش کیا ہے۔ [2]

۲) ملا علی قاری لکھتے ہیں: "حدیث کے موضوع ہونے کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ حدیث قرآن کے صریح خلاف ہو۔" [3] زیر بحث حدیث کے متن سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ جناب ابو طالب کو دعوت دین دینے ایسے وقت تشریف لے گئے جب اُن پر سکرات کا عالم طاری تھا اور آپؐ اس یقین کیساتھ دعوت دینے لگے کہ قبول دعوت کی صورت میں وہ ان کو نفع پہچائے گی۔ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضور اکرمؐ کا یہ فعل اور یقین 'قرآن اور سنت الہٰیہ کے خلاف قرار پاتا ہے اور سنت الہٰیہ کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ لہٰذا سورۃ یونس کی آیت ۹۱-۹۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان رکھتے ہیں' میں بھی اُس پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبردار بندوں میں سے ہوں۔ (آواز آئی کہ) اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے زندگی بھر نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں شامل رہا۔" سورۃ مومن کی آیت ۸۵-۸۴ میں ارشاد ہے کہ " اُمم ماسبق کے لوگوں نے جب ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم یکتا خدا پر ایمان لائے اور جن کو ہم اس کا شریک گردانتے تھے۔ اب ہم ان کو نہیں مانتے۔ تو جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھ لیا تو اب اُن کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہو سکتا یہ خدا کی سنت ہے جو اپنے بندوں کے بارے میں

[1] موضوعات کبیر اردو ترجمہ ص: ۵۴۷ [2] تفسیر کبیر للرازی ص: ۵۱۱ ج: ۴' [3] موضوعات کبیر ص: ۵۲۵'

سدا سے چلی آتی ہے اور کافر لوگ اس وقت خسارہ میں رہے۔" ان قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان قریب المرگ ہو تو اس وقت ایمان لانا نفع بخش نہیں۔ چنانچہ ان آیات کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ "قبض روح اور معاینہ عذاب کے وقت ایمان لانا 'ایمان غرغرہ' یا' ایمان بائس' یا ' ایمان یاس' کہلاتا ہے: جو اہلسنت و الجماعت کے نزدیک نافع نہیں۔" [1]

اسکے علاوہ خود آنحضرتؐ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔
ان الله تعالیٰ يقبل توبة العبدمالمه يغرغر یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اس کا گھونگرو بولنا شروع نہ ہوا ہو اور اس پر سکرات موت طاری نہ ہوئی ہو۔ [2]

تصریحات مندرجہ بالا کی موجودگی میں یہ قطعی ناممکن ہے کہ آنحضرتؐ جناب ابو طالب کی قبض روح کے وقت دعوتِ دین دیں۔ اور فرمائیں کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو وہ انھیں فائدہ دیگا۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث احتضار موضوع ہے۔

<u>حدیث ضحضاح</u>:- اس حدیث کو مسلم اور بخاری نے راویوں کے تقریباً نو (۹) مختلف سلسلوں کے تحت بیان کیا ہے۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ عباس بن عبد المطلب نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے چچا (ابو طالب) کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا جبکہ وہ آپکی حفاظت کرتے تھے اور آپ کیلئے آپ کے دشمنوں سے برسرِ پرخاش رہے تھے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنے تک ہیں مگر اسکا دائرہ بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔ عباس بن عبد المطلب کے دریافت کرنے پر کہ 'یا رسول اللہؐ کیا آپ کی حمایت ابو طالب کے کچھ کام آئی' آنحضرتؐ کے جواب کو راویوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

۱)۔ ہاں اس وقت وہ ضحضاح میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو درک اسفل میں ہوتے۔

[1] تفسیر علامہ شبیر احمد عثانی برحاشیہ قرآن مترجم محمود الحسن [2] تفسیر کبیر ص: ۹۰ ج: ۴

۲)۔ ہاں وہ بڑی شدت میں تھے۔ اب ضحضاح میں رکھ دیئے گئے ہیں۔
۳)۔ شاید قیامت کے دن میری شفاعت کام آجائے اور انکو ضحضاح میں رکھا جائے اسطرح کہ آگ پیروں تک ہو اور دماغ کا گودا پک رہا ہو۔
۴)۔ سب سے مختصر عذاب جہنم میں ابو طالب پر ہے۔ آگ کی دو جوتیاں پہنے ہیں اور بھیجا پک رہا ہے۔

ان تمام روایتوں کے آخری راوی ابن عباس اور عباس ہیں۔ سلسلہ کے بقیہ راویوں میں چند ایک مشترک ہیں۔ ان روایات کی صحت و جانچ کیلئے علامہ عبداللہ الخنیزی نے انکے رجال کا تفصیلی جائزہ لیکر سلسلہ روایت کے مجہول' کاذب' ضعیف اور جعلساز راویوں کی نشاندہی کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حدیث ضحضاح قرآن کریم کی ان آیات کیخلاف ہے جن میں واضح طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (۱) کافروں پر رحمت الٰہی نہیں ہو سکتی۔ (۲) ان (کافروں) کے عذاب میں تخفیف ممکن نہیں۔ (۳) ان (کافروں) کیلئے شفاعت کی امید نہیں کی جاسکتی۔ یہ حدیث ان تمام احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں صاف طور پر مذکور ہے کہ: (۱) کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (۲) انکے عذاب میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔ (۳) یہ لوگ شفاعت سے خارج ہیں۔

مزید برآں یہ حدیث' حدیث احتضار سے بھی متصادم ہے جبکہ ان دونوں احادیث کے بعض راوی مشترک ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا حقِ شفاعت صرف اہلِ اسلام کیلئے مخصوص ہے یعنی پیغمبر کافر کی شفاعت نہیں کر سکتا۔ ان روایات میں کافر کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر خداؐ صرف مسلمان با ایمان ہی کی شفاعت فرمائیں گے اور آپؐ جس کی شفاعت فرمائیں گے وہ کسی طور بھی جہنم میں نہیں جاسکتا وہ داخلِ جنت ہوگا اور جنتی مومن ہوگا۔

حدیثِ ضحضاح سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا ابو طالب کی شفاعت فرمائی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شفاعت کلمہ پڑھنے کے بعد کی ہے یا پہلے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شفاعت کلمہ پڑھنے کے بعد فرمائی ہے تو جناب ابو طالب کو

جنت میں ہونا چاہیئے دوزخ کے حصہ ضحضاح میں کیوں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ شفاعت کلمہ پڑھنے سے پہلے کی گئی تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے مشرک و کافر کی شفاعت فرمائی جو ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے رسولؐ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو ہی نہیں سکتا جو احکامِ خداوندی کے خلاف ہو۔ مشرک و کافر کی شفاعت یا ہمدردی کرنا آیات قرآنی کے خلاف ہے۔ پس ایسی روایات جو آیات قرآنی سے متصادم ہوں انکی جگہ دیوار ہے خواہ انکے راوی کتنے ہی ثقہ اور معتبر کیوں نہ ہوں۔

بہ فرض محال تھوڑی دیر کیلئے ہم ان روایات پر اعتبار کر بھی لیں تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ جنابِ ابو طالب نے کن الفاظ میں ایمان لانے سے انکار کیا۔ بخاری و مسلم نے ابو طالب کے اس بیان کو کہ 'میں عبد المطلب کے دین پر مرتا ہوں' ایمان قبول کرنے سے انکار سمجھ لیا اور جناب عبدالمطلب کے کافر مرنے کو تسلیم کر لیا۔ جبکہ جمہور علماء و محدثین انکے ایمان کے معترف ہیں جسکی تفصیل ہم عبد المطلب کے باب میں تحریر کر چکے ہیں۔

شرح زرقانی میں حضرت عبد المطلب کے باایمان قضاء کرنیکی بابت بڑی طویل بحث کی گئی ہے جو تقریباً سات سو بتیس ۷۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور نتیجہ میں جناب عبد المطلب کو تمام عمر دین حنیف پر ثابت قدم اور مسلک توحید پر قائم بتلایا ہے اور اسی مسلک میں انہوں نے رحلت فرمائی۔ لہٰذا جناب ابو طالب کا انتقال کے وقت یہ اقرار کرنا کہ "میں عبد المطلب کے دین پر مرتا ہوں" کسی طرح بھی انکے کافر ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

<u>ایمانِ ابو طالب</u>:- ایمان کے لغوی معنیٰ تصدیق کرنے کے ہیں جسکا اطلاق مسلم و کافر دونوں پر ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس لفظ میں مذہبی عنصر غالب ہے اسلئے اصطلاح میں اس سے مراد صدقِ دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے اسطرح یہ لفظ کفر کی ضد قرار پاتا ہے۔ ایمان لانے والے پر فرض ہے کہ وہ اُن تمام امور کا پابند ہو جو اس تصدیق و اقرار کا لازمی نتیجہ ہیں۔ دلوں کا حال

تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر عام طور سے کسی شخص کے اسلام و ایمان کا اندازہ اسکے اقوال و افعال سے ہی کیا جاتا ہے.

جناب ابو طالب کے اشعار و اقوال سے وحدانیت کا اعتراف' لا محدود عطایا کا اقرار' روز معاد کے اعادہ کا تذکرہ' روح زمین کی ملکیت اور تمام اہل آسمان کی بندگی کے اعلان سے آپکے عقیدۂ توحید کا مکمل مفہوم ادا ہوتا ہے. جناب ابو طالب کے اشعار صرف شاعری نہیں بلکہ دل کی وہ آواز ہے جسکے ساتھ اعضاء و جوارح کا عمل شریک کار رہا ہے' روح کی وہ صدا ہے جس پر جہاد مسلسل نے لبیک کہا ہے' عقائد کا وہ سیلاب ہے جس میں خدمت و اعمال شریک رہے ہیں. پس قول اور فعل ہر دو اعتبار سے جنابِ ابو طالب کا ایمان روز روشن کی طرح واضح ہے آپ نے عقیدہ راسخ اور ایمان کامل کی ایسی داستان مرتب کی ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گی.

واضح دلائل' محکم براہین اور مستحکم شواہد کی موجودگی کے باوجود اگر کوئی ایمان ابو طالب کا منکر ہو اور ان کے غیر مسلم کہنے پر مصر ہو تو اسکا یہ فعل پیغمبرؐ اسلام کو اذیت پہچانے کے سوا کچھ بھی نہیں. اور قرآن کریم کے اعلان کے مطابق "رسولؐ کو اذیت دینے والوں کیلئے عذاب الیم ہے."

جنابِ ابو طالب کے صاحب ایمان ہونے کی بابت سواد اعظم کے اکابر علماء و محدثین کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ایمان ابو طالب کے متعلق تمام شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں پر مدلل و مفصل بحث و تمحیص سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب ابو طالب کے با ایمان ہونے میں کسی بھی عذر و کلام کی گنجائش نہیں.

ابو طالب اور پنجتن پاک:- جناب ابو طالب کی عظمت کا کیا کہنا. دنیائے اسلام کے وہ پانچ تن جنہیں پاک و پاکیزہ کیا اللہ نے اور جن کے وجود سے اسلام زندہ و تابندہ ہوا' ان پانچوں سے جنابِ ابو طالب کا قریب ترین تعلق تھا. پنجتن پاک میں سے تین یعنی حضرت علی مرتضیٰؑ' حضرت حسن مجتبیٰؑ' حضرت حسینؑ

شہید کربلاؑ سے آپ کا بلاواسطہ خونی رشتہ تھا جبکہ بقیہ دو یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت فاطمہ زہرہؑ سے بالواسطہ خونی اور براہ راست نسبتی رشتہ تھا. یہی وہ قرابت قریبہ ہے جس کے باعث جنابِ ابو طالب اپنے ہم عصروں میں سب پہ غالب و افضل قرار پاتے ہیں

اولاد ابو طالب:- عام طور سے مورخین نے جناب ابو طالب کے چار بیٹوں طالب' عقیل' جعفر اور علی نیز دو بیٹیوں جمدہ جو اپنی کنیت ام ہانی سے مشہور ہیں اور جمانہ کا ذکر کیا ہے لیکن ابن سعد نے ایک بیٹا طلیق اور ایک بیٹی ریطہ یا اسماء کا اضافہ کیا ہے.[1] مذکورہ چاروں فرزندوں کی ولادت میں دس دس سال کا وقفہ تھا. یعنی طالب' عقیل سے عقیل جعفر سے اور جعفر علی سے دس سال بڑے تھے. طلیق کی ماں علہ تھی جبکہ بقیہ اولاد فاطمہ بنت اسد کے بطن سے تھیں.

طالب بن ابو طالب:- طالب جناب ابو طالب کے سب سے بڑے بیٹے تھے. انہی کی نسبت سے جناب عمران کی کنیت ابو طالب قرار پائی. طالب ایک بے ضرر شاعر تھے انکی ایک نظم ابن ہشام نے نقل کی ہے. جسکے اشعار رسلتمابؐ کی ستائش اور جنگ بدر میں قلیب والے افراد قریش پر مرثیہ کے طور پر کہے گئے ہیں. جنگ بدر کے موقعہ پر جب کفار مکہ مسلمانوں سے لڑنے کیلئے نکلے تو بنی ہاشم کے چند افراد کو جبرا اپنے ساتھ لے گئے ان میں طالب بھی تھے چارو نا چار وہ لشکر کفار میں شریک تو ہوئے لیکن ان کے قلب کی کیفیت کا اندازہ ان کے درج ذیل اشعار سے با آسانی کیا جاسکتا ہے.

لا همه اما يغزون طالب	فی مقنب من هده المقانب
فليكن المغلوب غير الغالب	وليكن المسلوب غير السالب

یعنی :- یااللہ ان ضرر رساں بھڑیوں کے ایک غول میں ہو کر طالب لڑ تو رہا ہے

[1] طبقات ابن سعد ص: ۱۸۵ ج: ۱

لڑنے میں ان گرگوں کا ساتھ تو دیتا ہے مگر یااللہ جو غالب ہے وہ مغلوب ہو جائے
اور جو چھین رہا ہے اس سے چھن جائے. (طبقات ابن سعد ص: ۱۸۵ ج: ۱)

طالب کے مزید اشعار سیرۃ ابن ہشام میں منقول ہیں.

جب بدر کے میدان میں قریش کو شکست ہوئی تو طالب کا کہیں پتہ نہ چلا. نہ وہ قیدیوں میں تھا نہ مقتولین میں اور نہ ہی وہ اپنے گھر مکہ واپس لوٹا. اسکے بعد وہ کبھی بھی اور کہیں بھی نہ پایا گیا اسکی اولاد کا بھی کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے.

عقیل بن ابو طالب:- عقیل کو بھی مشرکین مکہ جبرا بدر کے میدان میں لے گئے تھے. وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے. زر فدیہ ادا کرنے کیلئے انکے پاس کچھ نہ تھا لہذا ان کے چچا عباس بن عبد المطلب نے انکا فدیہ ادا کیا. یہ مکہ واپس آئے اور ۸ھ تک وہیں پر رہے پھر مدینہ ہجرت کی اور جنگ موتہ میں لشکر اسلام میں شریک ہوئے. رسلتمابؐ نے خیبر کے خراج میں سے ایک سو چالیس دستق (ایک دستق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ہمارے حساب سے ایک دستق تقریبا چار من نو سیر بنتا ہے) کھجور سالانہ کی جاگیر انکے اخراجات کیلئے عطا فرمائی. انکے علاوہ نبی جعفر کو پچاس دستق' ام حکیم بنت زبیر بن عبد المطلب کو تیس دستق' جمانہ بنت ابو طالب کو تیس دستق کی جاگیریں مرحمت فرمائی.[1] واقدی کے بیان کے مطابق عقیل ۵۰ھ تک زندہ رہے اور بقول شیخ عباس قمی' در سنہ پنجاھم بسن نود و شش وفات یافت' یعنی انہوں نے ۵۰ھ میں چھیانوے برس کی عمر میں وفات پائی. عقیل بن ابو طالب صحابی رسولؐ تھے. اور انساب قریش واقعاتِ عرب کے عالم تھے. آخر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے. ان کی بابت آنحضرتؐ نے فرمایا "مجھے تم سے دو قسم کی محبت ہے ایک تو قرابت کی وجہ سے اور دوسرے اسلئے کہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا تم سے محبت کرتے تھے."

اولاد عقیل:- مورخین نے اولادِ عقیل کے جو نام تحریر کئے ہیں انکی زیادہ سے زیادہ تعداد انیس بنتی ہے ان میں چودہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں. علامہ سبط ابن جوزی لکھتے

[1] منتہی الامال ص: ۲۵۶ ج: ۱

ہیں کہ عقیل کی اولاد میں سے ایک بیٹا یزید تھا جسکی نسبت سے انکی کنیت ابو یزید ہوئی. دوسرے بیٹے کا نام سعید تھا ان دونوں کی ماں ام سعید بنت عمرو نبی صعصعہ سے تھی. دو بیٹے جعفر اکبر اور ابو سعید تھے جن کی ماں ام الثغر بنت عامر تھی. ایک بیٹے مسلم تھے جنہیں ابن زیاد نے کوفہ میں شہید کرایا انکے علاوہ عبد اللہ' عبد الرحمٰن' حمزہ' محمد' علی اور جعفر اصغر تھے بیٹیوں میں رملہ فاطمہ' ام معانی' ام قاسم' زینب اور ام نعمان تھیں یہ سب مختلف کنیزوں کے بطن سے تھے. بعض مورخین نے ان کے علاوہ عثمان' عبد اللہ دو بیٹے اور ایک بیٹی اسماء کا نام بھی تحریر کیا ہے جبکہ انہوں نے فاطمہ اور زینب کا ذکر نہیں کیا ہے.

علامہ سبط ابن جوزی نے میدان کربلا میں شہید ہونے والے فرزندان عقیل کے یہ نام تحریر کئے ہیں. مسلم' جعفر' عبد اللہ' عبد الرحمٰن اور عون. نیز عبد اللہ اور محمد پسران مسلم بن عقیل کے نام بھی لکھے ہیں.[1] جبکہ سید ظفر یاب ترمذی نانوتوی نے شہدائے کربلا کی فہرست میں اولاد عقیل کے یہ نام رقم کئے ہیں. جعفر' عبد اللہ اکبر' عبد اللہ اصغر' علی' عبد الرحمٰن اور موسیٰ پسران عقیل بن ابیطالب اور محمد' عبد اللہ و عامر پسران مسلم بن عقیل نیز محمد بن ابو سعید بن عقیل اور احمد بن محمد بن عقیل تھے. اسکے علاوہ کربلا میں موجود مخدرات کی فہرست میں رقیہ اور عاتکہ دخترانِ مسلم کے نام بھی تحریر کئے ہیں.[2]

ابو الفرج اصفہانی نے کوفہ و کربلا میں شہید ہونے والی اولاد عقیل کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے. (۱) مسلم بن عقیل اصحاب حسینؑ میں پہلے شہید جو کوفہ میں شہید کئے گئے. (۲) عبد اللہ بن مسلم بن عقیل انکی ماں رقیہ بنت علی ابن ابو طالب تھیں انکو عمرو بن صبیح نے قتل کیا. (۳) محمد بن مسلم بن عقیل ان کی ماں ام ولد تھیں انکو ابو مرھم الازدی اور لقیط بن ایاس جہنی نے کربلا میں قتل کیا. (۴) محمد بن ابی سعید الاحول بن عقیل انکی ماں ام ولد تھیں انکو لقیط بن یاسر جہنی نے قتل کیا.

[1] تذکرہ الخواص ص: ۳۰۹ [2] تاریخ انوار السادات ص: ۲۲۲

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یوم الحرۃ میں مدینہ میں قتل ہوئے. (۵) علی بن عقیل انکی ماں ام ولد تھیں یہ کربلا میں شہید ہوئے. (۶) عبدالرحمٰن بن عقیل انکی ماں ام ولد تھیں انہیں عثمان بن خالد جہنی اور بشیر بن حوط قابضی نے شہید کیا. (۷) جعفر بن عقیل انکی ماں ام ثغر بنت عامر بن ھضاب عامری تھی ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی ماں خوصاء جو ثغریہ جسکا نام عمرو بن ھضاب عامری تھا کی بیٹی تھی. انہیں عروہ بن عبداللہ خثعمی نے قتل کیا. (۸) عبداللہ اکبر بن عقیل انکی ماں ام ولد تھیں ان کو عثمان بن خالد جہنی نے شہید کیا.[1]

جناب عقیل کی نسل میں محمد المرفوع بن عبدالرحمٰن بن قاسم الجری بن عبداللہ بن محمد بن عقیل کی اولاد کثیر تھی جو بنی مرفوعہ کہلاتی تھی. اسی طرح محمد انصاریہ بن قاسم بن عقیل بن عبداللہ بن محمد بن عقیل کی نسل کثیر تھی اور انصاریہ کہلاتی تھی.

[1] مقاتل الطالبین ص: ۶۱

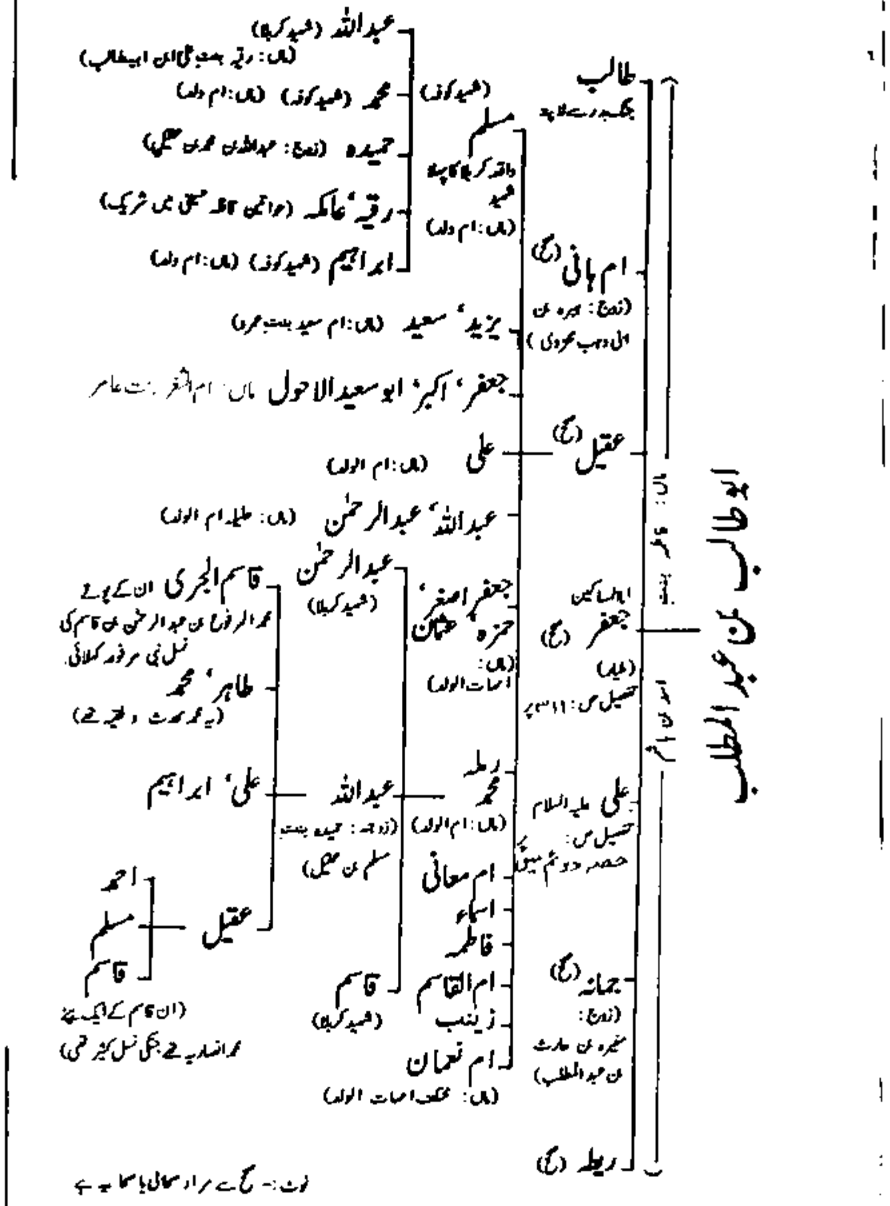

جعفرؓ بن ابو طالب

حضرت جعفر جناب ابو طالب کے تیسرے فرزند تھے اور یہ حضرت علیؑ سے دس سال بڑے تھے. چونکہ حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت ۳۰ ع ف یا ۶۰۰ء میں ہوئی تھی اس مناسبت سے حضرت جعفر کا سن ولادت ۲۰ ع ف یا ۵۹۰ء قرار پاتا ہے. حضرت جعفرؓ نے اسلام کے ابتدائی دور میں کلمہ حق پڑھا اور بقول ابن اسحاق یہ سابقین اولین میں سے ہیں.[1] اور صحابی رسول ہیں. بقول ابو الفرج اصفہانی انکی کنیت " ابا المساکین " تھی.

کفالت :- حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؑ کی بابت ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ :

"جب قریش مکہ قحط کی آفت میں مبتلا ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مونس و مہربان چچا جناب ابو طالب کی معاشی حالت کے پیش نظر اپنے دوسرے چچا جناب عباس سے جو خاندان میں خوشحال تھے فرمایا " آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں اور اس قحط کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مصیبت میں مبتلا ہیں پس آپ میرے ساتھ چلیں اور انکے بچوں میں سے ایک کو میں لے لیتا ہوں اور دوسرے کو آپ لے لیں اور انکی دیکھ بھال کریں. " پھر یہ دونوں جناب ابو طالب کے پاس گئے اور اپنا مقصد بیان کیا. جناب ابو طالب نے کہا "عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو اور جو چاہو کرو. " ابن ہشام نے لکھا ہے کہ "رسول اللہؐ نے علیؑ کو لے لیا اور انھیں اپنے ساتھ رکھا. عباسؓ نے جعفرؓ کو لے لیا اور اپنے

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۷۶ ج: ۱

ساتھ رکھا. پس علیؑ رسول اللہؐ کے ساتھ رہے اور جعفرؓ عباسؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام اختیار کیا اور ان سے بے نیاز ہو گئے."

(سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۷۰ ج: ۱)

بے شک اسلام اختیار کرنے کے بعد حضرت جعفرؓ جناب عباسؓ سے بے نیاز ہو گئے مگر تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علیؑ آخری وقت تک دامن رسولؐ سے وابستہ رہے.

ہجرت حبشہ :- مسلمانوں پر مشرکین کی ایذا رسانیوں کے باعث رسالتمآبؐ نے مسلمانوں کو حبشہ جانے کا حکم دیا اور آپؐ نے فرمایا. "وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سچائی والی زمین ہے. یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان آفتوں جن میں تم مبتلا ہو کوئی کشائش پیدا کر دے."[1] لہٰذا وہ مسلمان جو کفار کے مظالم کا شکار تھے پوشیدہ طور پر سرزمین حبشہ ہجرت کر گئے.

بحکم پیغمبرؐ حضرت جعفرؓ بن ابو طالب نے سرزمین حبشہ ہجرت کی. ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس بھی انکے ہمراہ گئیں. یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ خاندان بنی ہاشم میں سے حضرت جعفر واحد شخص تھے جنہوں نے حبشہ ہجرت کی. حالانکہ جس بناء پر مسلمانوں نے ہجرت کی اسکا اطلاق حضرت جعفر پر ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت تک قریش میں اتنی جرات نہ تھی کہ وہ بنی ہاشم کے کسی بھی فرد کو مظالم کا شکار بنا سکیں اور نہ ہی بنی ہاشم کا کوئی فرد اتنا کم عقیدہ تھا کہ ایک بار اسلام لانے کے بعد کسی مکاری یا عیاری کا شکار ہو کر مرتد ہو جائے. لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ حضرت جعفر کے ایسے حالات ہرگز نہ تھے جیسے دیگر مسلمانوں کے تھے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کے نبیؐ نے دیار غیر میں مسلمانوں کی رہنمائی و تربیت کیلئے حضرت جعفر کو حبشہ بھیجا تھا جسکی تصدیق وہاں پیش آنے والے واقعات سے ہوتی ہے.

مسند احمد، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری وغیرہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے نجاشی بادشاہِ حبشہ کے دربار میں پیش آمدہ واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے.

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۳۵۵ ج: ۱

ہم انہی واقعات کو قدرے اختصار سے پیش کررہے ہیں. جب مسلمان سرزمین حبشہ میں پہنچے تو بہترین پڑوسی نجاشی کے پڑوس میں اپنے دین پر مامور تھے' اللہ کی عبادت کرتے تھے اور کوئی انہیں اذیت نہ پہنچاتا تھا. جب قریش کو یہ خبر ملی کہ حبشہ میں مسلمان بڑے اطمینان وسکون سے زندگی بسر کررہے ہیں تو انہوں نے نجاشی کے دربار میں عبداللہ بن ربیعہ مخزومی اور عمرو بن عاص کو بادشاہ' وزراء اور امراء کیلئے تحائف وغیرہ دیکر حبشہ بھیجا. یہ دونوں وہاں پہنچے' پہلے انہوں نے وزیروں اور مشیروں کو تحائف دے کر اپنا ہم خیال بنایا پھر بادشاہ کو تحفے پیش کئے اور اس سے کہا کہ " اے بادشاہ ہمارے کچھ بیوقوف نوجوان تیرے شہر میں آگئے ہیں. انہوں نے اپنا دین چھوڑدیا ہے اور تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین گھڑ لیا ہے کہ جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ. اور ہمیں انکی قوم کے اشراف' انکے آباواجداد نے انکے سلسلہ میں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انھیں واپس کردیں."
نجاشی کے وزیر و مشیر بھی انکے ہم زبان ہوگئے اور بادشاہ سے کہنے لگے کہ یہ دونوں سچ کہتے ہیں آپ انکے آدمیوں کو انکے سپرد کردیں. انکی اس بے جاحمایت سے نجاشی چراغ پا ہوگیا اور اس نے غصہ میں کہا "نہیں خدا کی قسم میں انکو ان کے حوالے نہیں کروں گا اور میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا کہ ایک قوم میرے پڑوس آکر رہی ہے اور میرے شہر میں انہوں نے قیام کیا اور مجھے انتخاب کیا جب تک میں انہیں بلاکر معلوم نہ کرلوں کہ یہ دونوں انکے بارے میں کیا کہتے ہیں اگر وہ ایسے ہی ہوئے جیسا یہ کہتے ہیں تو میں انہیں ان کے سپرد کردونگا ورنہ میں ان کی حفاظت کروں گا اور ان سے حسن سلوک کروں گا جب تک وہ میرے ملک میں رہیں گے."

پھر نجاشی نے اصحاب رسول کو بلایا جب یہ لوگ نجاشی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ نجاشی نے اپنے پادریوں کو بھی بلایا ہوا تھا جو اسکے گرد کتابیں کھولے بیٹھے تھے. نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا. اے لوگو! یہ کونسا دین ہے جس کی وجہ سے تم قوم سے الگ ہوگئے ہو؟ اور تم میرے دین اور ان مختلف امتوں میں سے کسی کے دین میں داخل

نہیں ہوئے. مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفرؓ بن ابیطالب نے جواب دیا کہ "اے بادشاہ! ہم اہل جاہلیت میں سے ایک قوم تھے بتوں کی پرستش کیا کرتے' مردار کھاتے' بُرے کام کرتے' قطع رحمی کرتے' پڑوس سے بُرا سلوک کرتے' ہم میں سے قوی ضعیف کو کھاجاتا' ہم اسی طریقے پر تھے یہانتک کہ خداوند عالم نے ہماری طرف ایک امین رسول بھیجا جس کے نسب' صداقت' امانت اور عفت کو ہم جانتے تھے. اس نے ہمیں اللہ عزوجل کی طرف بلایا تاکہ ہم اسکی وحدانیت کا اقرار اور اسکی عبادت کریں اور ان چیزوں کو چھوڑدیں جن میں ہم مبتلا تھے اور ان پتھروں اور بتوں کی عبادت ترک کردیں جنکی عبادت ہم اور ہمارے بڑے کرتے تھے اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں' امانت ادا کریں' صلہ رحمی' پڑوسی سے حسن سلوک کریں' محرمات اور خون بہانے سے بچیں اور ہمیں فواحش' جھوٹ' یتیم کا مال کھانے' پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا ہے. اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کریں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں. اور ہمیں نماز' زکوۃ اور روزہ کا حکم دیا ہے. ہم نے اسکی تصدیق کی اور اسی پر ایمان لائے. ہم نے اسکو حرام سمجھا جسکو اللہ نے ہم پر حرام قرار دیا. اور حلال جانا جسے اللہ نے ہم پر حلال قرار دیا. پس ہماری قوم نے ہم سے زیادتی کی اور ہمیں تکلیف دینے لگی وہ ہمیں اپنے دین سے پھسلانے لگی تاکہ ہمیں بتوں کی پرستش کی طرف پلٹادیں اور یہ کہ ہم حلال سمجھیں ان چیزوں کو جن بری چیزوں کو پہلے حلال سمجھتے تھے. جب ہم پر انھوں نے مظالم اور سختیاں شروع کیں اور ہمیں مشقت میں مبتلا کیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوئے تو ہم نے تیرے ملک کی طرف خروج کیا اور تجھے تیرے غیر پر ترجیح دی. تیری ہمسائگی کو پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ تیرے یہاں رہتے ہوئے ہم پر کوئی ظلم نہیں کرسکتا." نجاشی نے کہا اگر تمہارے پاس اس میں سے کوئی چیز ہے جو تمہارا نبی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے لایا ہے تو پڑھو. حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی. اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پس خدا کی قسم نجاشی اتنا رویا کہ

اسکی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور پادریوں کے گریہ کرنے سے انکی کتابیں نم ہوگئیں. پھر نجاشی نے کہا "بیشک یہ اور جو کچھ حضرت موسیٰ لیکر آئے تھے ایک ہی مشکواۃ (روشنی) سے ہیں." پھر اس نے قریش کے نمائندوں سے کہا تم دونوں چلے جاؤ میں انھیں کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کرونگا.

ام سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ دوسرے دن عمرو بن عاص' نجاشی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایک عظیم بات کہتے ہیں پس ان سے حضرت عیسیٰؑ کی بابت دریافت کر. لہٰذا بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کرکے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں دریافت کیا. حضرت جعفر بن ابیطالب نے جواب دیا کہ ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ لے کر آئے کہ "عیسیٰؑ اللہ کے بندے' اسکی روح' اسکے رسول اور اس کے کلمہ تھے کہ جسے اس نے مریم عذرا بتولؑ کی طرف القا کیا." ام سلمیٰ کہتی ہیں کہ نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی کا ٹکڑا اٹھایا اور کہا کہ اس لکڑی کی طرح عیسیٰؑ اسکے علاوہ کچھ اور نہیں جو کچھ تم نے انکے بارے میں کہا ہے. پھر مسلمانوں سے کہا تم لوگ جاؤ. تم لوگ اس زمین میں امن میں ہو جو تمہاری برائی کریگا وہ سختی میں مبتلا ہوگا. پھر جو تمہیں برا بھلا کہے وہ نقصان اٹھائیگا. یہ بات اس نے تین بار دہرائی. پھر حکم دیا کہ ان دونوں کے تحفے اور ہدیہ انھیں واپس کردو مجھے انکی ضرورت نہیں.[1]

<u>جعفر کی آمد</u>:- اس کے بعد مسلمان حبشہ میں امن وسکون سے رہنے لگے. حبشہ میں دس سالہ قیام کے دوران جعفر بن ابوطالب کے تین فرزند تولد ہوئے. سب سے بڑے عبداللہ تھے جو اسلام میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے مسلمان ماں باپ کی اولاد تھے. حضرت جعفرؓ ۷ھ میں فتح خیبر کے موقعہ پر واپس تشریف لائے.

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام ص: ۳۷۰-۳۶۲ ج: ۱

ابن ہشام نے شعبی کی روایت یوں بیان کی ہے کہ "عین فتح خیبر کے روز حضرت جعفر بن ابوطالب حبشہ سے واپس تشریف لائے. رسول اللہ ﷺ نے اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا' سینہ سے چمٹالیا اور فرمایا " ماادری با یھما انا اسرّ بفتح خیبر ام بقدوم جعفر؟ یعنی میں نہیں بتاسکتا کہ مجھے کس بات سے زیادہ مسرت ہوئی؟ فتح خیبر سے یا جعفر کی آمد سے؟"[1]

<u>جنگ موتہ</u>:- رسول اللہ ﷺ نے جمادی الاول ۸ھ میں شام کی طرف فوج روانہ کی. زید بن حارثہ کو سالار مقرر کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید مارے جائیں تو جعفر بن ابیطالب کو سالار بنالیا جائے اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو سالار بنائیں اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو مسلمان اپنے میں سے کسی کو سالار مقرر کرلیں. لہٰذا جب جنگ موتہ میں زید بن حارثہ شہید ہوئے تو پرچم اسلام جعفر بن ابیطالب نے سنبھالا. وہ پرچم لہراتے ہوئے لڑتے رہے یہانتک کہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے. یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ جعفر بڑی بے جگری سے لڑرہے تھے اور یہ اشعار انکی زبان پر تھے.

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةَ وَ اقْتِرَابُهَا   طَيِّبَةٌ وَبَارِدٌ شَرَابُهَا
خوشا! جنت جو اس درجہ قریب ہے پاک اور ٹھنڈا ہے اس کا مشروب
وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْدَنَا عَذَابُهَا   كَافِرَةٌ بَعِيْدَةٌ اَنْسَابُهَا
عَلَيَّ اِذْلاَ قَيْتُهَا ضِرَابُهَا

اور یہ اہل روم وہ ہیں جن پر عذاب کا وقت بالکل قریب آگیا ہے. یہ منکر ہیں' ان کے نسب بھی ہم سے دُور ہیں' جب یہ ہم سے بھڑے ہیں تو ہم پر واجب ولازم ہے کہ انھیں تلواروں سے ماریں. (سیرۃ ابن ہشام ص: ۳۴۳ ج: ۲)

<u>شہادت</u>:- ابن ہشام نے کہا کہ مجھ سے بعض ثقہ اہل علم راویوں نے بیان کیا کہ جعفرؓ بن ابیطالب نے اپنے داہنے ہاتھ میں جھنڈا لیا. وہ کاٹ دیا گیا تو بائیں ہاتھ

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۳۴۴ ج: ۲

میں سنبھالا. وہ بھی کاٹ دیا گیا اب دونوں بازوؤں میں جھنڈے کو سینہ سے لگا کر تھاما اور اس حالت میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے. اس وقت انکی عمر تینتیس ۳۳ سال تھی. اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت میں دو بازو عطا فرمائے جن سے وہ جہاں چاہتے اڑ کر جاتے ہیں. علامہ شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی (جعفر کی) لاش دیکھی تھی' تلوار اور برچھیوں کے نوے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے 'پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا."[1]

ابن اسحاق نے عبداللہ بن ابی بکرؓ کے توسل سے اسماء بنت عمیس زوجہ جعفرؓ طیار کی روایت بیان کی ہے کہ جب جعفرؓ اور انکے اصحاب کو شہید کر دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ. وہ بچوں کو آپؐ کے پاس لے گئیں. آپؐ نے بچوں کو گلے لگایا اور آپؐ کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے. اس پر انہوں نے پوچھا. "یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان آپؐ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟" آپؐ نے فرمایا کہ جعفر اور انکے ساتھیوں کی خبر مجھے ملی ہے کہ وہ جنگ میں مارے گئے. اسماء کہتی ہیں کہ پھر تو میں کھڑی ہو کر رونے لگی اور عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں. رسول اللہؐ اپنے اہل خانہ کی طرف چلے گئے اور ان سے کہا "دیکھو جعفر کے اہل خانہ کیلئے کھانا تیار کرنے میں غفلت نہ کرنا وہ تو سب جعفر کے صدمے میں پڑے ہوئے ہیں."[2]

اولاد جعفر :- جعفر کے سب سے بڑے بیٹے عبداللہ تھے اور انہی سے اُن کی کنیت ابو عبداللہ مشہور ہوئی. عبداللہ کے بعد محمد اور عون پیدا ہوئے ان تینوں کی ماں اسماء بنت عمیس تھی ان تینوں کی ولادت سرزمین حبشہ میں ہوئی. عبداللہ بن جعفر اسلام میں سب سے پہلے والے مسلمان ماں باپ کی اولاد تھے.[3] محمد بن جعفر

---

[1] سیرۃ النبیؐ ص: ۵۰۷ ج: ۱ [2] سیرۃ ابن ہشام ص: ۴۴۶ ج: ۲ [3] منتہی الامال ص: ۲۵۰

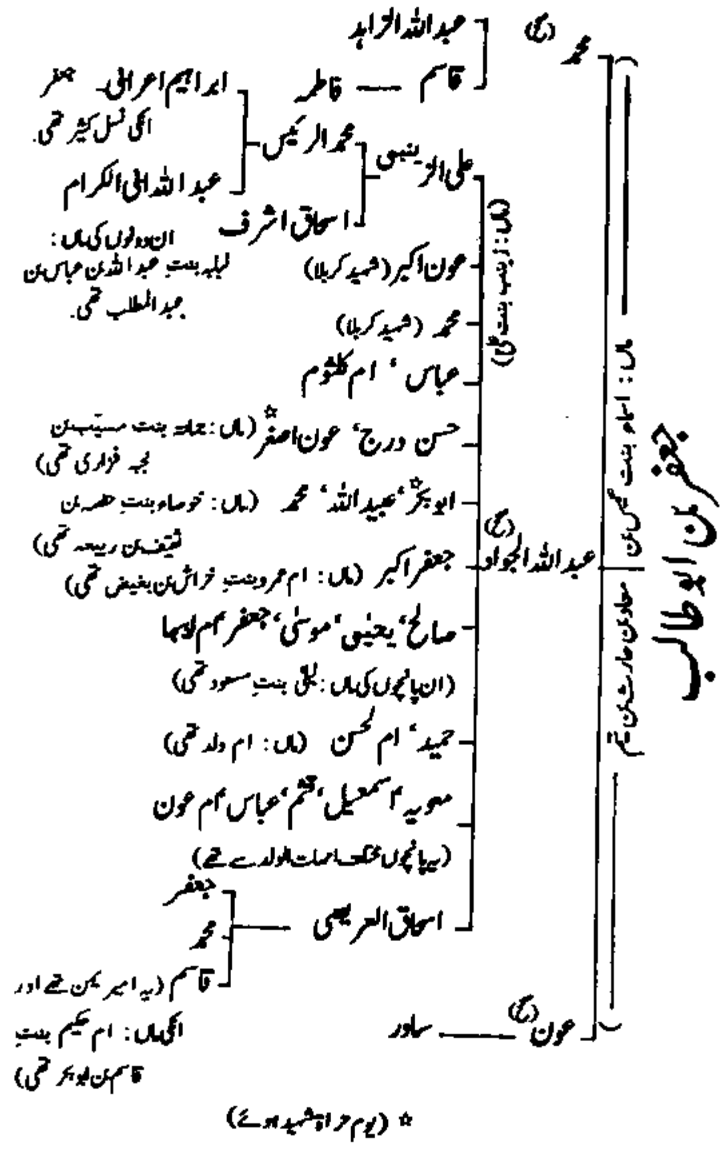

کے دو بیٹے عبداللہ الزاہد اور قاسم تھے جبکہ عون کے ایک بیٹا ساور تھا البتہ عبداللہ بن جعفر کی اولاد کثیر تھی. جعفر بن ابیطالب کی زوجہ اسماء بنت عمیس نے حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے نکاح کیا ان سے محمد پیدا ہوئے ان کے بعد حضرت علیؑ سے عقد کیا ان سے یحییٰ پیدا ہوئے جو طفلی میں ہی فوت ہو گئے.[1]

عبداللہ بن جعفر :- جناب عبداللہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت نو عمر تھے. آپ صحابہ کے پانچویں طبقے میں شمار کئے جاتے ہیں. جناب عبداللہ حضرت زینب بنت علیؑ کے شوہر تھے اور 'الجواد' کے لقب سے مشہور تھے. آنحضرتؐ نے انکی بابت دعا فرمائی "خدایا! جعفر کی اولاد کا تو بہترین محافظ بن اور عبداللہ کو اسکے ہاتھ کی تجارت میں برکت دے." راوی کہتا ہے کہ ان کی والدہ آئیں وہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھیں تو رسول اللہؐ نے فرمایا. "کیا تجھے انکے فقر و فاقہ کا خوف ہے حالانکہ دنیا و آخرت میں میں ان کا ولی ہوں."[2]

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جب عبداللہ بن جعفرؓ سے ملتے تو کہتے " اسلامه علیك یا بن ذالحناحین " یعنی سلامتی ہو تم پر اے دو پروں سے پرواز کرنے والے شخص کے بیٹے. واقدی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ کی وفات ۸۰ھ میں مدینہ میں ہوئی اس وقت انکی عمر تقریباً نوے (۹۰) سال تھی اور یہ عبدالملک بن مروان کا زمانہ تھا. انکی نماز جنازہ حاکم مدینہ ابان بن عثمان نے پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین کی گئی.

اولاد عبداللہ بن جعفر :- چونکہ محمد و عون پسران جعفر کی نسل آگے نہ چل سکی لہٰذا عبداللہ ہی کی اولاد سے جعفر کی نسل پھیلی. بقول شیخ محمد عباس قمی "عبداللہ را بیست پسر و بقولی بسیت و چہار پسر بودہ"[3] یعنی عبداللہ کے بیس فرزند اور بقول

---

[1] مقاتل الطالبین ص: ۱۲ [2] تذکرہ الخواص ص: ۲۳۸ 'طبقات ابن سعد ص: ۱۹۵ ج: ۴
[3] منتہی الامال ص: ۲۵۱ ج: ۱

دیگر چوبیس فرزند تھے. جنکی تفصیل اس طرح ہے کہ علی جو علی الزینبی کہلاتے تھے' عون اکبر' محمد' عباس اور ام کلثوم ان پانچوں کی والدہ حضرت زینب بنت علیؑ تھیں. جعفر اکبر جن کی ماں ام عمرو بنت خراش بن بغیض تھی. حسن درج اور عون اصغر کی ماں جمانہ بنت میسب بن نجبہ فزاری تھی. ابوبکر' عبداللہ اور محمد کی ماں خوصاء بنت حفصہ (قبیلہ بکر بن وائل سے) تھی. جعفر اصغر اور ابو سعید کی ماں ام الحسن بنت عمر (بنی صعصعہ سے) تھی. صالح' یحییٰ 'موسیٰ' جعفر اور ام ابیہا کی ماں لیلیٰ بنت مسعود تھی. حمید اور ام الحسن ایک کنیز سے تھے. اسحاق العریضی' معاویہ' اسمٰعیل' قثم' عباس اور ام عون مختلف کنیزوں سے تھے.[1]

اسحاق العریضی کی اولاد میں محمد' جعفر اور قاسم تھے قاسم کی ماں ام حکیم بنت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ تھی. علی الزینبی کے بیٹے محمد الرئیس اور اسحاق اشرف تھے جنکی ماں لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھی اور محمد رئیس کے دو بیٹے ابراہیم اعرابی اور عبداللہ ابی الکرام تھے ابراہیم اعرابی کے ایک بیٹے جعفر تھے جنکی اولاد کثیر تھی. اولاد عبداللہ بن جعفر میں سے عون اکبر اور محمد کربلا میں شہید ہوئے جبکہ عون اصغر اور ابوبکر واقعہ حرہ میں یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے.

ام ہانی بنت ابو طالب :- مورخین نے ان کا نام جعدہ' فاختہ اور ہند بیان کیا ہے. چونکہ تاریخ میں انکی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ نام کی اہمیت ختم ہو گئی. یہی وجہ ہے کہ نام میں اختلاف کی راہ نکلی. بہر حال بقول علامہ سبط ابن جوزی یہ وہی ام ہانی ہیں جنکے گھر میں رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے موقع پر آٹھ رکعت نماز عید قربان پڑھی.[2] بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لائیں. حالانکہ واقعہ معراج جو ہجرت مدینہ سے ایک یا ڈیڑھ سال قبل پیش آیا اس کی تفصیل

---

[1] تذکرہ الخواص ص: ۲۴۰' مقاتل الطالبین ص: ۶۰' ۸۲ [2] تذکرہ الخواص ص: ۳۴

بتاتے ہوئے ام ہانی خود بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی نیز امِّ ہانی کو مخاطب کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا! "میں نے رات کی آخری نماز تو تم لوگوں کے ساتھ پڑھی." اس سے صاف ظاہر ہے کہ ام ہانی واقعہ معراج سے قبل ہی مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں. بلاشبہ وہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہونے والی خواتین میں سے ایک تھیں. اور صحابیہ تھیں. ان سے چھیالیس احادیث مروی ہیں. انکے شوہر کا نام ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ مخزومی تھا.

ابن اسحاق نے اسراء و معراج سے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اسکے اہل علم راویوں میں ابو طالب کی بیٹی ام ہانی بھی شامل ہیں. باتفاق جمہور معراج کا واقعہ مکہ معظمہ میں اُم ہانی بنت ابیطالب کے گھر میں واقع ہوا. ابن اسحاق کا بیان ہے کہ " مجھے ابو طالب کی بیٹی ام ہانی سے 'جن کا نام ہند تھا' رسول اللہؐ کے اسراء کے متعلق جو روایت پہنچی' اس میں تھا کہ رسول اللہؐ کو جس رات سفر کرایا گیا آپ اس رات میرے ہی گھر میں تھے اور میرے ہی پاس آرام فرما رہے تھے. آپ نے عشاء پڑھی' اسکے بعد آرام فرمایا اور ہم بھی سو گئے. جب فجر سے کچھ پہلے کا وقت تھا' رسول اللہؐ نے ہمیں جگایا اور جب آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی. تو فرمایا.' اے ام ہانی! میں نے رات کی آخری نماز تو تم لوگوں کے ساتھ اسی وادی میں پڑھی جیسا کہ تم نے بھی دیکھا' پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز پڑھی. پھر صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو. پھر آپ کھڑے ہو گئے کہ باہر تشریف لے جائیں تو میں نے آپ کی چادر کا کنارہ پکڑ لیا. آپ کے شکم مبارک سے چادر ہٹ گئی تو ایسا معلوم ہوا کہ قبطی کپڑا (جو نہایت سفید اور باریک ہوتا ہے) تہہ کیا ہوا ہے. میں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے نبیؐ! یہ بات لوگوں سے نہ بیان فرمائے کہ وہ آپکو جھٹلائیں گے اور تکلیف دیں گے. فرمایا! "فلاحد ثنھمہٗ واللہ! میں یہ تو ان سے ضرور بیان کروں گا".[1]

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۲۳ ج: ۱

ام ہانی کہتی ہیں کہ لوگوں کا رد عمل معلوم کرنے کیلئے انہوں نے اپنی ایک حبشی لونڈی کو آپ کے پیچھے بھیجا. آنحضرتؐ نے لوگوں کو اس واقع کی خبر دی. لوگ حیران ہو گئے اور اسکی علامات دریافت کرنے لگے. آپؐ نے انھیں تفصیل بتائی. ام ہانی کا بیان ہے کہ لوگ اس پہاڑی کی طرف دوڑ پڑے جس کا آپ نے ذکر فرمایا. آنحضرتؐ کی بتائی ہوئی نشانیوں کی تصدیق کو درست پایا.[1]

واقعات و حالات کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ واقعہ معراج کی بابت آنحضرتؐ نے سب سے پہلے ابیطالب کی بیٹی ام ہانی کو آگاہ کیا جنھوں نے بلا کسی تامل کے آپ کی تصدیق کی.

ام ہانی سے مذکور دوسرا واقعہ جو تواریخ میں مرقوم ہے اور جیسے ابن اسحاق نے عقیل بن ابیطالب کے مولی ابو مرہ کے توسل سے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہؐ نے بالائی مکہ میں نزول اجلال فرمایا تو بنی مخزوم کے دو آدمی جو سسرالی رشتہ سے ام ہانی کے دیور ہوتے تھے پناہ کی غرض سے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے. ان مخزومیوں کو قتل کرنے کی غرض سے ان کا پیچھا کرتے ہوئے ام ہانی کے بھائی علیؑ بن ابیطالب بھی وہاں پہنچ گئے. ام ہانی نے اپنے سسرالی رشتہ داروں کو بچانے کیلئے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچیں. آنحضرتؐ چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا "خوش آمدید ام ہانی! کیونکر آنا ہوا"؟ انہوں نے تفصیل بیان کی تو آپؐ نے فرمایا. قد اجرنا من اجرتِ و امنّا من امنتِ فلا یقتلھا یعنی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی' جسے تم نے امن دیا اسے ہم نے امن دیا. علی انھیں قتل نہیں کریں گے. ابن ہشام کی تصدیق کے مطابق بنی مخزوم کے یہ دونوں آدمی حارث بن ہشام اور زہیر بن ابو امیہ بن مغیرہ تھے.[2]

[1] تاریخ طبری ص: ۳۱۴ ج: ۱ [2] سیرۃ ابن ہشام ص: ۴۸۷ ج: ۲

ام ہانی کثیر الاولاد تھیں. بیٹوں میں ہانی' جعدہ' یوسف' عمرو مشہور ہیں. حضرت علیؑ کے ظاہری دور خلافت میں ام ہانی کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کا والی مقرر کیا گیا.[1] ام ہانی نے معاویہ بن ابو سفیان کے دور حکومت میں وفات پائی.

جمانۃ بنت ابو طالب :- صحابیہ تھیں انکے شوہر مغیرہ بن حارث بن عبد المطلب تھے انہوں نے مدینہ ہجرت کی. اور یہ پیغمبر اسلام کی زندگی میں ہی وفات پاگئیں.[2] آنحضرتؐ نے ان کو خیبر کے خراج میں سے تیں دسق کھجور سالانہ کی جاگیر عطا فرمائی تھی.[3] انکے ایک بیٹے جعفر جو اپنے باپ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے. صحابی تھے اور جنگ طائف و حنین میں لشکر اسلام میں شامل تھے. ان کی وفات بھی عہد معاویہ میں ہوئی.

علی بن ابو طالب :- آپؑ کا ذکر باب سوئم میں آنحضرتؐ کے بعد مرقوم ہے.

[2] تذکرہ الخواص ص: ۳۵ [3] سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۱۷ ج: ۱ [1] تاریخ اعثم کوفی ص: ۳۵۰

اس کتاب کے حصۂ دوئم میں
باب سوئم ______ خاتمؐ تا دائمؑ
باب چہارم ______ دائمؑ تا کاظمؑ
باب پنجم ______ کاظمؑ تا قائم عجل
شامل ہیں

حضرت عبداللہ بن عبد المطلب

ولادت :- جناب عبداللہ کی ولادت ۵۴۵ء میں ہوئی.[1] آپ اپنے بھائی جناب ابو طالب سے پانچ سال چھوٹے تھے. اور جناب عبداللہ' ابو طالب' زبیر اور صفیہ ماں جائے بہن بھائی تھے. ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں اور فاطمہ کی والدہ یعنی جناب عبداللہ کی نانی صخرہ بنتِ عبد بن عمران بن مخزوم تھیں[2] اسطرح آپ کا نسب اہل عرب میں بہترین نسب مانا جاتا ہے.

واقعات :- زم زم کی کھدائی کے وقت جناب عبد المطلب کی قبولیتِ دعاء کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے فرزندان میں عبداللہ پورے خاندان کی شفقت و محبت کا مرکز تھے. مشیت ایزدی کے مطابق آپ کی مدت حیات کل پچیس سال تھی آپ نے عین عالم شباب میں وفات پائی. اس مختصر زندگی میں آپکے جو بھی واقعات رونما ہوئے وہ تاریخ کے اہم ترین واقعات میں شمار ہوتے ہیں. چونکہ جناب عبداللہ نے اپنے والد کی حیات میں وفات پائی لہذا آپکے کچھ واقعات جناب عبد المطلب کے باب میں تحریر کئے جا چکے ہیں اور کچھ درج ذیل ہیں.

قتیلہ کی پیشکش :- جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کی نسبت کیلئے اشرافِ مکہ کے بہت سے پیغام آئے مگر نظام مشیت نے آپکی ازدواج کا شرف اہل مکہ کو

[1] اسپرٹ آف اسلام ص: ۷. [2] سیرت ابن ہشام ص: ۱۳۶ ج: ۱

نہیں عشابلہ اس فخر و مباہات کا شرف مدینہ کے قبیلہ بنی زہرہ کو نصیب ہوا۔ جناب عبداللہ کا ایک واقع ابنِ سعد نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ

"قتیلہ بنتِ نوفل، ورقہ بن نوفل مشہور و معروف عالم قریش کی بہن جو اسوقت دوشیزہ بھی تھی اور بہت بڑی عفیفہ بھی۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے سامنے سے گزریں۔ قتیلہ نے دیکھتے ہی آپ کو اپنی طرف بلایا اور نکاح کی درخواست کی اور انکا گوشہ دامن پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ نے قطعی انکار کیا اور اس کے پاس سے بسرعت تمام چلے آئے۔ اس واقعہ کو عرصہ ہو گیا۔ اس درمیان میں آپ کی شادی جناب آمنہ سے ہو گئی اور جناب رسالتمآب ﷺ کا حمل واقع ہو گیا۔

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب نے ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھا تو پوچھا کہ اب اُس امر میں تمہاری کیا رائے ہے جسکی نسبت تم نے ایکبار مجھ سے درخواست کی تھی۔ اس نے جواب دیا کہ اب کچھ نہیں کیونکہ جب تم میرے پاس سے گزرے تھے تو میں نے تمہارے چہرے سے ایک نور ساطع دیکھا تھا اب جو تم لوٹ کر میرے پاس آئے ہو تو وہ نور تم میں نہیں پاتی ہوں"۔

(طبقات ابن سعد ص: ۵۹ مطبوعہ جرمن۔ ترجمہ اسوۃ الرسول ص: ۸۲۰ ج:۱)

ابن سعد نے قتیلہ کا نام فاطمہ بھی لکھا ہے اور اس موقعہ پر اسکے بیان کردہ یہ اشعار بھی تحریر کئے ہیں:

انی را یت مُخیلةً عرضت   فتلا لات بحنا تم القَطر

میں نے دیکھا کہ ایک گھٹا سامنے ہے جو تیرہ و تار (یعنی بابرکت ابر باراں سے روشن ہو گئی)

فلما نہا نورُ یضی لہَ   ماحولہ کا ضاء ۃ ا لفجر

اس کے پانی میں ایک ایسا نور ہے جس سے اس کے اردگرد اسی طرح روشنی ہو رہی ہے جس طرح صبح صادق کی روشنی ہوتی ہے۔

ورا یتہ شرفاً ابُوءُ بہ   ما کل قادح زندہ یُوری

میں نے دیکھا کہ یہ ایک ایسی عزت ہے جو مجھے حاصل کرنی چاہئے لیکن ہر شخص جو چقماق جھاڑتا ہے ضروری نہیں کہ وہ کامیاب ہی ہو۔

للہ ما زہر یہُ سلبت   ثوبیك ما استلبت و ما تد ری

قبیلہ بنی زہرہ کی وہ خاتون کیسی خوش نصیب ہے جس نے اے عبداللہ تجھ سے یہ دولت حاصل کر لی اور تجھے خبر تک نہ ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ص: ۱۵۰ ج:۱)

علالت اور وفات:- جناب عبداللہ حسب معمول سامانِ تجارت لیکر کاروانِ قریش کے ہمراہ غزہ (فلسطین) گئے واپسی پر بیمار ہو گئے۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو شدت مرض کے باعث آپ کو مدینہ ہی میں رکنا پڑا۔ یہاں آپ نے اپنے ننھیالی قبیلہ بنو نجار کے یہاں قیام کیا۔ تقریباً ایک ماہ وہاں مقیم رہنے کے بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کے ننھیالی رشتہ داروں نے اپنے قبیلہ کے ایک فرد نابغہ کے گھر میں آپ کو دفن کر دیا۔

ادھر جب قافلہ تجارت مکہ پہنچا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کو نہ پا کر اہل قافلہ سے ان کی بابت دریافت کیا۔ حالات معلوم ہونے پر عبداللہ کو لانے کیلئے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا۔ حارث جب مدینہ پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حارث واپس مکہ آئے اور تفصیل سے باپ کو آگاہ کیا۔ جنابِ عبدالمطلب کو اپنے جوان بیٹے کی موت پر سخت صدمہ ہوا۔ سب سے چھوٹا بھائی ہونے کے باعث عبداللہ سارے گھر کی محبت والفت کا مرکز تھے ان کی وفات کی خبر سن کر سب بھائی بہنوں کو بے حد رنج ہوا اور گھر کے تمام افراد اس جوان موت پر غمزدہ و نالہ کناں ہو گئے۔

مرثیہ:- جناب آمنہ نے اپنے شوہر کی موت پر یہ مرثیہ کہا:

عفاجانب البطحاء من ابن ھاشم   وجاور لحداً اخارجاً فی العناغم

فرزند ہاشم کی وفات کے باعث کنارہ بطحا کا نام و نشان تک مٹ گیا، نوحہ و بکا و گریہ و غوغا کے غیر متمیز شور میں باہر نکل کے وہ ایک لحد کا مجاور ہو گیا۔

دَعتہُ المنَا یادعوۃَ فاجابھا   وماترکت فی النّاس مثل ابن ھاشم

موت نے اسے دعوت دی اور اس نے وہ دعوت قبول کر لی، انسانوں میں کسی ایک کو بھی موت نے ایسا نہ چھوڑا جو فرزند ہاشم جیسا ہوتا۔

عَشِیَۃَ راحُوا یحملُون سریرہ   تحاوَرَہ اصحابُہ فی التزاحم

شب میں اسکا تابوت اٹھا کے چلے تو اسکے ساتھیوں نے انبوہ میں تابوت کو دست بدست لیا۔

فَاِن یكَ غالَتہ المنایا وربیھاُ   فقد کان مطعاء کثیرًا لتزا حم

اگر وہ مر گیا تو کیا ہوا، اس کے آثار خیر تو نہیں مرے، کیونکہ وہ نہایت درجہ فیاض اور بہت ہی رحم دل تھا۔ (طبقات ابن سعد ص: ۱۵۵ ج:۱)

اولاد:- یہ مصدقہ و مسلمہ حقیقت ہے کہ جناب عبداللہ کی واحد اولاد حضرت محمد ﷺ تھے جو باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔

ترکہ:- جناب عبداللہ نے جو ترکہ چھوڑا وہ بہت مختصر تھا۔ متفقہ بیانات کے مطابق ایک کنیز ام ایمن جن کا نام برکہ تھا اور جو حبشہ کی رہنے والی تھیں، پانچ عددِ اوَرِک اونٹ (اوَرِک اونٹ ان اونٹوں کو کہا جاتا ہے جن کی خوراک درخت اوَرِک (پیلو) ہوتی ہے۔) اور بھیڑوں کا ایک مختصر گلہ تھا۔ کل یہی وہ ترکہ تھا جو آنحضرت ﷺ کو ورثہ میں ملا تھا۔

دین آباء النبی:- پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے آباء و اجداد کے حالتِ کفر و شرک وفات پانے اور جہنمی ہونے کی بابت ایک زمانہ سے بحث و تکرار جاری ہے جسکے اثرات سے موجودہ دور کا ترقی یافتہ مسلمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حالانکہ رسول اکرمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ "میں ہمیشہ پاک و پاکیزہ مردوں کے صلبوں سے طیب و طاہر عورتوں کے ارحام میں منتقل ہوتا رہا" کی موجودگی میں اس امر کی قطعی گنجائش نہیں کہ رسولِ اکرمؐ کے اجداد و امہات کے نجس، مشرک اور کافر ہونے کی بابت تصور بھی کیا جائے۔ آخر وہ کونسے عوامل تھے جن کے تحت اس واضح اور مشہور حدیث کی موجودگی کے باوجود آنحضرتؐ کے جدات و امہات کے شرک و کفر اور جہنمی ہونے کا نظریہ قائم ہوا۔

تاریخ کے طالبعلم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ جب لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اسوقت یہود و نصاریٰ نے بھی اسلام قبول کیا۔ ان نو مسلم یہودیوں میں دو اشخاص قابل ذکر ہیں۔ ایک کعب الاحبار اور دوسرا وہب بن منبہ۔ کعب الاحبار یمنی الاصل علمائے یہود سے تھا۔ اس نے حضرت ابو بکرؓ اور بقولے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلام قبول کیا۔ وہب ابن منبہ بھی یہودیوں کا جید عالم اور یمن نژاد تھا۔ تفاسیر میں جو اسرائیلیات پائی جاتی ہیں ان کے موجد یہی دو شخص ہیں۔[1] یہ حقیقت ہے کہ علمائے یہود و نصاریٰ کی اکثریت نے پیغمبر اسلامؐ کو نبی برحق اور آپؐ کی لائی ہوئی کتاب "قرآن کریم" کو منزل من اللہ تسلیم نہیں کیا اور آنحضرتؐ کی تکذیب و توہین میں یہود و نصاریٰ کی مشترکہ کوشش کار فرما نظر آتی ہیں۔ بلاشبہ ان علمائے یہود و نصاریٰ نے اسلام تو قبول کر لیا اور اسلام دشمنی کی جو آگ کسی وقت ان کے سینوں میں شعلہ زن تھی وہ دب تو گئی لیکن بالکل سرد نہیں ہوئی یہی وجہ تھی کہ ابتدا صحابہ اکرام ان کے ساتھ خلا ملا نہیں کرتے تھے۔ لیکن بقول علامہ ابن کثیر: (ترجمہ)

[1] فجر الاسلام (عربی) ص: ۱۶۰

"جب کعب بن الاحبار نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلام قبول کیا تو وہ ان سے یہودیوں کی کتب قدیم کے تذکرے بیان کرنے لگا۔ ایسے بھی مواقع ہوتے تھے جب حضرت عمرؓ اس کے بیان کردہ تذکروں کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اس کو لوگوں نے کعب کے بیان کردہ واقعات کی طرف توجہ کی رخصت و اجازت کے مترادف سمجھا اور وہ اس کے بیان کردہ واقعات کو ان کے معصرت خیز نتائج اور سمیت ریز عواقب سے بے پرواہ ہو کر اس کے حوالہ سے نقل کرنے لگے"۔ (تفسیر ابن کثیر ص: ۱۷ ج: ۴)

چونکہ یہود و نصاریٰ کے نزدیک حضرت اسحاقؑ ذبیح اللہ ہیں لہٰذا کعب الاحبار نے مسلمانوں میں اس عقیدے کو پھیلایا تاکہ پیغمبر اسلام کو اولاد ذبیح اللہ ہونے کا شرف حاصل نہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں جتنی بھی روایتیں منقول ہیں انکی بابت علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں کہ "یہ تمام اقوال کعب الاحبار سے اخذ کیے گئے ہیں" اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں "اور اس امت کو ان واقعات میں سے جو کعب الاحبار نے بیان کئے ہیں کسی ایک حرف کے قبول کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" بد قسمتی سے خیر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو حریرہؓ کعب الاحبار کی صحبت میں زیادہ بیٹھے اور ان ہی دونوں بزرگان نے اس کے بیان کردہ واقعات کی تشہیر کی۔ چونکہ اسلام میں ان دونوں بزرگان کا ایک مقام ہے لہٰذا اسرائیلیات کتب تفاسیر و احادیث میں داخل ہو گئیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر احمد امین مصری نے بیان کیا ہے کہ

"کعب الاحبار سے دو شخصوں نے علم اخذ کیا اور اس کے علم کی نشر و اشاعت میں انہی دونوں کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ ایک حضرت ابن عباس جنکی تفسیر اسرائیلیات سے بھری ہوئی ہے اور دوسرے ابو حریرہ"

(فجر الاسلام ص: ۱۶۰)

یہی کعب الاحبار ہیں جنہوں نے اس روایت کو بیان کیا کہ آنحضرتؐ کے والدین مشرک اور جہنمی تھے چنانچہ ملا معین کاشفی لکھتے ہیں کہ

"کعب الاحبار کی روایت اسطرح ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: کاش مجھے یہ

معلوم ہو جاتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے ماں باپ کے ساتھ کیا کیا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے پیغمبر! ہم نے تم کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور تم سے اہل دوزخ کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہو گی (سورہ بقرہ آیت ۱۱۹) راوی کہتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم نے رسول اللہ ﷺ کو پھر کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے اپنے باپ یا ماں کو یاد کیا ہو۔" (معارج النبوۃ ص: ۷۵ رکن دوئم)

سورہ بقرہ کی آیت ۱۱۹ "وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ" کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ "یہی روایت امام قرطبی نے حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن کعب سے نقل کی ہے"[1] سوئے اتفاق ہے کہ عہد بنی عباس میں سیاسی ضرورت کے تحت اس شان نزول سے کام لینا پڑ گیا اور سرکاری سطح پر اس نظریہ کی تشہیر ہونے لگی۔ اس حقیقت سے تو ہر تاریخ داں اچھی طرح واقف ہے کہ بنو عباس نے بنو فاطمہ کو خلافت کا مستحق ظاہر کر کے بنو امیہ کیخلاف خروج کیا چونکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد بنی فاطمہ کی ہمدرد تھی لہٰذا انکے اثرات کی وجہ سے بنو عباس کو کامیابی ہوئی مگر تاریخ گواہ ہے کہ بنو امیہ پر غلبہ پانے کے بعد بنو عباس خود خلافت پر قابض ہو گئے اور بنو امیہ کی طرح بنو عباس نے بھی بنو فاطمہ کے ساتھ ناروا سلوک شروع کر دیا۔ جب بنو عباس کے دوسرے تاجدار منصور دوانقی نے اولاد امام حسنؑ پر بے انتہا مظالم ڈھائے تو حضرت امام حسنؑ کے پڑپوتے محمد نفس ذکیہ نے منصور کے خلاف تحریک شروع کی۔ جب یہ تحریک عروج پر تھی تو منصور نے فطری مکاری سے کام لیتے ہوئے محمد نفس ذکیہ کو تحریری امان نامہ ارسال کیا۔ جسکے جواب میں محمد نفس ذکیہ نے اور باتوں کے علاوہ اپنی فضیلتیں بیان کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ "ہم جاہلیت کے دور میں رسول اللہؐ کی دادی فاطمہ بنت عمرو کی اولاد ہیں اور عہد اسلام میں آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی اولاد ہیں" اسکے جواب میں منصور نے لکھا

[1] تفسیر ابن کثیر ص: ۱۶۲ ج: ۱

کہ "اگر اللہ عورتوں کے حق انکی قرابت کی وجہ سے قائم کرتا تو سب سے زیادہ حق و مرتبہ اس دنیا میں اور آخرت میں دخول جنت کا شرف اولیت رسول اللہؐ کی والدہ آمنہ کو عطا فرماتا لیکن اللہ نے اپنے علم کے باوجود یہ شرف دوسروں کو دیا۔" اسی خط میں آگے چل کر لکھتا ہے کہ "تم نے ابی طالب کی ماں فاطمہ کا ذکر کیا ہے اور ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو حالانکہ اسکی اولاد میں سے چاہے بیٹا ہو یا بیٹی کسی کو اسلام لانے کا شرف نصیب نہیں ہوا"[1]

چونکہ محمد نفس ذکیہ اولاد ابو طالب سے تھے اور منصور اولاد عباس سے اس نے اپنی فضیلت ظاہر کرنے کیلئے یہ حربہ استعمال کیا کہ ابو طالب کی ماں کے بطن سے پیدا ہونے والے سب کافر و مشرک ہی رہے۔ چونکہ ابو طالب اور آنحضرتؐ کے والد عبداللہ ماں جائے بھائی تھے لہٰذا منصور نے نہ صرف جناب ابو طالب کو بلکہ جناب عبداللہ کو مشرک و کافر قرار دیا۔ اس سلسلہ میں منصور کے جد حضرت عبداللہ بن عباس کی مذکورہ روایت پہلے ہی سے موجود تھی لہٰذا اب شاہی سطح پر آنحضرتؐ کے والدین کے کافر و مشرک ہونے کا پروپیگنڈا شروع ہو گیا۔ شاہی عتاب کے خوف سے کسی میں بھی اتنی جرات نہ تھی کہ اس پروپیگنڈے کے خلاف زبان کھول سکے۔ اسکے برعکس خوشامدیوں نے اس نظریہ کی حمایت میں روایتیں گھڑنا شروع کر دیں جو رفتہ رفتہ تقدس کا جامہ پہنتی گئیں۔ مگر زمانہ ایک حال میں کبھی نہیں رہتا۔ آخر کار وہ دور بھی آیا جب لوگوں کو آنحضرتؐ کے والدین اور جد امجد کے کفر و شرک پر دلالت کرنے والی روایات مشکوک نظر آنے لگیں۔ چونکہ منصور کے دور کی موضوعہ روایات زمانہ گزرنے کے باعث تقدس کی منزل تک پہنچ چکی تھیں لہٰذا لوگوں میں انہیں رد کرنے کی جرات تو ہوئی نہیں البتہ وہ انکی نجات کے متبادل نظریات تلاش کرنے لگے۔ علماء کے ایک گروہ نے نظریہ پیش کیا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵ کی رو سے جو لوگ بعثت رسولؐ سے قبل فوت ہو گئے وہ معذب

[1] تاریخ طبری ص: ۱۹۳ ج: ۳

نہیں ہونگے اور چونکہ انہیں دین حق کی دعوت نہیں پہنچی اس لئے انکو نجات مل جائے گی۔ انہی میں آنحضرتؐ کے والدین اور جد امجد بھی شامل ہیں۔ علماء کے دوسرے گروہ نے اس نظریہ پر یہ اعتراض کیا کہ "جو لوگ ایام جاہلیت میں گزرے ہیں ان پر وہ حکم جاری نہ ہو گا جو ان لوگوں سے متعلق ہے جن کو دعوت دین نہیں پہنچی کیونکہ اہل جاہلیت کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے ذریعہ دین پہنچ چکا تھا۔"[1] اس گروہ کے لوگوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اہل جاہلیت عذر پیش کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری ہدایت کیلئے کوئی ہادی بھیجتا تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔ تب اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کا امتحان لے گا اور جو ایمان میں پورے اتریں گے وہ نجات یافتہ ہونگے اور جو ناکام ہوں گے انکا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ آنحضرتؐ کے آباء و اجداد کامیاب ہونے والوں میں ہونگے اور عذاب سے نجات پائیں گے۔ تیسرے گروہ کے علماء نے دوسرے گروہ کے نظریہ پر اعتراض کیا کہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا۔ آخرت میں امتحان لینا قرآن کے نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ اس گروہ نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے والدین اور جد امجد کو مرنے کے بعد زندہ کیا اور یہ تینوں انکے ہاتھ اسلام لائے۔ چوتھے گروہ کے علماء نے مذکورہ نظریہ پر یہ اعتراض کیا کہ جو شخص کافر مر گیا ہو اسکا زندہ ہو کر ایمان لانا فائدہ بخش نہیں بلکہ اگر موت کا منظر دیکھ کر بھی کوئی ایمان لائے تو نفع بخش نہیں۔ اس گروہ نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ آنحضرتؐ کے والدین اور جد امجد بھی زید بن عمرو بن نفیل (جو حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے) کی طرح دین ابراہیمی پر عامل اور موحد تھے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ زید بن عمرو کے موحد اور جنتی ہونے پر کسی کو اعتراض نہیں لیکن اگر آنحضرتؐ کے والدین اور جد امجد کیلئے یہی بات کہی جائے تو کہنے والے کو فوراً جاہل و رافضی بتا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یحیٰی بن حسین علوی کے ترجمہ میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ

[1] الرسائل تسع، رسالہ التعظیم والمنۃ ص: ۳۶

ترجمہ: "یہ شخص رافضی ہے۔ اس نے وہ جھوٹی روایت بیان کی ہے جس کا متن یہ ہے کہ بہ تحقیق آنحضرتؐ کے والدین اور ان کے جدامجد جنتی ہیں۔ یہ اس جاہل پر اس روایت کی وضع کرنے کا اتہام لگایا گیا ہے۔

(میزان الاعتدال ص: ۳۶۸ ج: ۴)

آنحضرت ﷺ کے والدین اور جدامجد کے کافر و مشرک ہونے پر اس درجہ اصرار دیکھ کر علامہ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے ان کے موحد اور دین ابراہیمی کے پیرو ہونے کے متعلق چھ رسالے تالیف کئے۔ ان میں انھوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ آنحضرتؐ کے تمام آباؤاجداد اور جدات و امہات سب موحد اور دین حق پر تھے۔ یہ چھیوں رسالے مع دیگر تین رسالوں کے "الرسائل التسع" کے نام سے دائرہ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئے۔ علامہ سیوطی کو اس کارنامہ پر علماء نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: "خداوند عالم شیخ جلال الدین سیوطی کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس باب میں متعدد رسالے تصنیف کئے اور اس مسئلہ کو بہترین طریقہ سے واضح کیا۔ اور یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کے نورپاک کو تاریک اور گندے مقام میں جگہ دے اور میدان حشر میں ان کے آباء کو عذاب دیکر ان کو ذلیل و رسوا کرے۔"

(اشعۃ اللمعات فارسی شرح مشکوٰۃ ص: ۴۹۱ ج: ۴)

دین عبداللہ:

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے والد محترم جناب عبداللہ کے موحّد ہونے پر ہزاروں دلیلوں کی ایک دلیل وہ قول رسولِ مقبولؐ ہے جسے اکثر مورخین نے بیان کیا ہے اور اس کا ترجمہ ہے کہ:

"نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب عبداللہ پر یہ ارشاد فرما کر فخر کیا کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں" (الملل والنحل ص: ۲۳۹ ج ثانی)

اس ارشاد کی بابت علامہ حلبی کا کہنا ہے کہ " اس قول رسولؐ میں ذبیح اول سے جناب اسمٰعیلؑ اور ذبیح دوم سے حضرت عبداللہ مراد ہیں"[1] پیغمبر اسلام کا منزل فخر و مباہات پر یہ فرمانا کہ "میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں" اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جناب عبداللہ دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ کبھی بھی یہ فخریہ کلمات ادا نہ فرماتے کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے علی الاعلان اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ " زمانہ جاہلیت کے کافر و مشرک آباء و اجداد پر فخر و مباہات ممنوع ہے"[2] رسالتمآبؐ کا اپنے والد محترم کو بہ اعتبار مفاخرت حضرت اسمٰعیلؑ کے مساوی قرار دینا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ جناب عبداللہ توحید پرست اور ملت ابراہیمی کے پیرو تھے۔ یہاں اس امر کی گنجائش ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آپؐ نے یہ فخریہ کلمات فتح مکہ سے قبل کہے ہوں اور فتح مکہ میں اپنے اعلان کے بعد اس سے پرہیز کیا ہو۔ اس وسوسہ کو دور کرنے کیلئے ہمیں ان دو باتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہیے اول یہ کہ حدیث رسولؐ کا اطلاق صرف قول و فعلِ رسولؐ پر ہی نہیں بلکہ تقریر پر بھی ہوتا ہے۔ اور تقریر کی بابت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ "تقریر کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص نے آنحضرتؐ کی موجودگی میں کچھ کہا ہو اور آپ نے نہ تو اس سے انکار کیا اور نہ منع کیا بلکہ خاموش رہے اور قائم رکھا"[3] اس سے ظاہر ہوا کہ اگر کسی شخص کے قول کو سن کر حضورؐ نے خاموشی اختیار کی ہو تو وہ بھی حدیث کی تعریف میں آتا ہے۔ دوئم یہ کہ تاریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان نے ۸ھ فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد کے ساتھ ایمان قبول کیا اس سے قبل وہ مخالفین پیغمبرؐ کے گروہ میں شامل تھے اس طرح انھیں خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہونے کا شرف فتح مکہ کے بعد نصیب ہوا اس وضاحت کے بعد ہم معاویہ بن ابوسفیان کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

[1] سیرۃ الحلبیہ ص: ۵۰ ج: ۱ [2] سیرۃ الحلبیہ ص: ۲۲ ج: ۳ [3] مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح اردو ترجمہ ص: ۱

"ہم خدمت رسولؐ میں حاضر تھے کہ اچانک ایک اعرابی آیا اور اپنے ملک میں خشک سالی کی شکایت کرنے لگا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنے ملک کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ مویشی ہلاک ہو رہے تھے اور اہل و عیال ضائع ہو رہے تھے۔ 'یا بن الذبیحین' (اے دو ذبیحوں کے فرزند) اللہ نے جو مال غنیمت آپ کو عطا کیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی عطا کر کے ممنون کیجئے۔ یہ سنکر رسول اللہؐ مسکرائے اور اعرابی نے جس لقب سے خطاب کیا تھا اس سے انکار نہیں کیا۔" (سیرۃ الحلبیہ ص: ۳۵ ج: ۱)

اس روایت سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ فتح مکہ کے بعد بھی پیغمبر اسلام نے تقریراً یہ حدیث فرمائی کہ آپؐ دو ذبیحوں یعنی حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت عبداللہ کے فرزند ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب پدر پیغمبر موحّد اور دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔

دین آمنہ:-

حضرت آمنہ بنتِ وہب بن عبد مناف زوجہ محترمہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ ماجدہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موحدہ اور دین ابراہیمی کی پیرو تھیں۔ بقول واقدی "جناب عبداللہ نے پچیس ۲۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور ان کے انتقال کے چھ سال بعد کم و بیش اسی عمر میں حضرت آمنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔" اسطرح یہ دونوں برگزیدہ ہستیاں عین عالم شباب میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ اسی لئے انکے واقعات تاریخ میں بہت کم ملتے ہیں۔ جناب آمنہ کے موحدہ اور دینِ ابراہیمی کی پیرو ہونے کی تائید اس مسلمہ روایت سے ہوتی ہے جو خود جناب آمنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ

"میں حاملہ ہوئی لیکن وضع حمل کے وقت تک نہ مجھے کسی قسم کی گرانی محسوس ہوئی اور نہ تکلیف۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ میں حمل سے ہوں۔ ایام حمل میں ایک رات جبکہ میں کچھ سوتی تھی

اور کچھ جاگتی تھی ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ کیا تجھ کو معلوم ہے کہ تو اس قوم کے سردار اور نبی کا بار اپنے شکم میں اٹھائے ہوئے ہے اتنا کہہ کر فرشتہ چلا گیا۔ جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو وہ فرشتہ پھر نمودار ہوا اور کہنے لگا: جب یہ بچہ پیدا ہو تو یہ کہنا کہ میں ہر فاسد کے شر سے اسکو خدائے واحد و یکتا کی پناہ میں دیتی ہوں اور اسکا نام محمدؐ رکھنا"

(سیرۃ الحلبیہ ص: ۴۴ ج: ۱)

جناب آمنہ کے پاس فرشتہ کا نازل ہونا اور انھیں یہ بتانا کہ تم اپنے بچے کا نام محمدؐ رکھنا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ آپ موحدہ اور دین ابراہیمی کی پیرو تھیں کیونکہ قرآن پاک[1] میں صاف طور سے یہ خبر دی گئی ہے کہ نزول ملائکہ ان ہی مومنین پر ہوتا ہے جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کو اپنا رب جانتے ہیں اور اس عقیدہ توحید پر تادم مرگ قائم رہتے ہیں۔ یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ فرشتے کا نزول تو نبی پر ہوتا ہے اور جنابِ آمنہ نبی نہیں تھیں پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ غیر نبی کے پاس فرشتہ نازل ہو۔ اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ اسی طرح ممکن ہے جس طرح جناب مریم مادرِ حضرت عیسیٰؑ کے پاس اللہ نے اپنی روح یعنی جبرائیل کو بھیجا تھا۔ حالانکہ جناب مریم نبی نہیں تھیں۔ جب جناب مریم مادرِ عیسیٰؑ کے پاس فرشتہ نازل ہو سکتا ہے تو جناب آمنہ مادرِ محمد ﷺ کے سامنے فرشتے کے آنے میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

جناب آمنہ کے موحدہ اور دین ابراہیمی کی پیرو ہونے کا مزید ثبوت اُم سماعہ بنتِ ابی رھم کی اس روایت سے بھی ملتا ہے جسے علامہ سیوطی نے رسالہ "مسالک الحنفاء" میں نقل کیا ہے اور جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

"ابو نعیم نے اپنی کتاب 'دلائل النبوہ' میں امام زہری کے طریق سے بواسطہ اِمّ سماعہ بنتِ ابی رھم روایت نقل کی ہے کہ امّ سماعہ کی ماں نے بیان کیا:

[1] سورۃ حم آیت ۲۹ : ۳۰

رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ کی اس علالت کے موقع پر میں موجود تھی جس میں انکا انتقال ہوا۔ اُس موقع پر محمد مصطفیٰ ﷺ جن کی عمر پانچ سال تھی ان کے سرہانے کھڑے تھے۔ یکایک آمنہ نے ان کے چہرے کی طرف نظر ڈالی اور یہ شعر پڑھنے لگیں:

بارك الله فيك من غلام — يا ابن الّذى من حومة الحمام
بخابعون الملك المنعَام — فُودي غداة الضرب بالسهام
بمائةمن ابلٍ سوام — ان صّح ما ابصرتُ فى المنام
فانت مبعوث الى الا نام — من عند ذى الجلال والاكرام
تبعث فى الحلِ وفى الحرام — تبعث بالّحقيق والاسلام
دين ابيك البّرا ابراهام — فالله ينهاك عن الاضام
ان لا تواليهامع الاقوام

ترجمہ: اے لڑکے اے اُس باپ کے فرزند جو سردار اور شریف قوم تھا اور جس نے خدائے برتر و اعلیٰ وصاحبِ جود و سخا کی مدد سے نجات پائی اور جس کے بدلے میں اس روز صبح کہ جب تیروں سے قرعہ اندازی ہوئی۔ ایک سو شریف النسل اونٹ فدیہ دیئے گئے' خدا تجھے بابرکت کرے۔ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے۔ تو تو خدائے ذوالجلال والاکرام کی طرف سے اہل عالم کیلئے نبی مبعوث ہوگا تو حلال و حرام میں نبی مبعوث ہوگا جو تیرے پاکباز جداعلیٰ حضرت ابراہیم کا دین تھا اور اللہ تجھ کو بتوں سے بچائے رکھے گا یعنی تو اصنام پرستی میں اقوام عرب سے دوستی و موالات نہیں رکھے گا۔

پھر جناب آمنہ نے فرمایا ہر ذی روح کو مرنا ہے اور ہر حارث کو ناپید ہونا ہے میں ضرور مر رہی ہوں لیکن میرا ذکر باقی رہے گا کیونکہ میں خیر محض کو چھوڑے جارہی ہوں جس کو میں نے طیب و طاہر جنا ہے۔ اس کے بعد وہ انتقال کر گئیں۔[1] علامہ سیوطی مزید لکھتے ہیں کہ ترجمہ: "آپ دیکھتے ہیں کہ جناب آمنہ کے مذکورہ

[1] رسالہ مسالک الحنفاء ص: ۴۶

بالا کلمات صاف وصریح طور سے اقوام عرب کے ساتھ بت پرستی میں دوستی اور موالاۃ کرنے سے ممانعت کررہے ہیں' دین ابراہیم علیہ السلام کے حق ہونے کا اعتراف کررہے ہیں اور اپنے فرزند کے خدائے ذوالجلال والاکرام کی طرف سے دین اسلام کے ساتھ اہل علم کی طرف مبعوث ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور یہ وہ کلمات ہیں جو ان کی ذات سے شرک کی نفی کررہے ہیں۔"

ان روایات کو جب ہم آنحضرتؐ کی اس متفقہ علیہ حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا کہ۔ لم يزل الله ينقلنى من اصلاب الطاهرة الىٰ ارحام الطاهرات" اللہ مجھ کو ہمیشہ پاک و پاکیزہ مردوں کی پشتوں سے طیب و طاہر عورتوں کے رحموں میں منتقل فرماتا رہا۔" تو پھر کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ جناب آمنہ مؤحدہ اور دینِ ابراہیمی کی پیرو تھیں۔

دین عبدالمطلب:۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے اجداد میں قریب ترین آپکے دادا جناب عبدالمطلب ہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنکے حالت کفر و شرک مرنے اور جہنمی ہونے پر علمائے متقدمین نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے ان کے جنتی ہونے پر کسی صحابی کا قول بیان کردیا تو بلا تامل اسے جاہل قرار دیدیا۔ اگر روایتی انداز سے ہٹ کر غور کیا جائے تو عبدالمطلب کی شخصیت ایک ایسا ضیاء بار فانوس نظر آتی ہے جس سے شمع توحید کی شعاعیں چھن چھن کر اہل بصیرت کے قلب و نظر کو منور کررہی ہیں۔ لیکن ذہنِ انسانی کو مسحور و مرعوب کرنے میں ان غلط اور موضوع روایات نے جنہیں امتداد زمانہ کے باعث تقدس کا درجہ نصیب ہوا' انتہائی موثر کردار ادا کیا ہے۔ حالانکہ جناب عبدالمطلب کے موحد اور دینِ ابراہیمی کے پیرو ہونے کی بابت کتب سیر و تواریخ میں کثرت سے واقعاتی شہادتیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقام تقدس پانے والی موضوع روایات کی موجودگی کے باوجود علامہ حلبی جیسے مورخ و سیرت

نگار کو یہ لکھنا پڑا کہ " انہوں (عبدالمطلب) نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں بتوں کی پرستش چھوڑدی تھی اور حق سبحانہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہوگئے تھے۔"[1] علامہ حلبی کا یہ قول انہی تقدس یافتہ غلط روایات اور موضوع احادیث سے مرعوب ہونے کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ورگرنا تاریخ شاہد ہے کہ جناب عبدالمطلب نے اپنی پوری زندگی میں کسی ایک لحہ کیلئے بھی بت پرستی اختیار نہیں کی۔ آپ کی تمام عمر توحید پرستی اور دینِ ابراہیمی کی پیروی میں گزری۔ ہم یہاں جناب عبدالمطلب کے چند ایک واقعات کا مختصر اجائزہ پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے تمام عمر شرک و کفر کی آلودگی سے اپنے دامن کو محفوظ رکھا۔

۱) چاہ زمزم کی دریافت کے وقت جناب عبدالمطلب کے صرف ایک بیٹا حارث تھا۔ ان دونوں باپ اور بیٹے نے حکم خداوندی کے مطابق زمزم کی کھدائی شروع کی تو قریشِ مکہ فساد پر آمادہ ہوئے۔ عبدالمطلب اور حارث نے مقابلہ کیا اور بمشکل تمام قریش پر غلبہ پایا۔ اس موقع پر جناب عبدالمطلب کو افرادی قوت کا شدت سے احساس ہوا۔ لہٰذا آپ نے اللہ کے حضور نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس فرزند عطا کیے اور وہ انکی حیات میں جوان ہوئے تو ان میں سے ایک فرزند کو کعبہ کے پاس راہِ خدا میں قربان کریں گے۔ یہ جناب عبدالمطلب کے شباب کا زمانہ تھا اور قریش کابت 'ہبل' بھی موجود تھا اگر جناب عبدالمطلب جوانی میں یعنی ابتدائی زندگی میں بت پرست ہوتے تو وہ ہبل کی نذر مانتے نہ کہ اللہ کی اور اللہ نے بھی اپنے اس توحید پرست بندے کی دعا کو قبول فرمایا۔

۲) جب جناب عبدالمطلب کے دسوں بیٹے انکی حیات میں جوان ہوگئے تو آپ نے ایفائے نذر کا قصد کیا اور اپنے تمام بیٹوں کو طلب کرکے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ لہٰذا جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو قربانی کیلئے لیکر چلے تو تمام عزیز و اقارب اور سردارانِ قریش آپکے ہمراہ تھے۔ جب آپ قربانی کرنے پر آمادہ ہوئے تو سب لوگوں نے اصرار کیا

[1] سیرۃ الحلبیہ ص: ۴ ج: ۱

کہ قربانی کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں بلکہ ہم سب ملکر قبیطہ نامی عرافہ کے پاس چلیں اسکے تابع ایک جن ہے وہ جو بھی کہے گی اس پر عمل کیا جائے۔ جناب عبدالمطلب نے ان کی بات مان لی اور سب لوگ اس عرافہ کے پاس پہنچے اسے تفصیل بتائی۔ اس نے کہا " آج میں اپنے تابع سے دریافت کرکے کل جواب دوں گی" دوسرے روز جب یہ لوگ اسکے پاس گئے تو اس نے دریافت کیا "تمہارے یہاں قتل کی دیت کیا ہے" انہوں نے جواب دیا 'دس اونٹ' عرافہ نے کہا عبداللہ اور دس اونٹوں میں قرعہ اندازی کرو اگر عبداللہ کے نام قرعہ آئے تو دس اونٹوں کا اضافہ کردو پھر عبداللہ اور بیس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالو اگر پھر بھی عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو اسی طرح دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے رہو یہاں تک کہ اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ واپس آکر تجویز کے مطابق قرعہ اندازی کرائی گئی۔ عبدالمطلب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کھڑے ہوگئے۔ دس مرتبہ قرعہ اندازی ہوئی اور ہر مرتبہ جناب عبدالمطلب اللہ رب العزت کے حضور دعا کرتے رہے حتیٰ کہ اونٹوں پر قرعہ نکلا سب لوگ خوش ہوگئے مگر عبدالمطلب نے کہا کہ اللہ کی قسم ایسا نہیں یہاں تک کہ تین مرتبہ اونٹوں پر ہی قرعہ نکلے لہٰذا پھر قرعہ اندازی ہوئی اور جناب عبدالمطلب مسلسل اپنے رب سے دعا کرتے رہے جب تین بار قرعہ اونٹوں پر ہی نکلا تو جناب عبدالمطلب نے ایک سو اونٹ ذبح کیے اور کسی شخص کو انکے گوشت سے محروم نہیں کیا۔ اسطرح جناب عبداللہ کا فدیہ دیا گیا۔ ابن ہشام نے اس پورے واقعہ کی تفصیلی منظر کشی کی ہے۔[1]

یہ تھا جناب عبدالمطلب کا تصورِ توحید کہ مسلسل تیرہ مرتبہ قرعہ اندازی ہوئی اور آپ ہر بار اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے رہے۔ ایکبار بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اور یہ عمل اسی شخص کا ہوسکتا ہے جسکی رگ و ریشہ میں نظریہ توحید سرایت کرگیا ہو۔ اور جو ایمان و عقیدۂ توحید کی اعلیٰ منزل پر گامزن ہو۔

[1] سیرۃ ابن ہشام ص: ۱۷۹ ج: ۱

۳) واقعہ اصحاب فیل جسکی تفصیل قرآن کریم وجملہ کتب تواریخ میں مرقوم ہے کے موقع پر ابرہہ کی فوج کشی' عبدالمطلب کے دوسو اونٹوں کا پکڑا جانا' جناب عبدالمطلب کا ابرہہ سے ملاقات کرکے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کرنا' دوران گفتگو ابرہہ کا متعجب ہوکر یہ کہنا کہ آپ اپنی عبادت گاہ کے مقابلہ میں اپنے اونٹوں کی فکر کرتے ہیں جسکے جواب میں جناب عبدالمطلب کا یہ ارشاد "انا رب الابل و للبیت رب یحمیہ" یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں اسلئے مجھے انکی فکر ہے اور اس گھر (خانہ کعبہ) کا بھی مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کریگا. جناب عبدالمطلب کے اس مختصر جملہ سے آپ کا اللہ رب قدیر کی قدرت پر بھرپور اعتماد و بھروسہ کا اظہار ہوتا ہے اگر صرف یہی ایک جملہ آپ کے ایمان باللہ کی دلیل میں پیش کیا جائے تو کافی ہے. ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جس روز جناب عبدالمطلب کو خبر ملی کہ کل ابرہہ خانہ کعبہ کو منہدم کریگا اس روز وہ دروازہ کعبہ کے حلقہ کو پکڑ کر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ رو رو کر یوں دعا کرنے لگے.

"اے اللہ بندہ اپنی قیام گاہ کی حفاظت کرتا ہے پس تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما. کل ان کی صلیب اور ان کی طاقت تیری طاقت و قوت پر غالب نہ ہو جائے." (سیرۃ ابن ہشام ص: ۷۸ ج: ۱)

یہ رجوع الی اللہ اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جسکا عقیدۂ توحید پر یقین کامل ہو اور کفر و شرک سے اس کا قطعی کوئی تعلق نہ ہو. جناب عبدالمطلب کو کبھی بھی بت پرستی کیجانب رغبت نہیں ہوئی وہ ہمیشہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے پرستار رہے.

۴) ایام جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اسے ہبل نامی بت کے پیروں میں ڈالدیتے اور بت کے پیروں کی خاک کو تبرکاً بچہ کی آنکھوں میں ڈالتے نیز بچہ کی درازی عمر کیلئے بت سے دعا کرتے. تاریخ گواہ ہے کہ جب آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تو جناب عبدالمطلب اپنے پوتے کو گود

میں لیکر خانہ کعبہ میں گئے اور بقول علامہ حلبی دعا کرنے لگے کہ "قام یدعو اللہ و یشکرلہ ما اعطاہ" [۱] یعنی اس بچہ کی بخشش و نعمت پر اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگے. اس موقع پر انہوں نے چند اشعار کہے.

ا لحمد للہ الذی ا عطانی	ھٰذا الغلامہ الطّیبَ الأ مردان
قدساولی المہد علی الغلمان	أعیذہ بالبیت ذی الارمان
حتی اراہ بالغُ البنیانُ	أعیذہ من شر ذِی شنآن

من حاسدٍ مضطرب العنان [۲]

ترجمہ: "سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے یہ پاک و پاکیزہ اور خوبصورت بچہ عطا فرمایا. مہد میں ہی اسے اور بچوں پر شرف حاصل ہے میں اسے اللہ کے گھر کی پناہ میں دیتا ہوں یہاں تک کہ میں اس کو بالغ دیکھ لوں میں اسکے لئے ہر بغض و حسد رکھنے والے کے شر سے خدا کی پناہ میں رہنے کی دعا کرتا ہوں."

۵) جب قریش خشک سالی کا شکار ہوئے تو چند معززین قریش جناب عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مصیبت بیان کی. آپ نے کہا کہ "کل ہر خاندان سے ایک ایک فرد میرے پاس آئے." ہدایت کے مطابق دوسرے روز لوگ جمع ہوگئے. جناب عبدالمطلب اپنی تمام اولاد کو جن میں آنحضرتؐ بھی شامل تھے اور افرادِ قریش کو ساتھ لیکر کوہ ابو قبیس پر پہنچے اور بمنت و زاری اللہ کے حضور یوں دعا کرنے لگے.

ترجمہ: "اے اللہ! یہ تیرے غلام اور تیری کنیزیں تیرے سامنے حاضر ہیں تو دیکھ رہا ہے جو مصیبت ہم پر پڑی ہے. ہمیں سالہا سال سے قحط کا سامنا ہے جس نے اونٹوں' گائے بیلوں' گھوڑوں اور خچروں کا صفایا کر دیا ہے. جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں. پس تو ہم سے اس خشک سالی کو دور کردے اور بارش اور سرسبزی و شادابی سے ہمیں سرفراز فرما." (سیرۃ الحلبیہ ص: ۱۰۶ ج: ۱)

[۱] سیرۃ الحلبیہ ص: ۷۲ ج: ۱ [۲] روضۃ الاحباب ص: ۵۵ ج: ۱

مورخین کا بیان ہے کہ ابھی یہ لوگ کوہ ابو قبیس پر مصروف دعا ہی تھے کہ اتنی سخت بارش ہوئی کہ وادیاں بہہ نکلیں. یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بارش قبیلہ قیس و مضر کے علاقہ میں نہیں ہوئی لہٰذا وہ بھی وفد کی شکل میں جناب عبدالمطلب کے پاس آئے اور ان سے دعا کرنے کی درخواست کی لہٰذا جناب عبدالمطلب نے اسی طرح عرفات میں پہنچ کر بارگاہِ رب العزت میں دعا کی.

دور جاہلیت میں دعائے استسقاء کے یہ دونوں واقعات جناب عبدالمطلب کی توحید پرستی کی روشن دلیل ہیں اگر جناب عبدالمطلب کا رجحان بت پرستی کی جانب ہوتا تو وہ اللہ کے بجائے کسی بت سے بارش کیلئے دعاء کرتے. اس موقع پر آپ نے نہ قولاً نہ فعلاً بتوں کی طرف رجوع کیا بلکہ براہِ راست خدائے برتر و بزرگ سے طلب باراں کی دعا کی جو آپ کے توحید پرست ہونے کی واضح دلیل ہے. ان مختصر طور پر بیان کردہ واقعات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب اپنی زندگی کے کسی حصہ میں بھی شرک و بت پرستی کے قائل نہیں تھے.

تمت بالخیر

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تا

حضرت قائم آلِ عبا علیہ الصلواۃ والسلام

کے تفصیلی واقعات کیلئے

تاریخ بنی ہاشم حصہ دوم

ملاحظہ کیجئے

نگرانیٔ اِمام میں ہو گا یہ نیک کام
اچھا ہے وقت خواب کی تعبیر کے لئے
محشر میں فاطمہؑ تجھے کر دیں گی سرخرو
اٹھ جنّت البقیع کی تعمیر کے لئے
آصف لکھنوی

Nigrani-e-Imam main hoga yeh nek kaam,
Achchha hai waqt khwab ki tabeer ke liye,
Mahshar main Fatema (s.a) tujhe kardengi surkhroo,
Uth Jannatul Baqi ki tameer ke liye.
Late: - Asif Lucknowi